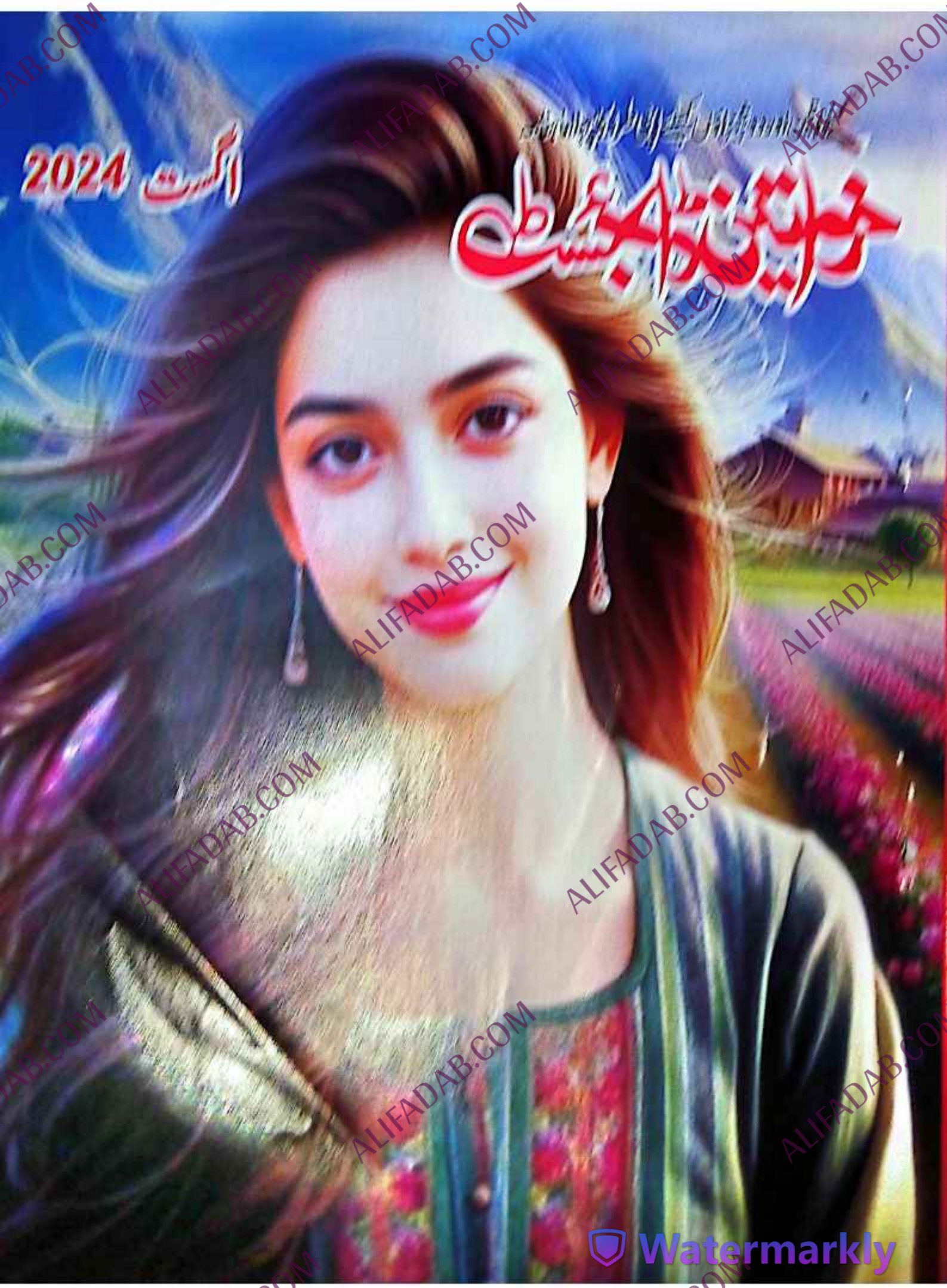

ALIFADAB.COM
Watermarkly

ALIFADAB.COM
Watermarkly

خواتین ڈائجسٹ

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن پیپلز آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز
MEMBER APNS CPNE

وٹس اپ 03172266944

بانی ——— محمود ریاض
مدیر اعلیٰ ——— آفرین ریاض
مدیرہ ——— نادرہ خاتون
نائب مدیرہ ——— رضیہ جمیل
مدیر خصوصی ——— امت الصبور
بلقیس بھٹی
لغویات ——— عدنان
قانونی مشیر ——— نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈوکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

کہنی سنی، مدیر 6
کرن کرن روشنی، ادارہ 7
ہمارے نام، نادرہ خاتون 22

آپ سے کیا پردہ

کیا پانی بھی برادر، انشاجی 12

خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے، امت الصبور 203

مجھ سے ملئے

باتیں خدیجہ سلیم سے، شاہین رشید 14

انٹرویو

سونیا حسین سے ملاقات، شاہین رشید 18

ناول

انگنا پھول کھلیں گے، راحت جبین 30

مکمل ناول

مسالا، نمرہ احمد 112
پردیس، سمیرا حمید 138
احد، صوفیہ بٹ 174
سرفروش سی محبت، عنبرین ابدال 76

ناولٹ

احساس اور گمان، راشدہ رفعت 62

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور اداروں خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

اگست 2024
جلد 52 شمارہ 03
قیمت 150 روپے

خط و کتابت کا پتہ
خواتین ڈائجسٹ
37-اردو بازار کراچی

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) ——— 1,800 روپے
امریکہ کینیڈا آسٹریلیا یورپ ——— 25,000 روپے
سالانہ شرح زرِ تعاون بیرون ملک
subscription@khawateendigest.com

انسانی

پہلی محبت، حمیرا شیخ 48
محبت بھرے رشتے، لبنیٰ آصف 59
اوقات، ریحانہ وقاص 209
آخری آنسو، شازیہ الطاف کاشمی 171

نظمیں غزلیں

غزل، فاروق شمیم 199
نظم، فرزانہ کھرل 199

میری بیاض سے

آپ کی بیاض سے، روحیلہ خان 202

پکوان

آپ کا باورچی خانہ، سحر صبا 204
موسم کے پکوان، واصفہ امین 207

نفسیات

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں، عدنان 208

رنگا رنگ پھول

رنگا رنگ سلسلہ، شگفتہ جاہ 200

بیوٹی بکس

بیوٹی بکس کے مشورے، امت الصبور 210

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔
پبلشر آذر ریاض نے ایمن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی
Phone: 32721777, 32726617 Fax: 92-21-32766872 0317 2266944
Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

ALIFADAB.COM
Watermarkly

مدیر

کچھ نئی

خواتین! اگست کا شمارہ لیے حاضر ہیں

اگست کا مہینہ جب اللہ کی رحمت دھرتی پر بارش بن کر برستی ہے۔ ان ہی مہینوں میں قدرت مہربان ہوئی اور برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ کا ایک سنہرا باب رقم ہوا۔ 27 رمضان المبارک کی بابرکت اور مبارک شب کو قدرت کا یہ انمول انعام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہمیں عطا کیا گیا۔

14 اگست 1947ء جب دنیا کے نقشے پر ایک نظریے کی بنیاد پر ایک ملک وجود میں آیا۔ وہ نظریہ جو ہر گزرتے دن کے ساتھ اپنی سچائی ثابت کر رہا ہے۔ ہندو مسلم دو قومیں ہیں۔ جن کا مذہب، عقیدہ، ثقافت اور تہذیب مختلف ہے۔ مسلمانوں کا اپنا علیحدہ وطن ہونا چاہیے۔ جو قوم تعصب اور تنگ نظری کی بنا پر اپنے ہی ہم مذہب اور ہم عقیدہ لوگوں کو ذات پات کی بنیاد پر اچھوت سمجھتی ہے، وہ مسلمانوں کو کیسے قبول کر سکتی ہے۔ ان کے ساتھ کیسے مل جل کر رہ سکتی ہے۔

وقت نے ثابت کیا کہ یہ فیصلہ درست تھا۔ آج مسلمانوں کے ساتھ بھارت میں جو ظالمانہ سلوک ہو رہا ہے، وہ ہندوؤں کے تعصب اور تنگ نظری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

یہ ملک ہمیں تحفے میں نہیں ملا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی دیانت دار، مخلص اور قوم کا درد رکھنے والی قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں نے متحد ہو کر جدوجہد کی، بے شمار لوگوں نے جان اور مال کی قربانی دی۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں تب کہیں آزادی کی نعمت نصیب ہوئی۔

ہمارے لیے دنیا بھر میں واحد جائے پناہ ہے جہاں ہم پورے حق کے ساتھ رہ سکتے ہیں جسے اپنا وطن کہہ سکتے ہیں لیکن افسوس کہ ہمیں اس کی قدر نہیں ہے۔ اپنا وطن کتنی بڑی نعمت ہے، اس کی قدر جاننا ہو تو غزہ کے حالات دیکھیں۔ جہاں آگ اور خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے عورتیں، مرد، بچے شہید کیے جا رہے ہیں لیکن اپنے وطن، اپنی زمین کے لیے آج ستر سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ان کی جدوجہد جاری ہے۔

قارئین کو جشن آزادی مبارک

یہ ملک اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بے بہا نعمت ہے، اس کی قدر کریں۔ اس کو مستحکم بنا کر ان لوگوں کے مذموم ارادوں کو ناکام کر دیں جو ملک کو آگے بڑھتا نہیں دیکھ سکتے۔

اس بار 14 اگست کو الگ نماز ادا نہ کریں، دو نفل نماز شکرانہ ادا کر کے پاکستان کے استحکام اور ترقی کے لیے دعا کریں۔

اللہ تعالیٰ پاکستان کو تا قیامت سلامت رکھے۔ آمین

اس شمارے میں

☆ سمیرا حمید کا ناول پردیس
☆ نمرہ احمد کا مکمل ناول مالا
☆ راشدہ رفعت کا ناولٹ احساس اور گماں
☆ عمیرا شیخ لبنیٰ آصف، ریحانہ قاص اور شازیہ الطاف ہاشمی کے افسانے۔
☆ انگنا پھول کھلیں گے، راحت جبیں کا ناول
☆ معروف فنکار سراج حسین سے ملاقات
☆ عنبرین ابدال کا ناول سرفروش سی محبت
☆ صوفیہ بٹ کا ناول احد
☆ باتیں خدیجہ سلیم سے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن تو دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے۔ اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

جاہلوں سے درگزر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عیینہ بن حصن آئے اور اپنے بھتیجے حر بن قیس کے پاس ٹھہرے۔ یہ حر، ان لوگوں میں سے تھے جن کو عمر رضی اللہ عنہ کا (جو کہ خلیفہ تھے) قرب خاص حاصل تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہم نشیں اور مشیر قراء (اہل علم) ہوتے تھے، چاہے وہ اور عمر کے ہوں یا جوان۔ چنانچہ عیینہ نے اپنے برادر زاد (بھتیجے) سے کہا۔

"اے بھتیجے! تمہیں اس خلیفہ کے ہاں خاص مرتبہ حاصل ہے، تم میرے لیے بھی اس سے ملاقات کی اجازت طلب کرو۔"

چنانچہ انہوں نے اجازت طلب کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت مرحمت فرما دی۔ جب عیینہ اندر آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے۔

"اے ابن خطاب! اللہ کی قسم! تو ہمیں زیادہ عطیے دیتا ہے اور نہ ہمارے بارے میں عدل کے ساتھ فیصلے کرتا ہے۔"

(یہ سن کر) عمر غضب ناک ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے اسے مارنے کا ارادہ کیا۔

حر بن قیس نے ان سے کہا: "امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے کہا ہے۔

"عفو و درگزر اختیار کریں، نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے اعراض کریں۔ (الاعراف، 199)"

اور یہ (میرا چچا بھی) جاہلوں میں سے ہے۔ اللہ کی قسم!"

"جس وقت حر نے اس آیت کی تلاوت کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ (اسے سن کر) ذرا آگے نہ بڑھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کی کتاب کے پاس فوراً ٹھہر جانے (یعنی اس کے حکم پر عمل پیرا ہونے) والے تھے۔" (بخاری)

فوائد و مسائل: 1۔ حدیث میں قراء سے مراد آج کل کے قراء نہیں ہیں جو صرف فن تجوید کے ماہر

ALIFADAB.COM
Watermarkly

اور خوش الحانی سے قرآن پڑھنے والے ہیں، بلکہ اس سے مراد قرآن کے عالم، اس کے معانی ومفاہیم سے آگاہ اور حلال وحرام اور جائز وناجائز کو سمجھنے والے فقہاء ہیں۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دربار میں ہم نشین اور ان کے مشیران خاص یہی لوگ ہوا کرتے تھے۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حکمرانوں کو اپنا مشیر دین کا علم اور اس کا شعور رکھنے والوں کو بنانا چاہیے، نہ کہ دنیاداروں کو، جن کا مقصد صرف دنیا کمانا اور اس کو جمع کرنا ہوتا ہے، کیونکہ اہل دنیا کے مشورے اخلاص اور خیر خواہی کے بجائے، مخصوص مفادات اور خود غرضی پر مبنی ہوتے ہیں۔

2۔ اصحاب مجلس اور اہل مشاورت ہونے کے لیے علم وتقویٰ ضروری ہے، اس میں سن وسال کی کوئی قید نہیں۔

3۔ حاکم کو نہایت متحمل اور بردبار ہونا چاہیے۔

4۔ اسی طرح قبول حق میں بھی اسے کسی تامل کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

5۔ آدمی میں اگر حق گوئی کی ہمت ہو اور وہ ہاں میں ہاں ملانے والا نہ ہو تو اصحاب اقتدار کی قربت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

6۔ تعزیر (وہ سزا جو خلیفہ اپنی صوابدید پر کسی مجرم ایسے جرم میں دے جس میں حد نہ ہو) میں سفارش کی گنجائش موجود ہے، البتہ حدود میں ایسا کرنا ناجائز ہے۔

7۔ کمینے اور رذیل آدمی کی سفارش سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ اس کے کردار کی وجہ سے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

8۔ کسی بھی آدمی سے بات کرتے وقت اس کی قدر ومنزلت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

صبر

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"[illegible] (دوسروں) کا حق دینے کا قائل ہوگا اور ایسے کام ہوں گے جنہیں تم برا سمجھو گے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا: "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! (ان حالات میں) آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ (یعنی ہم کیا کریں؟)"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم وہ حق ادا کرو جو تمہارے ذمے ہوں اور جو تمہارے حق (دوسروں کے ذمے) ہوں ان کا سوال اللہ سے کرو۔" (بخاری ومسلم)

فوائد ومسائل: 1۔ اس حدیث کا مطلب ہے کہ جب حکمران ایسے ہوں جو تمہارے حقوق ادا نہ کریں اور تم پر اپنے آپ کو اور اپنے اقربا وغیرہ کو ترجیح دیں تو تم صبر سے کام لو اور ان سے بغاوت کرنے کے بجائے بارگاہ الٰہی میں توبہ واستغفار اور ان کے شر اور مظالم سے بچنے کی دعا کرو، بشرطیکہ ان سے کفر صریح کا اظہار نہ ہو۔

2۔ حکمرانوں کے علاوہ عام معاشرتی زندگی میں بھی اگر کوئی شخص حق پر ہونے کے باوجود اپنا حق اللہ کی خاطر چھوڑ دیتا ہے تو اس کے لیے جنت کی بشارت ہے۔

3۔ برائی کو روکنے سے اگر شر پھیلتا ہو اور کسی بڑے فتنے کا خطرہ ہو تو صبر سے کام لیتے ہوئے برداشت کرنا چاہیے۔

4۔ معمولی اختلاف اور پروٹوکول نہ ملنے پر جماعت سے علیحدگی اختیار کرنا ناجائز ہے۔ انسان اگر سمجھتا ہے کہ اس کی خدمات کا صلہ نہیں دیا جا رہا تو اسے صبر کرنا چاہیے۔

جہاد

ابوابراہیم حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض ان ایام میں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ دشمن سے ہوا انتظار فرمایا، (یعنی لڑائی کو مؤخر فرمایا) یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا تو آپ صلی

اللہ علیہ وسلم لوگوں میں کھڑے ہوئے اور فرمایا۔

"لوگو! دشمن سے ملاقات (لڑائی) کی آرزو مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت (سلامتی) مانگو۔ لیکن جب ایسا موقع آجائے کہ تمہاری دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے، تو ثابت قدمی سے لڑو اور یہ بات جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔"

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

"اے کتاب (قرآن مجید) کے اتارنے والے، بادلوں کو چلانے والے (دشمن کے) لشکروں کو شکست دینے والے ان کو شکست فاش سے دوچار فرما اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ (بخاری ومسلم)

فوائد ومسائل: 1۔ جہاد کے لیے بھرپور تیاری اور ہمہ وقت مستعد رہنے کی اگرچہ بڑی تاکید کی گئی تاہم اس کے باوجود دشمن سے مقابلے کی آرزو کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

2۔ مومن کا بہت بڑا ہتھیار ہے، میدان جہاد میں صبر کا مطلب استقلال، پامردی اور موت سے بے خوف ہو کر لڑنا ہے۔

3۔ سارا اعتماد ہتھیاروں، مادی ساز وسامان اور قوت وکثرت پر نہ ہو بلکہ ان کے ساتھ ساتھ اللہ سے فتح ونصرت کی بھی دعا کریں۔

4۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح صبح لڑائی کا آغاز فرماتے ورنہ سورج ڈھلنے کا انتظار فرماتے کہ مسلمانوں کی دعائیں ان کے شامل حال ہوں جیسے جمعہ نماز ظہر کے وقت مجاہدین کے لیے کرتے ہیں۔

5۔ جہاد ہی میں مسلمانوں کی عزت اور معیشت کا استحکام پنہاں ہے۔ آج مسلمانوں کی ذلت وخواری کی بنیادی وجہ فریضہ جہاد سے روگردانی کے علاوہ کوئی نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "جب تم جہاد کو چھوڑ دو گے تب اللہ تم پر ذلت وخواری مسلط کر دے گا۔"

سچائی کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھی ہو۔" (التوبہ 119) اور فرمایا:

"سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں (اللہ نے ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔)" (الاحزاب، 36)

مزید فرمایا:

"اگر وہ اللہ سے سچ بولتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔" (محمد۔ 21)

فائدہ آیات: سچ کے معنی ہیں: خبر کا واقعے کے مطابق ہونا اور جھوٹ کا مطلب اس کے برعکس، یعنی خبر کا واقعے کے مطابق نہ ہونا ہے۔ بعض کہتے ہیں سچ کا مطلب ہے، ظاہر وباطن اور جلوت وخلوت میں یکساں ہونا اور بعض کے نزدیک عمل کے احکام شرع کے تقاضوں کے مطابق ہونا، سچ ہے۔ سچ کے یہ سارے مفہوم ہی اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں اور ان سب پر سچ کا اطلاق صحیح ہے۔

سچ بولنا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یقیناً سچائی، نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ کے ہاں، بہت سچا لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ نافرمانی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نافرمانی جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔ اور آدمی یقیناً جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے ہاں اسے بہت جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔" (بخاری ومسلم)

فوائد ومسائل: 1۔ صدیق اور کذاب دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ مطلب ہے کہ سچائی جس کی طبیعت ثانیہ بن جائے اور جھوٹ جس کی پختہ عادت بن جائے۔ جس طرح انسان دنیا میں اپنے اچھے یا برے اعمال کے ساتھ مشہور ہوتا ہے، اسی طرح اللہ

ALIFADAB.COM
Watermarkly

کے ہاں بھی ہے۔

2۔ اللہ کے ہاں صدیق لکھے جانے کا مطلب سچائی کے اجر وثواب کا، اور کذاب لکھے جانے کا مطلب جھوٹ کی سزا کا مستحق قرار پانا ہے۔

3۔ حدیث میں سچائی کی ترغیب ہے کیونکہ یہ خیر کا سبب ہے اور جھوٹ سے اجتناب کی تاکید ہے، کیونکہ یہ منبع شر ہے اور منافقت کی علامت ہے۔

4۔ جھوٹ سے بسا اوقات وقتی طور پر فائدہ ہوتا ہے اور انسان کسی نقصان سے بھی بچ سکتا ہے، لیکن اس کا انجام نہایت بھیانک ہے۔ سچائی سے وقتی طور پر مشکلات آسکتی ہیں، لیکن انجام کار سرخروئی ہوتی ہے۔

5۔ سچائی کی برکت سے انسان کسی ناگہانی مصیبت سے بھی محفوظ رہتا ہے، جیسا کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی وحی کے موقع پر تسلی دیتے ہوئے فرمایا: "اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ضائع نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچ بولتے ہیں۔" (صحیح مسلم، الایمان، حدیث 160)

اطمینان کا باعث

حضرت ابو محمد حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنے ہوئے یہ الفاظ یاد ہیں۔

"وہ چیز چھوڑ دے جو تجھے شک میں ڈالے اور اس کو اختیار کر جس کے متعلق تجھے شک وشبہ نہ ہو، اس لیے کہ سچ، اطمینان (کا باعث) ہے اور جھوٹ شک اور بے چینی ہے۔"

(اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے: یہ حدیث صحیح ہے۔)

فوائد ومسائل: 1۔ اس سے معلوم ہوا کہ شبہات سے بچنا ضروری ہے تاکہ حرام کا ارتکاب نہ ہو جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے کہ [illegible] شبہات سے بچ گیا، اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا۔

2۔ شبہات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انسان خواہ مخواہ ہی تشکیک کا شکار رہے اور اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرتا رہے، جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کے حلال اور حرام دونوں طرف دلائل ہوں، اسے ترک کردے مبادا کہ حرام میں واقع ہو جائے۔

شہادت کی تمنا

حضرت ابو ثابت، بعض کہتے ہیں: ابو سعید اور بعض کے نزدیک ابو ولید، سہل بن حنیف، جو بدری صحابی ہیں، سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص سچے دل سے اللہ سے شہادت مانگے (لیکن اسے کافروں سے لڑنے کا موقع نصیب نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ اسے شہداء کے مرتبوں تک پہنچا دے گا اگرچہ اسے اپنے بستر پر موت آئے۔" (مسلم)

فوائد ومسائل: 1۔ سچائی دو طرح کی ہوتی ہے، زبان سے سچ بولنا، دل کی سچائی۔ زبان سے سچ بولنے والے کا ذکر تو پہلے گزر چکا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے اور اللہ کے ہاں اس کا شمار صدیقین میں ہونے لگتا ہے۔ اس حدیث میں جذبہ صادق کا ذکر ہے کہ اگر کوئی شخص سچے دل کے ساتھ کوئی کام اور نیکی کرنے کا عزم رکھتا ہے اور کسی وجہ سے حاصل نہیں کر پاتا تو سچائی کی اس برکت سے اللہ تعالیٰ اسے وہ مقام عطا کر دیتا ہے۔

2۔ اس میں خالص نیت کی فضیلت کا بیان ہے کہ دل میں نیت کر لینے ہی سے اللہ لوگوں کو شہداء کے مرتبوں پر فائز کر دیتا ہے اور اسی نیت کی خرابی سے میدان جہاد میں مرنے والوں کو جہنم میں ڈالے گا۔

جہاد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انبیاء میں سے ایک نبی نے جہاد (کے لیے نکلنے کا ارادہ) کیا تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا: میرے ساتھ وہ شخص نہ نکلے جس نے کسی عورت سے (نیا نیا) نکاح کیا ہے اور وہ قربت کا ارادہ رکھتا ہے، لیکن ابھی اس نے یہ کام نہیں کیا، نہ وہ شخص نکلے جس نے گھر بنایا ہو لیکن اس نے ابھی اس کی چھت نہیں ڈالی اور نہ وہ شخص جس نے (حاملہ) بکریاں یا اونٹنیاں خریدی ہیں اور وہ ان کے بچے جننے کے انتظار میں ہو۔

چنانچہ ان پیغمبر نے (اس کے بعد) جہاد کے لیے اپنا سفر شروع کر دیا، وہ اس (جہاد والی) بستی میں عصر کی نماز کے وقت یا عصر کے قریب پہنچے انہوں نے سورج سے (خطاب کرتے ہوئے) کہا: "تو بھی اللہ کی طرف سے مامور (مقررہ کردہ) ہے اور میں بھی اللہ کی طرف سے مامور ہوں۔ اے اللہ! اس سورج کو ہم پر روک لے۔ (یعنی لڑائی اور اس کا نتیجہ برآمد ہونے تک اسے غروب نہ فرما۔)"

چنانچہ سورج کو روک لیا گیا، یہاں تک کہ اللہ نے اس بستی کو ان کے ہاتھوں فتح کرا دیا۔ تو انہوں نے غنیمتیں جمع کیں اور (آسمان سے) اسے کھانے کے لیے آگ آئی لیکن اس نے اسے نہ کھایا۔

(یہ دیکھ کر) ان پیغمبر نے کہا۔

"بے شک تمہارے اندر خیانت کا عمل ہے، تم میں سے ہر قبیلے کا ایک آدمی مجھ سے آکر بیعت کرے۔"

چنانچہ اس طرح بیعت کرتے ہوئے ایک آدمی کا ہاتھ پیغمبر کے ہاتھ کے ساتھ چمٹ گیا۔ پیغمبر نے کہا۔

"بس تمہارے قبیلے کے اندر ہی خیانت کا عمل ہے، لہٰذا تیرا (پورا) قبیلہ میرے ہاتھ پر بیعت کرے۔"

تو ان میں سے دو یا تین آدمیوں کے ہاتھ پیغمبر کے ہاتھ کے ساتھ چمٹ گئے۔

پیغمبر نے کہا: "تمہارے اندر خیانت ہے۔"

چنانچہ وہ ایک سونے کا سر، گائے کے سر کی مثل، لے کر آئے اور اسے (کھلے میدان میں) رکھ دیا اور آگ نے آکر اسے کھا لیا۔ (یہ علامت تھی کہ جہاد کا یہ عمل مقبول ہے۔)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم سے پہلے یہ غنیمتیں کسی کے لیے حلال نہیں تھیں۔ جب اللہ نے ہماری عاجزی اور کمزوری کو دیکھا تو اسے ہمارے لیے حلال فرما دیا۔ (بخاری ومسلم)

فوائد ومسائل: 1۔ امام سیوطی کے نزدیک یہ پیغمبر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام تھے۔ ان کے طرز عمل سے معلوم ہوا کہ مجاہدین کے دنیاوی معاملات کا معقول انتظام ضروری ہے، تاکہ وہ پوری دل جمعی اور یکسوئی کے ساتھ مصروف جہاد رہیں۔

2۔ مال غنیمت کی حلت، امت محمدیہ کی خصوصیت ہے، ورنہ اس سے قبل اسے آگ کھا جاتی تھی۔

3۔ اس میں پیغمبر کے معجزے کا اثبات ہے کہ ان کے لیے سورج کی رفتار کو روک دیا گیا تاآنکہ انہوں نے فتح حاصل کر لی۔

4۔ خیانت اور بددیانتی بھی جھوٹ کی قسم ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے جہاد جیسا عظیم عمل بھی قبول نہیں ہوتا۔

5۔ جب متعین افراد ہوں اور وہاں کوئی چیز چوری ہو جائے تو چور تلاش کرنے کی خاطر سب کی تلاشی لینی جائز ہے۔

6۔ صحیح احادیث سے سورج کا رکنا صرف یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے ثابت ہے۔ کسی اور کے بارے میں نہیں۔

برکت

حضرت ابو خالد حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دونوں سودا کرنے والوں کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں۔ چنانچہ اگر وہ دونوں سچ بولیں اور چیز کی حقیقت صحیح صحیح بیان کر دیں (یعنی کوئی عیب وغیرہ ہو تو بتلا دیں) تو ان کے اس سودے میں برکت ڈال دی جاتی ہے اور اگر وہ چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو ان کے سودے سے برکت مٹا دی جاتی ہے۔" (بخاری ومسلم)

☆☆

ALIFADAB.COM
Watermarkly

آپ سے کیا پردہ

کیا پانی بھی برادر

الشابق

1965ء اور 1966ء میں جب کہ ہم اپنے مکان میں آئے نہیں تھے، اسے شوق سے دیکھا کرتے تھے۔ ان کی آمد کا یہ حال تھا کہ دراتا ہوا چڑھتا تھا، پھر شام سے لے کر ظلمات میں گھوڑوں کے دوڑانے کی کیفیت بیان کی ہے اور ٹنکی کو بھر کر کنارے سے باہر گرنے لگتا تھا۔ حتیٰ کہ ہمیں بھاگ کر والو بند کرنا پڑتا تھا۔

ادھر ہم مکان میں آئے، ادھر کسی نے کے ڈی اے والوں کو خبر کر دی کہ یہ شخص اہل بیت سے عقیدت رکھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز میں تیمم کرنا پڑا۔ نماز تو خیر تیمم کے ساتھ ہو جاتی ہے، لیکن کھانا پکانا، نہانا دھونا تو از روئے شرع بھی تیمم کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔

پھر ہم نے زر کثیر خرچ کیا اور آنگن میں کنواں یعنی حوض بنوایا اور مزید زر کثیر سے ایک مشین لگوائی۔ لیکن چند دن میں اس بے زبان مشین نے بھی شکایت شروع کر دی کہ حضرت میں پانی چڑھا سکتی ہوں، بنا نہیں سکتی، کے ڈی اے والے پانی چھوڑیں۔ وہ اس حوض میں آئے۔ تب میں اسے اوپر چڑھاؤں۔ ہم نے آکسیجن اور ہائیڈروجن سپلائی کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ لیکن فون ظلمات [illegible] کہ ہمیں

اس نے اپنی پر امن عدم تعاون کی تحریک جاری رکھی۔

بہت دن ہم ٹیکس تو کے ڈی اے کو دیتے رہے اور پانی باہر سے بالٹیوں میں منگاتے رہے، کیونکہ وہ دن حب الوطنی کے تھے۔ جس چیز کی قلت اور گرانی کی شکایت ہم کرتے، جواب ملتا کہ اسے بیرون ملک برآمد کر کے زرمبادلہ کمایا جا رہا ہے۔

چاول کے ساتھ یہ ہوا تھا، ہم نے یہ سمجھ لیا کہ پانی بھی برآمد کر کے زرمبادلہ کمایا جاتا ہوگا۔ لہٰذا شکایت کرنی ٹھیک نہیں۔ ٹھیک کے علاوہ شکایات کرنا قرین مصلحت بھی نہ تھا۔ کیونکہ یکبارگی جو بھی نظام حکومت بدلا، اور لوگوں نے نئے سرے سے پانی مانگا۔ تو حکومت نے لوگوں کے گھروں کے پانی کٹوا دیے۔ انعام درانی صاحب کچھ دن خوب لڑے۔ انقلابیہ کے کالموں اور نظموں کی قرولیاں بھونکتے رہے۔ آخر ہار کر بیٹھ گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کوئی آ کے مکان بھی ڈھا دے کہ اس کی وجہ سے پانی کی قلت ہے۔ یہ وہ زریں دور تھا جب دودھ دہی کی دکانوں پر جالیاں لگائی جا رہی تھیں اور جمعداروں کی

اپنے اور پڑوسی کے کل وقتی جمعدار ـــــ کے متعلق پہلی بار معلوم ہوا کہ دراصل یہ کارپوریشن کا تنخواہ دار ہے۔ لیکن یہ چار دن کی چاندنی تھی۔ اس کے بعد وہی ہوا۔ جو چار دن کی چاندنی کے بعد ہوتا ہے۔

ہمارا وہ گمان تو جس کا تعلق عقیدے اور مذہب سے تھا، غلط ثابت ہوا۔ تحقیق پر پتا چلا کہ کے ڈی اے کے سب ہی افسران بحمد اللہ صحیح العقیدہ مسلمان ہیں۔ محرم کے دنوں میں پانی کا بالخصوص بند ہونا محض امر اتفاق ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ کے ڈی اے کی نالائقی کہا جا سکتا ہے۔ سو آج کل کون نگر جو نالائقی نہیں دکھاتا۔ پھر بشارت ہوئی کہ اڑن کھٹولا آئے گا اک لال پری کو لائے گا۔ معاف فرمایے ہم پر بھی ان دنوں ظلموں کا اثر ہونے لگا ہے۔

معلوم یہ ہوا تھا کہ آب رسانی کا نیا منصوبہ مکمل ہو رہا ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ جا بجا سڑکیں کھد رہی ہیں۔ ٹریفک بند ہے اور پائپ پڑ رہے ہیں۔ اب کے پانی کا وہ ریلا آئے گا کہ شاید ابو سمبل کے مندروں کی طرح کراچی کو بھی کہیں اور آباد کرنا پڑے گا۔ یہاں تو جس ایک بڑی سی جھیل ہوگی، جس کے کنارے بیٹھ کر کراچی والے مچھلیاں پکڑا کریں گے۔ یا رویا کریں گے کہ کاش ہم نے نہ آرزو کی ہوتی اور ہم نے کی بھی تھی تو اتنا پانی تھوڑی مانگا تھا۔

ہم پاکستانی لوگ عادتاً اس نوکر کی طرح ہو گئے ہیں، جس نے آقا سے کہا تھا کہ میری تنخواہ بڑھا دیجیے ورنہ جب آقا نے پوچھا ورنہ کیا؟ تو وہ ہکلا کر بولا۔

"ورنہ میں اسی تنخواہ پر کام کرتا رہوں گا۔"

پس قلت آب اور گرانی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے بھی ہم اس تنخواہ پر کام کرتے رہے، حتیٰ کہ ٹیلی ویژن پر انٹرویو دیتے ہوئے کے ڈی اے کے چیئرمین سومرو صاحب نے بشارت دی کہ لوگو! انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں، اب اپنے اپنے گھڑے تیار رکھو، پانی آیا کہ آیا اور ہاں ٹونٹی پوری مت کھولنا ورنہ پورے گھر میں پانی بھر جائے گا اور کے ڈی اے ذمہ دار نہ ہوگی۔

اس کے مقابلے میں ہوا یہ کہ پکانے رندھنے کو بھی پانی مشکل سے دستیاب ہونے لگا۔ اب ہم حیران تھے کہ سومرو صاحب کا پانی کہاں گیا، وہ سیلاب بلا کسی اور کے گھر جانے کے بجائے ناظم آباد کی طرف آیا ہوتا۔ بارے مستفیض احمد صدیقی صاحب کا بیان آیا۔ جس سے اس پانی کا مصرف معلوم ہوا۔ خبر ملی ہے کہ کے ڈی اے نے وہ سارا پانی شہریوں کی امیدوں پر پھیر دیا ہے۔

اب یہ بحث تو ناظم آباد کی مجلس ہائے ہائے کے سکرٹر مستفیض احمد صدیقی صاحب اور کے ڈی اے کے سومرو صاحب کے درمیان ہے کہ کس نے کتنا پانی لیا اور کس نے کتنا ٹیکس دیا۔ ہم ادھر مستفیض صاحب کی ہاں میں ملائیں گے کہ پھر کیسو کہ ہاں کیوں ہو؟

ادھر سومرو صاحب نے کوئی جواب دیا، یا عذر کیا کہ زیادہ پانی کیا کرو گے۔ تم ہندو تھوڑا ہی ہو کہ صبح صبح اشنان کرنے بیٹھ جاؤ، مسلمان تو جمعے کے جمعے نہاتا ہے، تو ہمیں کہنا پڑے گا کہ بے شک آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں۔ دونوں بیک وقت کیسے ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ تو لامحالہ ہم کہیں گے کہ ہاں آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں۔ کیونکہ ہم پر امن عدم تعاون والے تھوڑی ہی ہیں۔

ویسے ہم جانتے ہیں کہ جو وہ کہیں گے جواب میں۔ یعنی سومرو صاحب، ایک صاحب کسی نشانے پر تیر مار رہے تھے، سارے تیر ادھر ادھر لگ رہے تھے۔ نشانے پر کوئی نہ بیٹھتا، آخر بولے، "تعجب کی بات ہے۔ یہاں سے تو تیر بالکل ٹھیک جاتا ہے، نشانے کے قریب جا کر جانے اسے کیا ہو جاتا ہے۔" سومرو صاحب بھی شاید یہ فرمائیں کہ یہاں سے تو پانی ٹھیک جاتا ہے اور بہت جاتا ہے ابن انشاء صاحب کے گھر پر جا کر جانے اسے کیا ہو جاتا ہے۔

(دخل در معقولات روزنامہ جنگ 18-3-71)

ALIFADAB.COM
Watermarkly

خدیجہ سلیم سے باتیں

شاہین رشید

1۔ "اصلی نام؟"
ج۔ "خدیجہ"
2۔ "پیار کا نام؟"
ج۔ "پیار سے بلانے والا ابھی کوئی آیا نہیں ہے۔"
3۔ "تاریخ پیدائش؟"
ج۔ "جنوری 2004ء"
4۔ "قد/ستارہ؟"
ج۔ "5 فٹ 7 انچ (دلو)"
5۔ "مادری زبان"
ج۔ "اردو"
6۔ "تعلیمی قابلیت؟"
ج۔ "انٹر"
7۔ "شادی/بچے؟"
ج۔ "ابھی ہر طرح سے فارغ ہوں۔ یعنی سنگل ہوں۔"
8۔ "شوبز میں آمد/گھر والوں کا ردعمل؟"
ج۔ "مما کافی پوزیٹو ہیں ہمیشہ سے۔ بابا راضی نہیں تھے۔ مگر جب انہوں نے ماحول دیکھا کہ اتنے اچھے لوگ ہیں تو خوشی سے راضی ہو گئے۔"
9۔ "بہن بھائی آپ کا نمبر؟"
ج۔ "میرا بس ایک ہی چھوٹا بھائی ہے۔"
10۔ "بچپن کی بری عادت جو مشکل سے گئی؟"
ج۔ "بچپن میں میری مما کھانا لے کر میرے پیچھے بھاگتی تھیں اور اب میں کھانے کے پیچھے بھاگتی ہوں۔"
11۔ "بچپن میں کس سے ڈر لگتا تھا؟"
ج۔ "کیڑوں سے۔ اور ابھی بھی بہت ڈر لگتا ہے۔ مجھے [illegible] کیڑوں کو دیکھ کر [illegible] لگتی ہوں۔"
12۔ "زندگی کی پہلی کمائی کس عمر میں کی اور کس کے ہاتھ میں رکھی؟"
ج۔ "جب میں نے پہلا ماڈل کیا تھا تو میں انیس سال کی تھی اور وہ پیسے تو نظر ہی نہیں آئے اور خرچ ہو گئے۔"
13۔ "آپ کی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی؟"
ج۔ "میرا خیال ہے کہ زندگی میں ہر چھوٹی چیز جو آپ اپنے کمفرٹ زون سے نکل کر کریں، وہ آپ کی بڑی اچیومنٹ ہے۔"
14۔ "اپنے ہر کام کے لیے کس سے مشورہ لیتی ہیں؟"
ج۔ "مما سے..... ان سے مشورے کے بغیر کچھ نہیں کرتی۔"
15۔ "گھر میں کس کا رعب ہے؟"
ج۔ "مما، بابا دونوں کا ہے۔ سب مل کر ہی قدم اٹھاتے ہیں۔"
16۔ "آپ کی صبح اور رات کب ہوتی ہے؟"
ج۔ "روٹین کا کوئی اتا پتا نہیں ہے۔"
17۔ "صبح کیا نہ ملے تو صبح نہیں ہوتی؟/رات کیا نہ ملے تو رات نہیں ہوتی؟"
ج۔ "فون اور رات کیا نہ ملے بھی فون۔"
18۔ "بھوک میں آپ کی کیفیت؟"
ج۔ "سب زہر لگنے لگتے ہیں۔"
19۔ "پاکستان کے لیے کیا سوچتی ہیں؟"
ج۔ "اللہ ہمارے ملک پر رحم کرے۔ آمین۔"
20۔ "کس ملک کی شہریت کی خواہش ہے؟"
ج۔ "یو اے ای یا پھر جاپان۔"
21۔ "اسپورٹس سے آپ کا لگاؤ/کون سا کھیل

پسند ہے؟"
ج۔ "اسپورٹس بالکل بھی پسند نہیں ہیں تو اسکول میں بھی پی ٹی کا پیریڈ چھوڑ دیتی تھی۔"
22۔ "گھر میں ضدی اور آرام طلب کون ہے؟"
ج۔ "نہیں، کوئی بھی نہیں ہے۔"
23۔ "پہلی بار کیمرے کا سامنا کیا تو کیا کیفیت تھی؟"
ج۔ "کافی پراعتماد تھی۔"
24۔ "گھر میں سب سے زیادہ پیار کس کو ملا؟" ج۔ "چھوٹے بھائی کو۔ بہت لاڈلا ہے سب کا۔"
25۔ "سیاست میں کون پسند ہے؟"
ج۔ "سیاست کے بارے میں کچھ کہنا پسند نہیں کروں گی۔"
26۔ "شوبز میں کیا اچھا ہے، کیا برا ہے؟"
ج۔ "مجھے پسند ہے کہ یہ فیلڈ بہت آرٹسٹک ہے۔ برائی یہ ہے کہ جہاں شہرت ملتی ہے تنقید بھی بہت ہوتی ہے۔"
27۔ "کس بات پر آپ کی آواز اونچی ہو جاتی ہے؟"
ج۔ "جب لوگوں کے ساتھ ناانصافی ہو، خواہ وہ چھوٹی سی ہی بات کیوں نہ ہو۔"
28۔ "کیا کیا خریدنا آپ کا خواب ہے؟"
ج۔ "بس کیا بتاؤں۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے بہت بڑے بڑے خواب دیکھتی ہوں..... امی ابو کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتی ہوں۔"
29۔ "کس کی خاطر فیلڈ چھوڑ سکتی ہیں؟"
ج۔ "کبھی اس بارے میں سوچا نہیں..... فیلڈ تو بہت اچھی ہے۔"
30۔ "کسی کی ایک اچھی عادت جو آپ چاہتی ہیں کہ آپ میں آ جائے؟"
ج۔ "کافی ہیں ایسی چیزیں..... لیکن میں چاہوں گی کہ مجھ میں شکر گزاری آ جائے۔"
31۔ "زندگی میں اگر کچھ واپس ملنے کا چانس ملے تو کیا واپس لینا چاہیں گی؟"
ج۔ "اسکول کی دوستیں، اب سب یونی ورسٹی میں بزی ہو گئی ہیں۔"
32۔ "کسی کی سچی محبت دیکھنی ہو تو؟"
ج۔ "محبت انسان کے چھوٹے سے چھوٹے عمل میں نظر آ جاتی ہے۔"
33۔ "اپنے گھر کے کس کونے میں سکون ملتا ہے؟" ج۔ "مجھے تو سکون تب ملتا ہے جب ڈائننگ ٹیبل پر سب ساتھ ڈنر کریں۔"
34۔ "بیمار ہونے پر بیماری کو سیریس لیتی ہیں؟" ج۔ "بہت زیادہ سیریس لیتی ہوں۔"
35۔ "کردار کون سے پسند ہیں، نیگیٹو یا پوزیٹو؟" ج۔ "دونوں ہی، یہ تو کہانی پر منحصر ہے۔ ویسے نیگیٹو میں اداکاری کا مارجن زیادہ ہوتا ہے۔"
36۔ "پہلا ڈرامہ/وجہ شہرت؟"
ج۔ "دوریاں" لیکن لوگوں نے "تم میرے کیا ہو" کو بہت دیکھا بھی ہے اور پسند بھی کیا ہے اور یہی میری پہچان بنا ہے۔"
37۔ "اپنی کمائی سے کتنے فیصد بچا لیتی ہیں؟"
ج۔ "ابھی تو بچت نہیں ہو پا رہی۔"
38۔ "کچن سے لگاؤ؟ کبھی شیف بننے کا خیال

ALIFADAB.COM
Watermarkly

ج۔ "کوئی ایسا خاص لگاؤ نہیں ہے۔ البتہ پینٹنگ کرنا اچھا لگتا ہے۔ لگاؤ نہیں تو خیال کیسے آئے گا۔"

39۔ "کوئی فیصلہ جو غلط ثابت ہوا ہو؟"

ج۔ "ماضی میں بہت غلط فیصلے کیے ہوں گے۔ مگر مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ کیونکہ میں پچھتانے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

40۔ "کس کام کو کیے بغیر نیند نہیں آتی؟"

ج۔ "اسکن کیئر۔ اگر میں رات کو اسکن کیئر نہ کروں تو اسٹریس ہے مجھے نیند نہیں آتی۔"

41۔ "کس شخصیت پر چاہتے ہوئے بھی غصہ نہیں کر سکتی؟"

ج۔ "میری کوشش ہوتی ہے کہ میں کسی پر بھی غصہ نہ کروں۔"

42۔ "کس تہوار کا انتظار رہتا ہے؟"

ج۔ "عید الفطر کا۔"

43۔ "کھانے کی ٹیبل پر کیا ہونا لازمی ہے؟"

ج۔ "کچھ میٹھا۔"

44۔ "کبھی غربت میں وقت گزارا؟"

ج۔ "الحمدللہ "ابا" نے مشکل وقت میں بھی کسی چیز کی کمی نہیں محسوس ہونے دی۔"

45۔ "طالب علمی کے زمانے میں کون سا سبجیکٹ برا لگتا تھا؟"

ج۔ "میتھس۔ فزکس، بائیولوجی، کیمسٹری، لسٹ لمبی ہے مگر سب سے برا میتھس لگتا تھا بلکہ زہر لگتا تھا۔"

46۔ "ڈاکٹر، حکیم اور ہومیو پیتھک ڈاکٹر..... اعتبار کس پر ہے۔"

ج۔ "ڈاکٹر پر، ایلوپیتھی۔"

47۔ "دنیا کا سب سے بورنگ کام؟"

ج۔ "پانی کی بوتل بھرنا۔"

48۔ "کیا دل سے اترا ہوا انسان دوبارہ اپنی جگہ بنا سکتا ہے؟"

ج۔ "کبھی بھی نہیں۔"

49۔ "کہاں جانے کے لیے ہمیشہ تیار رہتی ہو؟"

ج۔ "خالہ کے گھر۔"

50۔ "وقت کی پابندی کی کتنی قائل ہیں؟"

ج۔ "میں ہمیشہ لیٹ ہو جاتی ہوں۔"

51۔ "گھر کا کون سا کام کرنا پسند نہیں ہے؟"

ج۔ "کام کس کو پسند ہوتا ہے؟"

52۔ "آج کے دور کے پسندیدہ اسٹار؟"

ج۔ "وسیم بادامی۔"

53۔ "کس کیڑے اور جانور کو دیکھ کر چیخیں نکل جاتی ہیں؟"

ج۔ "ہر کیڑے کو دیکھ کر میری چیخ نکل جاتی ہے۔"

54۔ "غصے میں آپ کی کیفیت؟"

ج۔ "خاموش ہو جاتی ہوں اور رونا بہت آتا ہے۔"

55۔ "کون سی تاریخیں یاد رکھتی ہیں؟"

ج۔ "گھر والوں کی اور اپنی قریبی فرینڈز کی سالگرہ کی تاریخیں یاد رکھتی ہوں۔"

56۔ "آپ کی آج کل کی مصروفیات؟"

ج۔ "ابھی تو ڈرامہ سیریل "تم میرے کیا ہو" کی شوٹس چل رہی ہیں، کچھ کے لیے بات چیت چل رہی ہے۔"

57۔ "اپنا ڈرامہ بار بار دیکھتی ہیں؟"

ج۔ "نہیں دیکھا جاتا..... بس کوئی کوئی سین دیکھ لیتی ہوں۔"

58۔ "گھر میں کون بڑھا کوتھا؟"

ج۔ "میں تھی۔ اب کوئی بھی نہیں ہے۔"

59۔ "مشکل میں کس کو کال کرتی ہیں؟"

ج۔ "ماما کو یا پھر دوست کو۔"

60۔ "بچپن میں کس وجہ سے مار کھاتی تھیں؟"

ج۔ "کھانا نہ کھانے کی وجہ سے۔"

61۔ "گھر میں کون "بی بی سی" ہے؟"

ج۔ "میرا چھوٹا بھائی..... وہ کوئی سیکریٹ نہیں رکھ سکتا۔"

62۔ "کن چیزوں پر زیادہ خرچ کرتی ہیں؟"

ج۔ "کپڑے، میک اپ، اسکن کیئر چیزیں وغیرہ وغیرہ پر۔"

63۔ "کون سا کردار کرنے کی خواہش ہے؟"

ج۔ "ایسا کردار جو پر اثر ہو۔ دوسروں کو متاثر

کرنے والا اور کوئی میسج لوگوں تک جائے۔"

64۔ "گھر میں بچت کی عادت کس کو ہے؟"

ج۔ "سوائے میرے کوئی بھی فضول خرچ نہیں ہے۔"

65۔ "کبھی نجومی کو ہاتھ دکھایا؟"

ج۔ "نہیں کبھی نہیں۔"

66۔ "کس سے ادھار بلا جھجک مانگ لیتی ہیں؟" ج۔ "میں ادھار نہیں لیتی۔"

67۔ "کس کے روٹھ جانے پر پریشان ہو جاتی ہیں؟" ج۔ "مما یا ابا۔"

68۔ "پسندیدہ موسم؟"

ج۔ "بہار کا۔ نہ ٹھنڈ ہو نہ گرمی ہو۔ نومبر کے مہینے کا موسم اچھا لگتا ہے۔"

69۔ "گھر میں کس کی زبان کو بریک لگانا مشکل ہے؟"

ج۔ "شاید میری..... ہاہاہا۔"

70۔ "آپ کے گھر میں کون حاتم طائی ہے؟"

ج۔ "امی..... ان کو ہر ایک پر ترس آ جاتا ہے لوگ ان کے اخلاق کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

71۔ "کبھی چھپ چھپ کر دوسروں کی باتیں سنیں؟" ج۔ "چھپ کے تو نہیں لیکن اگر میرے آس پاس بات ہو رہی ہو تو میرے کان کھڑے ضرور ہو جاتے ہیں۔"

72۔ "یوٹیوب میں آپ کا پسندیدہ چینل؟"

ج۔ "یوگی بابا پروڈکشن۔"

73۔ "شادی کی کن رسموں کے خلاف ہیں؟"

ج۔ "کوئی ایکسٹرا رسم پسند نہیں۔"

74۔ "کون سا کھانا مشکل سے کھاتی ہیں؟"

ج۔ "ہیلدی چیزیں۔"

75۔ "فیملی میں کون مزاج کا گرم ہے؟"

ج۔ "بابا تھوڑا سخت ہیں باقی کوئی نہیں۔"

76۔ "مہینے میں کتنی بار گھر سے باہر کھانا کھاتی ہیں؟" ج۔ "کافی کم..... زیادہ تر گھر پر ہی کھاتے ہیں۔"

77۔ "کھانا کھانے کا مزہ کہاں آتا ہے بیڈ پر۔ چٹائی پر یا ڈائننگ ٹیبل پر؟"

ج۔ "بیڈ پر۔"

78۔ "اچھی یا بری خبر سب سے پہلے کس کو سناتی ہیں؟"

ج۔ "اپنی بیسٹ فرینڈ کو۔"

79۔ "کن باتوں سے موڈ خراب ہو جاتا ہے؟"

ج۔ "کوئی بھی فضول بات ہو تو موڈ خراب ہو جاتا ہے پھر میں خاموش ہو جاتی ہوں۔"

80۔ "کیا چیز نشے کی حد تک پسند ہے؟"

ج۔ "چاکلیٹ۔"

81۔ "کیا چیزیں لیے بغیر گھر سے نہیں نکلتیں؟"

ج۔ "میرے بیگ میں تقریباً ہر چیز ہی موجود ہوتی ہے۔"

82۔ "جانوروں میں پسندیدہ جانور؟"

ج۔ "کتے اور بلیاں۔"

83۔ "آپ کے گھر سے کون اس فیلڈ میں آنا چاہتا ہے؟"

ج۔ "ابھی تو کسی کو دلچسپی ہی نہیں ہے۔ آگے کا کچھ کہہ نہیں سکتی۔"

84۔ "غصے میں پہلا لفظ؟"

ج۔ "خاموش ہو جاتی ہوں۔"

85۔ "پہلی ملاقات میں شخصیت کی کس چیز کا جائزہ لیتی ہیں؟"

ج۔ "ظاہری حلیہ اور اخلاق۔"

86۔ "شوبز میں آنے کی بنیادی وجہ؟"

ج۔ "کلاس سکس میں تھی تو جب ایک دوست کو اس فیلڈ میں آنے کا شوق ہوا۔ پھر مجھے بھی ہو گیا۔"

87۔ "مطالعہ کی عادت ہے؟"

ج۔ "مطالعہ کا اتنا شوق نہیں ہے پوڈکاسٹ سننا زیادہ پسند کرتی ہوں۔"

88۔ "اگر سوشل میڈیا نہ ہوتا تو؟"

ج۔ "تو سکون ہوتا زندگی میں۔"

89۔ "پسندیدہ فوڈ اسٹریٹ؟"

ج۔ "دھورانجی پر پانی پوری کھانا پسند ہے۔"

☆☆

ALIFADAB.COM
Watermarkly

باصلاحیت فنکارہ

سونیا حسین سے ملاقات

شاہین رشید

"کیسے مزاج ہیں؟"

"الحمدللہ"

"آج کل تو آپ ہواؤں میں اڑ رہی ہوں گی؟ کیونکہ ایک کے بعد ایک ڈرامہ اور آپ کی کامیاب اداکاری کیا خیال ہے؟"

"جی..... جی..... اللہ کا شکر ہے..... اس نے بہت دیا۔"

"آج کل "اک چھن سی" آن ایر ہے..... بہت پیار محبت دکھایا گیا ہے۔ یقیناً ٹریجڈی ہوگی؟"

"ہاہاہا..... ہاں یہ تو ہے..... جہاں ایسی لائف دکھائی جارہی ہو وہاں ٹریجڈی ہونا لازمی ہوتا ہے..... آپ عام زندگی میں بھی دیکھ لیں..... بہت زیادہ خوش حالی اس بات کا پیش خیمہ ہوتی ہے کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔"

"خیر..... اور کیا کیا ہو رہا ہے..... گو کہ آپ زیادہ بات کرتی نہیں ہیں۔"

"جی..... جی میں زیادہ بات نہیں کرتی کہ مجھے زیادہ بات کرنا اور انٹرویو دینا پسند نہیں ہے..... کوئی فائدہ نہیں ہے اور اب تو تقریباً سب کو ہی میرے بارے میں پتا ہے کہ میں کب اور کہاں پیدا ہوئی..... کب شادی ہوئی وغیرہ وغیرہ....."

"جی سب کو معلوم ہے کہ آپ 15 جولائی 1991ء میں پیدا ہوئیں، اور کراچی میں پیدا ہوئیں اور یہاں سے ہی تعلیم بھی حاصل کی اور پرورش بھی ہوئی۔

سونیا نے ایم بی اے کی ڈگری حاصل کی اور 2014ء میں ان کی شادی ہوئی۔ ان کی دو بہنیں اور ایک بھائی ہے۔

"اچھا یہ بتادیں کہ ٹی وی پہ آمد کیسے ہوئی؟ آسانی سے یا جدوجہد سے؟"

"مجھے اداکاری سے کوئی لگاؤ نہیں تھا..... بلکہ میری خواہش تھی کہ میں نیوز اینکر بنوں کیونکہ مجھے ٹاک شو بہت متاثر کرتے تھے، چنانچہ اس کے لیے میں نے دو چار جگہوں پر آڈیشن دیے، مگر خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی دل بہت برا ہوا پھر سوچا کہ چلو اسپورٹس کے لیے ٹرائی کرتی ہوں..... کیونکہ مجھے اسپورٹس خاص طور پر کرکٹ بہت پسند تھا..... اسپورٹس کے لیے بھی آڈیشن دیے مگر کامیابی نہ ہوئی..... ویسے تو میرے پاس جو آئس تھی کہ میں ڈاکٹر بنوں..... مگر اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی..... اف..... بڑا مشکل ٹائم دیکھا میں نے..... بس پھر ایک دن آخری آڈیشن دینے گئی..... تو وہاں میری ملاقات "علی سعید" صاحب سے ہوئی..... وہ ایک ڈرامہ سیریل بنا رہے تھے، انہوں نے مجھے ڈرامہ میں اداکاری کے لیے کہا اور میں نے مان لیا..... بس یہ ہی بریک تھرو تھا۔ اور اس کے بعد تو ایک کے بعد ایک آفرز کا سلسلہ شروع ہوگیا اور آج تک چل رہا ہے۔"

"فنی زندگی میں کس طرح آئیں..... یہ تو معلوم ہو ہی چکا ہے..... آغاز کب ہوا تمہاری نئی زندگی کا؟"

"میں نے اپنی فنی زندگی کا آغاز 2011ء میں کیا اور جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ جگہ جگہ آڈیشن دینے کے بعد ایک دن ڈراموں میں کام کرنے کی آفر آگئی اور یوں آڈیشن دینے کا سلسلہ ختم ہوا۔"

"آڈیشن دے دے کر کیمرے سے تو ڈر خوف نکل گیا ہوگا؟"

"جی جی..... بالکل کوئی خوف نہیں تھا اور میں نے بڑی آسانی سے کیمرے کا نہ صرف سامنا کیا بلکہ مجھے جو کردار دیا گیا اسے میں نے بخوبی ادا بھی کیا۔ اور ناظرین نے بھی خوب داد دی۔"

"ڈراما کون سا تھا..... مطلب نام کیا تھا؟"

"میرے پہلے ڈرامے کا نام "دریچہ" تھا پسند کیا گیا تھا اور اس کی وجہ سے بہت آفرز آئیں..... اور میں 2011ء سے لے کر اب تک یعنی 2024ء تک لاتعداد ڈراموں میں کام کرچکی ہوں..... ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میرے کردار پر بلاوجہ کوئی تنقید ہوئی ہو۔"

"کن کن سیریلز نے بہت زیادہ کامیابی حاصل کی؟"

"میرے سارے سیریلز بہت کامیاب جاتے ہیں لوگ میرے کام کو پسند کرتے ہیں۔ ایک چھن تو چل ہی رہا ہے دوسرے سیریلز میں "سراب"، "ایسی ہے تنہائی"، "تنکے کا سہارا" یہ تو بہت ہی ہٹ گیا تھا۔ "محبت تجھے الوداع" بھی بہت ہٹ گیا تھا۔ اگر شروع سے بتاؤں تو بہت لمبی فہرست ہوجائے گی۔ "میں ہاری پیا"، "مراسم"، "کسے چاہوں؟" وغیرہ وغیرہ مقبول ترین ڈرامے ہیں۔ "کیسی ہے تنہائی" اور تنکے کا سہارا نے تو ریکارڈ توڑ بزنس کیا تھا۔"

"کیا آپ سمجھتی ہیں کہ آپ نے ابھی تک جتنا

بھی کام کیا ہے، وہ آپ کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ہے۔"

"وہ کہتے ہیں نا کہ اپنے کام سے مطمئن ہونے کا مطلب ہے کہ اس سے بہتر کچھ نہیں ہوسکتا۔ ایسا نہیں ہے۔ اگرچہ 2011ء سے لے کر اب تک میں نے ماڈلنگ، کمرشلز، فلمیں اور ڈرامے بہت کیے ہیں..... لیکن میرا ابھی بھی دل چاہتا ہے کہ ایسا رول کروں جو ابھی تک کسی نے نہ کیا ہو۔"

"معیار کے بارے میں کیا کہیں گی؟"

"وقت کے ساتھ ساتھ ہر چیز بدلتی ہے..... بہتر سے بہترین ہوتا ہے..... تو اعلیٰ معیاری اور معیاری ڈرامے ہر دور میں ہوئے ہیں اور اب بھی ہو رہے ہیں۔ ہم کہیں کہ گزرے دور میں سب اچھا کام ہوا تھا اور اب نہیں ہو رہا تو یہ غلط ہے۔"

"گو کہ آپ نے ہر طرح کے رول کیے ہیں مگر رونے دھونے والے زیادہ کیے ہیں..... ایسا کیوں ہے؟"

(ہنستے ہوئے) شاید میں روتی ہوئی زیادہ اچھی لگتی ہوں..... خیر..... یہ تو مذاق ہے..... مگر رول ہی کچھ ایسے ہوتے ہیں اور ہمارے معاشرے کا یہ المیہ ہے کہ انہیں رول مجبوری، ظلم سہتی عورت زیادہ

ALIFADAB.COM
Watermarkly

اچھی لگتی ہے۔ اور پھر ایسے ڈراموں سے ریٹنگ بہت آتی ہے تو بس اسی لیے ایسا ہو رہا ہے۔"

"آپ کیا کہیں گی؟..... ایسا ہی ہونا چاہیے یا کچھ اور بھی دکھانا چاہیے؟"

"کچھ اور بھی دکھانا چاہیے..... ایسے ڈرامے پیش نہیں کرنے چاہئیں، کیونکہ آج کی عورت بہت مضبوط ہے۔ اپنے حق اور حقوق دونوں کو سمجھتی ہے۔ آپ..... اب ہماری ہی مثال لے لیں۔ کیا ہم مظلوم ہیں۔ گھر سے نکلتی ہیں۔ اچھا کماتی ہیں۔ اچھی لائف گزارتی ہیں اور آج کی عورت پڑھی لکھی اور مضبوط ہے۔ اور کسی کی محتاج نہیں ہے۔"

"میرے خیال میں اگر آج کی مضبوط عورت پر ڈرامے بنیں تو کم سے کم دوسری خواتین کو بھی حوصلہ ملے اور وہ..... کیا خیال ہے آپ کا؟"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں..... واقعی ایسے ڈرامے ضرور پیش ہونے چاہئیں۔ اور آج کی عورت ہر شعبے میں اپنے آپ کو منوا رہی ہے بائیک تک چلا رہی ہے۔ مردوں کے ہجوم میں کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جہاں عورت کام نہ کر رہی ہو..... تو بھئی عورت کی قابلیت کو مانیں اور اس رونے دھونے کو کم کریں۔" "لیکن کہا جاتا ہے کہ وہ ہی کچھ دکھایا جا رہا ہے جو ہو رہا ہے..... جبکہ ایسا نہیں ہے۔"

"بالکل بھی ایسا نہیں ہے..... اب تو گاؤں دیہات کی عورت بھی بہت سمجھ دار ہو گئی ہے۔ وہ بھی اس فرسودہ نظام سے نکلنا چاہتی ہے اور نکل رہی ہے..... لڑکیاں پڑھ رہی ہیں۔ کام کر رہی ہیں۔ ہنر مندی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہیں۔"

"دلچسپ بات تو یہ ہے کہ پڑھی لکھی خواتین کو بھی کسی نہ کسی حوالے سے مظلوم دکھایا ہی دیتے ہیں..... خیر..... یہ بتائیں کہ کیمرے کے پیچھے کام کرنے کا ارادہ ہے؟"

(سوچتے ہوئے) "مشکل ہے..... شاید میں اپنے آپ کو اتنا پرفیکٹ نہیں سمجھتی..... اور میرے خیال میں [illegible] کام کر رہے ہیں [illegible] اچھا کام کر رہے ہیں..... بس ان ہی کو کرنے دیں۔"

"اور ویسے بھی آپ کو کیمرے کے آگے رہنے کی عادت ہی ہو گئی ہے؟"

"جی..... جی..... بالکل ٹھیک کہا آپ نے..... مجھے اب کیمرے کے آگے کام کرنے کی عادت ہو گئی ہے..... ماڈلنگ، ایکٹنگ کمرشلز، ہوسٹنگ وغیرہ وغیرہ سب کچھ کر لیا ہے..... اور ہاں کیمرے کے پیچھے میں نے واس اوور بھی کیا ہے ترکی ڈراموں کے لیے..... اس میں بھی کام کر کے اچھا لگا تھا۔"

"بہت خوب..... ایوارڈ ملا؟"

"سیریل "سراب" میں بہترین اداکارہ کا ایوارڈ ملا..... اور حیرت کی بات تو یہ کہ سولہ بار نامزد ہو چکی ہوں، مختلف کیٹیگریز کے لیے۔"

"کیا کیفیت تھی؟"

"مت پوچھیں..... خوشی سے رواں آنسو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے..... ایوارڈ لے کر بہت بہت اچھا لگا تھا۔"

"سونیا آپ کا حسن بڑا مشرقی ہے..... کھلتا رنگ سادہ تیکھے نقش..... شاید اس لیے بہت زیادہ ماڈرن لڑکی کا کردار آپ کو نہیں ملا..... ایسا ہی ہے نا؟" "ہاں ہو سکتا ہے۔ اور ویسے بھی ہمارے یہاں بہت زیادہ ماڈرن لڑکی کے رول ہوتے بھی نہیں ہیں اور آپ نے میرے لیے کہا کہ مشرقی حسن ہے تو بہت بہت شکریہ آپ کا..... مجھے تو میری طرح معصوم لڑکی کے ہی کردار ملے ہیں....." (ہنستے ہوئے)

"اپنی تعریف میں کیا کہیں گی؟"

"تعریف تو وہ جو دوسرے کریں..... ہاں میں یہ ضرور کہہ سکتی ہوں کہ میں ایک پیار کرنے والی بہت ہی اچھی لڑکی ہوں..... دوسروں کا خیال رکھنے والی، دوسروں کے لیے قربانیاں دینے والی شخصیت ہوں۔ مزاج کی بھی زیادہ گرم نہیں ہوں، غصہ ایک فطری عمل ہے اس کو آنے سے کوئی روک نہیں سکتا..... کچھ ناپسندیدہ باتوں پر غصہ آ ہی جاتا ہے۔"

☆☆

بہنوں کا شعاع اپنا ماہنامہ

اگست 2024 کے ستارے کی ایک جھلک

اگست 2024 کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

- "ماہ الملوک" نگہت سیما کا مکمل ناول،
- "عشوہ گر" آسیہ رئیس کا مکمل ناول،
- "واحصر" امتہ العزیز شہزاد کا ناول،
- "محبت پانچواں موسم" نوشین فیاض کا مکمل ناول،
- "تیرے رنگ ٹھہر گئے" افشاں آفریدی کا ناولٹ،
- شازیہ جمال طارق، عقیلہ ہاشمی، نظیر فاطمہ، زرقا سکندر، قرۃ العین خرم ہاشمی اور زارا منجر ا کے افسانے،
- "بدلتے موسموں کے ساتھ" مصنفین سے سروے،
- "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" قارئین کے تجربات،
- "دستک" معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ،
- "پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں" احادیث کا سلسلہ،
- خط آپ کے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

شعاع ہر ماہ پوری محنت سے ترتیب دیتے ہیں، لیکن آپ کے خط ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم اپنی محنت میں کتنے کامیاب ٹھہرے، ہمیں خط لکھنا نہ بھولیے گا۔

شعاع اگست 2024 کا شمارہ آج ہی خرید لیں

ALIFADAB.COM
Watermarkly

نادر خاتون

خط

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
خواتین ڈائجسٹ۔ 37۔ اردو بازار کراچی۔
Email:info@khawateendigest.com

افشاں آفریدی..... جرمنی

خواتین شعاع وکرن کی پیاری قارئین دعا ہے آپ سب خوش وخرم رہیں۔ یہ خط میرے دلی جذبات اور تشکر کا عکاس ہے۔ میرا اور آپ بہنوں کا اس اشاعتی ادارے کے توسط سے جو بے لوث تعلق ایک طویل عرصے سے جاری ہے، ان شاء اللہ یہ ہمیشہ ایسے ہی برقرار رہے گا۔ میں اس خط کے ذریعے آپ سب کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ مالک کریم کے شکر کے بعد جس نے مجھے لکھنے کی صلاحیت عطا کی، میں چاند نگر گروپ آف پبلی کیشنز خواتین ڈائجسٹ اور عزیزی اعتل کا دلی طور پر شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اس ادارے نے مجھے پہچان دی اور میری 95 سے زائد تحریریں خواتین شعاع اور کرن میں شائع کیں۔ یہ ادارہ ہمیشہ سے اردو ادب کے فروغ کے لیے کوشاں رہا ہے ان گنت مصنفین کو اپنے افکار وخیالات تحریروں کی صورت میں عوام تک لانے کا معیاری موقع فراہم کرتا رہا ہے۔ میں آپ سب بہنوں کی دلی طور پر ممنون ہوں آپ میری تحریروں کو پڑھتی ہیں، یاد رکھتی ہیں اور ان سے سیکھتی ہیں۔ آپ نے خواتین ڈائجسٹ میں انٹرویو کے ساتھ میرے ناول تتلیوں کے موسم کو بھی پسند کیا جس پر مجھے دلی مسرت ہوئی، میں خواتین ڈائجسٹ کے توسط سے پیاری ودیعہ شفیق کا جو میرے پیج پر تحریروں کی دلکش ایڈیٹنگ بناتی ہیں اور ایک بہت ہی پرخلوص ایڈیٹر پیاری ہانیہ احمد کے بے لوث جذبات اور کاوشوں کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گی۔

خواتین شعاع وکرن تینوں ہی ہر دور میں عوام کو معیاری تفریح کے ساتھ ساتھ اصلاحی فکر فراہم کرتے رہے ہیں۔ پہلے کی رائٹرز بھی اچھا لکھتی تھیں اور آج کی نئی رائٹرز بھی موجودہ دور کے مطابق اچھا، دلچسپ اور معیاری لکھ رہی ہیں۔ جن کی ادارہ ہمیشہ کی طرح حوصلہ افزائی بھی کر رہا ہے۔ اس ادارے کے لیے لکھنا میرے لیے ہمیشہ سے باعث مسرت رہا ہے کیونکہ یہاں مجھے ہمیشہ اپنے پن کا احساس ہوتا ہے۔ اگرچہ زندگی کی دیگر مصروفیات بھی ہیں مگر ان شاء اللہ میں ان پرچوں کے لیے آگے بھی لکھتی رہوں گی کیونکہ لکھنا میرا شوق ہے۔ آخر میں، میں اس ادارے کے مدیران تمام قارئین اور میری تحاریر سے منسلک تمام لوگوں کے لیے دعا گو ہوں۔ ہو سکے تو مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

ج۔ پیاری افشاں! ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شاد وآباد رکھے۔ آمین

عینا عمران..... کراچی

"کتنی سوہنی ہے" میری بڑی نند نے میرے ہاتھ سے ڈائجسٹ لیتے ہوئے کہا۔ اور واقعی ماڈل بہت پیاری لگ رہی تھی۔

ویسے یہ ہے کون نام تو بتا دیں اور میں یہ بھی بتا دوں کہ میری بڑی نند آج کل اپنے بیٹے کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی ہیں تو ہر پیاری لڑکی کو بڑے پیار سے دیکھتی ہیں۔

میرے خط کے جواب میں جو آپ نے میری کہانیوں کے بارے میں لکھا آپ کے الفاظ میرے لیے بہت قیمتی ہیں ان شاء اللہ میں کوشش کروں گی کہ ہمیشہ آپ کے معیار پر پوری اتروں۔

جولائی کا شمارہ کھولا۔ کہنی سنی میں مدیرہ صاحبہ کا نئے سال کی آمد پر حضرت عمرؓ اور حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ ہمیشہ کی طرح دل اداس کر گیا۔

حنیف بھٹی صاحب کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس نصیب فرمائے آمین اور بلقیس بھٹی صاحبہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

سمیرا حمید کا نام دیکھ کر ہی دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کہانی ابھی پڑھی نہیں ہے مگر میں پڑھے بغیر بھی پوری گارنٹی سے کہتی ہوں کہ یہ ایک بہترین تحریر ہوگی کیونکہ سمیرا حمید کی ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔

سمیرا حمید کی طبیعت کے بارے میں ضرور بتائیں کہ وہ اب کیسی ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحت دے۔ آمین کرن کرن روشنی سے دل کو منور کیا اور آگے بڑھے۔

شکر ہے شاہین رشید صاحبہ ٹھیک ہو گئیں اور انٹرویو کے ساتھ آ گئیں ہمارے درمیان۔ افشاں آفریدی سے ملاقات پر تبصرہ میں اگلے خط میں کروں گی۔

انگنا پھول کھلیں گے۔ اس بار کی قسط کچھ خاص نہیں لگی یعنی کہ اتنا برا کرنے والی بہن کو ایک تھپڑ تو مارنا چاہیے تھا وسیم کو۔ عبید کا گھر ہوتا تو اور بات تھی مگر یہ وسیم کا گھر تھا جہاں تھپڑ مارنا معمولی بات تھی۔ خیر سالوں کی جو بھی کرے۔

راشدہ رفعت نے اس بار بہت اہم مسئلہ اٹھایا۔ جوانی میں کی گئی نادانی ساری زندگی کا پچھتاوا بن جاتی ہے۔

کورٹ میں جا کر نکاح کرنے کا واقعہ میرے سامنے بھی ہوا ہے۔ اس لڑکی کا کہنا ہے کہ جتنا وہ روئی ہے شاید ہی دنیا میں کوئی اتنا رویا ہو جتنا وہ پچھتائی ہے شاید ہی کوئی پچھتایا ہو۔ مگر اسے کسی نے معاف نہیں کیا۔ سوائے ماں اور بہنوں کے۔ اگر کبھی زندگی میں موقع ملا تو میں اس لڑکی پر کہانی ضرور لکھوں گی۔ شازیہ الطاف کی کہانیاں عجیب سی ہوتی ہیں۔ مگر ان کے قلم میں روانی بہت ہے۔ سچی کیا واقعی اس دنیا میں ایسے کردار ہیں۔ چلو جی احد بھی غائب۔

مالا نمرہ جی نے اس کہانی کو بہت الجھا دیا ہے ماہر کا کردار سمجھ میں نہیں آتا۔ بلکہ اب تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہو کیا رہا ہے۔ پچھلی قسط میں مالا کا بار بار اس صوفے کی طرف دیکھنا جہاں ماہر بیٹھا تھا حیران کر گیا کیونکہ اس پوری کہانی میں یہی بتایا گیا کہ مالا کو ماہر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس صوفے کو دیکھنا کیا معنی رکھتا ہے۔

عارفہ فضل آپ نے بہت اچھا لکھا ہے۔ ہلکی پھلکی تحریر ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر گئی۔

شبانہ رفیق کا باورچی خانہ اچھا لگا۔

نفسیاتی الجھنیں ہمیشہ کی طرح عدنان صاحب کے جوابات بہت اچھے تھے۔

ج: پیاری عینا! آپ نے بہت اچھا تبصرہ کیا ہے۔ آپ کی کہانی ابھی پڑھی نہیں گئی۔ یہ اچھا کیا کہ آپ نے مزاحیہ کہانی لکھی ہے۔ ہماری قارئین کی فرمائش ہوتی ہے کہ ہر ماہ ایک مزاحیہ کہانی ضرور شامل ہونا چاہیے۔

نظر کے سلسلے میں لاپروائی نہ کریں، یہ عام مسئلہ ہے ایک خاص عمر کے بعد قریب کی نظر کمزور ہو جاتی ہے۔ آپ نظر ٹیسٹ کرا کر چشمہ بنوا لیں۔

ناہید اسماعیل..... کراچی

اس ادارے کے سربراہان اور اس سے منسلک ہر فرد سے خاص طور پر ایسٹ کا رشتہ ایسا ہے

ALIFADAB.COM
Watermarkly

کہ ان کی خوشی دل کو خوش اور تکلیف دل کو دکھا دیتی ہے۔ محترمہ بلقیس بھٹی کے شریک حیات کی وفات کا پڑھ کر دلی دکھ ہوا۔ سائرہ رضا کی والدہ کی وفات۔ اللہ انہیں صبر جمیل اور والدہ کو اعلا درجات عطا فرمائے۔ آمین۔

فہرست کھولتے ہی سمیرا حمید کے نام پر نظر پڑی خوشی سے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی سو اس بار ابتدا پیاری سمیرا کے ناول سے کی، تحریر ختم کر کے کہنی سنی کا کھولا تو پتا چلا کہ یہ تو مشک بام کے ساتھ لکھا گیا تھا دل پھر سے سمیرا کے لیے فکر مند ہونے لگا، اللہ پاک انہیں مکمل شفا عطا فرمائے، آمین۔ پر دیس میں محض پردیس کی کٹھنائیاں نہیں تھیں وہاں اپنی ذات کے ارزاں ہونے کا، عزت نفس کے کچلے جانے کا شدید دکھ بھی بکھرا پڑا تھا۔

ٹائٹل موسم کی مناسبت سے نہیں تھا پر اچھا لگا۔ کرن کرن خوشبو میں اہم اور حساس موضوع پر معلومات حاصل ہوئیں۔ انکا پھول کب کھلیں گے بھئی، ثانیہ سدھرنے والی نہیں، ادیم کے ساتھ بالکل ٹھیک ہوا، وہ نتاشا جیسی چالاک لڑکی۔ ہماری بہن کا کہنا ہے کہ اب اسٹوری ساس بہو کی روایتی کہانیوں سے میل کھا رہی ہے سو ان کی دلچسپی ختم ہونے کو ہے۔ راحت جی پلیز کچھ کریں۔

مالا کے ماہر کا روکھا اور تلخ رویہ عجیب ہے۔ نگینہ سرکار نے اپنے سفلی علوم اندرانی کو سونپے ہوں گے۔ بیرل کو ہم مس کرتے ہیں۔

راشدہ رفعت کا نام فہرست میں دیکھ کر دل میں خوشی اور سکون کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ حبیبہ نے محض ایک غلطی کی سزا طویل عرصہ کاٹی، ساتھ بیٹیوں نے بھی۔ کھانا کھانے کا مزیدار سین، معروف کا دادی جان کی تعریف کے پردے میں منساء کی تعریف پر بے اختیار ہنسی آئی۔ کہانی ایسی تھی کہ ہم اس میں کھو کر رہ گئے۔ کہانی سنوام ہانی کے قلم سے ایک جان دار تحریر۔ سلیم کی خود غرضی بالکل حیران کن نہیں تھی کہ کشتوں کے بے مہری عام ہے۔

قانتہ رابعہ ایک بار پھر چھا گئیں ان کے قلم نے روشنائی کے بجائے آنسوؤں سے تحریر رقم کی۔ جہاں انہیں خدا کی رضا ئیں سلام کہتی ہیں۔

عارضہ فضل شاہ کے افسانے سے اندازہ ہوا وہ مزاح بھی کافی اچھا لکھ لیتی ہیں ہر ماہ ایک مزاحیہ تحریر ضرور ہونی چاہیے۔ شازیہ الطاف نے ایک اور کڑی حقیقت سے پردہ اٹھایا شازیہ آپ ایسی دردناک سچائیاں کہاں سے لاتی ہیں بچی انجام تھوڑی اور وضاحت سے دکھانا چاہیے تھا۔ نیت کا فرق سبق آموز تحریر۔

فائدہ: فریحہ اشتیاق کا مشاہدہ زبردست لگا۔ عینا عمر کا مختصر افسانہ اچھا لگا۔ عائشہ نے اپنی عزت نفس کو مقدم رکھا اور یہی اہم تھا۔

بلاشبہ انشا جی کی تحریر دور حاضر کا سچ ہے۔ افشاں آفریدی کی باتوں میں تو ہم کھو کے رہ گئے بہت زبردست انٹرویو تھا۔ شاہین رشید کی صحت یابی پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

بہنوں کی محفل میں خطوط کی تعداد بہت کم تھی نور فاطمہ (میرا پسندیدہ نام) فرحانہ مہناز اور فیری زمان کے تبصرے بہت اچھے رہے فرخندہ سلیم اور عینا عمر نے محفل میں چار چاند لگا دیے۔ گوشی، ساجد ظفر صاحب کو آپا کہہ کر بھی ہنس ہنس کر بہت کچھ کہہ گئیں، ان کے انداز میں ساجدہ ظفر کے لیے تفاخر اور بڑائی کی بھی جھلک محسوس ہوئی (یا ہو سکتا ہے ہم ہی غلط محسوس کر گئے ہوں) گوشی ساجدہ ظفر کی غلط فہمی دور کرنا چاہتی ہیں تو سادہ سی وضاحت کے ساتھ دو باتوں کا جواب دو باتوں سے دے دیتیں۔ گوشی یا کوئی بھی قاری بہن اپنی فیملی یا کسی بھی ٹاپک پر تبصرے سے ہٹ کر بات کریں تو وہ واقعی تفریح اور بہت اچھا لگتا ہے اور ہم پڑھنا چاہتے بھی ہیں) لیکن جب وہ تواتر سے اپنی بھابھی کی خصوصیات بتاتی ہیں تو یہ تفریح نہیں عیب جوئی کے زمرے میں آجاتا ہے، باقی وہ فرضی نام

لکھیں یا اصل انہیں حق ہے۔ لیکن قارئین بھی سوچ سکتے ہیں کہ جب اصل حال ظاہر کر دیا تو اصل نام ظاہر کرنے میں حرج؟

آپی آپ سوچ رہی ہوں گی کہ ناہید بھی شروع ہو گئیں، سچ بتاؤں ہم تو خود ان کا خط شوق سے پڑھتے ہیں ان کے لیے دعا بھی کرتے ہیں لیکن محض دو باتوں پر اتنی لمبی بحث مناسب نہیں لگی سو آپ سے شیئر کر لیا۔

ج:۔ پیاری ناہید تفصیلی تبصرے کے لیے شکریہ۔ سمیرا حمید کے لیے فکر مند نہ ہوں۔ وہ اب پہلے سے بہتر ہیں دعا کریں اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔

پیاری بہن ہماری قارئین اپنے دکھ سکھ ہم سے شیئر کرتی ہیں ہم ہمیشہ ان کے خطوط میں سے وہ حصہ حذف کر دیتے ہیں۔ لیکن گوشی کا مسئلہ الگ تھا۔ یہ عام نند بھاوج کا جھگڑا نہیں تھا۔ ایک بچی سے اتنا ناری سلوک اور سب سے بڑھ کر چھ سال تک اس کے پیر باندھے رکھنا بہت تکلیف دہ تھا ہمارے لیے اس کو شائع کرنے کا مقصد پہنچانا تھا کہ غلطیاں اور خطائیں تو بڑوں سے بھی ہو جاتی ہیں۔ اور وقت کے ساتھ ہم انہیں بھول جاتے ہیں یا معاف کر دیتے ہیں۔

اور یہ تو کوئی غلطی بھی نہیں تھی بچوں کا آپس کا جھگڑا تھا۔ اس کو اتنا طول نہیں دینا چاہیے تھا۔

ایک اور بات بھی ہے کہ بچوں کے سلسلے میں ہم ضرورت سے زیادہ حساس ہیں اس لیے شاید ہم نے ہی زیادہ محسوس کیا ہو۔ جہاں تک گوشی کے فرضی یا اصلی نام کا سوال ہے تو ہمارے لیے اس سے کیا فرق پڑتا ہے وہ ہمارا پرچا پڑھتی ہیں، ہمیں باقاعدگی سے خط لکھتی ہیں ہمارے لیے یہ اہم ہے۔

سویرا بھلوال.....سرگودھا

پڑھنے کا شوق اتنا شدید ہے کہ سفر میں دکانوں کے بورڈز تک پڑھتی جاتی ہوں۔ شعاع اور خواتین کی باقاعدہ قاری ہوں۔ میں چھ بھائیوں کی اکلوتی بہن ہوں جس نے بہن کی کمی کتابوں سے پوری کی۔ شعاع اور خواتین سے بہت کچھ سیکھا، سچ کہوں تو مجھے خواتین اور شعاع نے سنوارا۔ میں شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں ان رائٹرز کا جنہوں نے اتنی اچھی تحریریں لکھیں کہ ہم نے زندگی گزارنے کا فن ان تحریروں سے سیکھا۔ میں بھی کچھ تحریریں لکھ چکی ہوں پر مناسب معلومات پتا نہ ہونے کی وجہ سے بھجوا نہیں سکی اگر آپ بتائیں گی تو میں بہت ممنون ہوں گی کیونکہ میں چاہتی ہوں کہ جس طرح میں کسی کا ناول، افسانہ، ناولٹ پڑھ کر کچھ نہ کچھ سیکھتی ہوں کوئی میری تحریروں سے بھی سیکھے۔ گھر میں میرے بابا ڈائجسٹ پڑھتے تھے ان سے یہ شوق مجھے ملا۔

ج:۔ پیاری سویرا! آپ اتنا عرصہ خواہ مخواہ ڈرتی رہیں۔ خط لکھتیں تو شائع ہوتا یا نہ ہوتا۔ ہم آپ کی رائے تو جان لیتے۔ آپ جو لکھنا چاہتی ہیں لکھیں، قابل اشاعت ہوا تو ضرور شائع ہوگا اللہ تعالیٰ آپ کے والد کی مغفرت فرمائے آمین۔ ڈاک سے بھیجنے کا پتا یہ ہے خواتین ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی۔

فرخندہ سلیم.....ملتان

جولائی کا مہینہ نگاہوں کے سامنے ہے جس کا سرورق بہت ہی خوب صورت و دلکش ہے۔ ماڈل نے بھاری لباس کے ساتھ ہیوی زیورات پہنے ہوئے ہیں جو پسند آئے ماڈل کے جھمکے کچھ زیادہ بڑے تھے۔ اداریہ اصلاحی سا تھا۔ کرن کرن روشنی اس بار بہت ہی اہم اور حساس موضوع پر انتہائی مفصل و جامع انداز میں دینی آگاہی دے رہا تھا۔ زرمینہ خاکوی سے ملاقات اچھی تھی۔ افشاں آفریدی سے طویل سی ملاقات پڑھ کر تو بہت ہی مزا آیا کہ کتنے دلچسپ انداز میں سب بتایا۔ کاش میں افشاں اور نگہت سیما سے کبھی مل سکتی۔ افشاں کو چاہیے خواتین شعاع کے لیے مستقل لکھیں۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

والعصر کے بعد خیر، خطوط کی محفل۔ ارے واہ میری طرح دوسری بہنیں بھی میرے لیے مالا کے اختتام کی منتظر ہیں۔ رنگا رنگ پھول ہر بار کی طرح رنگا رنگ ہی تھے۔ شاعری کا سلسلہ بھی معیاری مواد دے رہا تھا بس فونٹ پہلے والا ہو جائے مجھے ذاتی طور پر کے ایس کے ہی کے فونٹ بے حد پسند ہیں۔ ماریہ خان کی نظم کو 10/10 نمبر ملتے ہیں۔ خاموشی زباں پڑھ کر اچھا لگا اور باورچی خانہ بھی دلچسپ تھا۔ خاتون کی ڈائری میں سب نے ہی بہت اچھا انتخاب پیش کیا۔ پکوان میں نیپالی ڈش اچھی لگ رہی ہے راشدہ رفعت کا ناول بہت ہی دلچسپ انداز میں لکھا گیا تھا ان کی تحریریں مجھے انداز تحریر کی وجہ سے بے حد پسند ہیں۔ حبیبہ کی ایک غلطی کی وجہ سے بے چاری کو کتنا کچھ سہنا پڑا مگر ہیرو معروف کا کردار بہت زیادہ پسند آیا جس نے ہیروئن کی اتنی قدر کی۔

ام ہانی کا ناول بھی منفرد سا کافی دلچسپ تھا جو انفرادیت کی بناء پر پسند آیا جس میں فائز کی آمد نے ماحول خوش گوار کیا اور سلیم کینے پر حیرت ہوئی جو سگے باپ کے ساتھ اتنا برا سلوک کر رہا تھا خیر اچھا ناول تھا پھر ام ہانی ہمیشہ اچھا ہی لکھتی ہیں۔

قانتہ کے ناولٹ کو اگر اب تک اس سال کا بہترین ناولٹ کہہ دوں تو غلط نہیں ہوگا کہ اتنی عرق ریزی سے جاندار موضوع اور حسین الفاظ کے ساتھ کہانی لکھی جو کتنا اچھا اور اصلاحی پیغام مردہ خواتین کو دیتی ہے۔ یہ کہانی ہمیشہ یاد رہے گی۔

شازیہ کا افسانہ مختصر مگر بہت تعمیری تھا۔ فریحہ اشتیاق کا افسانہ ایک بہت اہم موضوع پر بہت اچھا سبق دے رہا تھا اور واقعی اگر ہم اپنی نیت درست رکھیں تو بہت کچھ اچھا ہو سکتا ہے۔

عینا عمر نے معاشرے کے ایک بہت ہی تلخ مگر حقیقت پر مبنی پہلو کو موضوع بنایا جس نے بہت اچھی سوچ دی۔ راحت کی کہانی تو بہت ہی دلچسپ ہے [illegible] پاؤں پر

تیزی سے کلہاڑیاں مار رہی ہے کہ ناول کے ختم ہونے پر لنگڑی ہو جائے گی۔ آخر میں ایک خواہش کہ کاش خواتین کے صفحات زیادہ ہو جائیں چاہے قیمت زیادہ ہو۔

ج: پیاری فرخندہ! ہمارا بس چلے تو ہم صفحات بھی زیادہ کر دیں اور قیمت بھی نہ بڑھائیں لیکن مہنگائی کا جو حال ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ ہر چیز کی قیمت دوگنا نہیں سہ گنا بڑھ چکی ہے۔ اور ہمیں اپنی پیاری قارئین پر بوجھ ڈالنا بالکل اچھا نہیں لگتا۔

تفصیلی تبصرے کے لیے بہت شکریہ پرچا آپ کو پسند آیا افشاں۔ ہمارے ہاں لکھتی رہی ہیں درمیان میں کچھ وقفہ آیا، اب بچے بڑے ہو گئے ہیں تو باقاعدگی سے لکھیں گی۔

ریحانہ چوہدری..... رندھیر یا گڑیاں

ہمارے اسکول کا ابھی میٹرک کا تازہ تازہ رزلٹ آیا ہے اور ہمارے سبجیکٹ کا 100% رزلٹ اور ہمارے اسکول کی ہونہار طالبہ صبیحہ شریف نے 1101 نمبر لے کر تحصیل سمبڑیال کے آرٹس گروپ میں ٹاپ کیا ہے۔ مگر افسوس اس کے گھر والوں کی سوچ پر جو اس کو آگے پڑھنے کی اجازت نہیں دے رہے۔ دعا کریں وہ کسی طرح مان جائیں۔ آمین

راشدہ رفعت کا مکمل ناول "پانی پہ بنائی تصویریں" شروع کیا تو ایک ہی نشست میں پورا پڑھ کر ہی دم لیا۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں بلکہ اس کا کریڈٹ جاتا ہے راشدہ صاحبہ کو جن کے ناول کی خوب صورتی نے مجھے باندھ کے رکھا۔ پھر بات کروں گی۔ فریحہ اشتیاق کے افسانے "نیت کا فرق" کی ایک بہترین سبق جو وقت گزرنے کے بعد ہی سمجھ میں آتا ہے۔ اگر بات کروں ام ہانی کے ناول "کہانی سنو" کی تو ایک اور منفرد انداز کی سبق آموز پچھتاووں میں مبتلا شخص کی کہانی۔ بہترین ناول تھا۔ ایکس کیوزی بکل آ گئی ہے میں

واشنگ مشین میں پانی ڈال کر کپڑے دھونا چاہتی ہوں۔ پھر آتی ہوں آپ کی محفل میں۔

ایک مرتبہ پھر اسلام علیکم جناب کل جو واشنگ مشین لگانے کے لیے اٹھی تو ساتھ ہی عصر کی اذان شروع ہو گئی پھر تو چل سو چل کبھی نماز، کبھی کام ہر ہر پل آخرت کا خیال بھی ساتھ ہوتا ہے۔

راحت جبین کے ناول "اتنا پھول کھلیں گے" میں ہر منظر واضح ہوتا جا رہا ہے۔

خامشی کو زباں ملے پڑھ کر سوچا کرتی تھی کہ میں بھی اس میں حصہ لوں گی۔ مگر اب تو بار بار کئی ایک سروے میں جوابات دے کر اپنا تو اس میں لکھنے کا سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ مسکان اتنی کا ملتان سے اور طیبہ داؤد نے کرلاں سے جو اپنی خامشی توڑی تو ان کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔

عینا عمر خان آپ کو مصنفہ بننے کی مبارکباد۔ شازیہ الطاف ہاشمی آپ کا افسانہ "ایک سچی کہانی" ایسے کئی کردار ہمارے اردگرد موجود ہیں۔ مگر شازیہ نے انہیں رقم کر کے امر کر دیا ہے۔ شکر ہے کہ سمیرا حمید کا نام بھی دیکھنے اور الفاظ پڑھنے کو ملے۔ مخصوص انداز تحریر "ہجرتوں کی کہانیاں" جذبوں کا گداز۔ تہہ در تہہ روپ بدلتے رشتے۔ سب ہی کچھ تو ہے سمیرا اللہ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ آمین

عینا عمر ویلڈن "عزت" [illegible] عائشہ کا "فیصلہ" بہترین تھا۔ نمرہ احمد کے بارے میں تو کچھ کہنا اب بہت ہی مشکل لگتا ہے بے مثال تحریر۔ رنگا رنگ پھول بہترین۔ شاعری لاجواب۔ اجمل صاحبہ کی ڈائری کے اوراق بہت اچھا انتخاب۔ شبانہ رفیق کا باورچی خانہ ان کے سلیقے کا آئینہ۔ آج تو کوئی خامی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملی۔ 14 اگست کو وطن عزیز کے ساتھ ساتھ دختر عزیز سارہ چوہدری کی بھی سالگرہ ہے ہم سب کو مبارک۔

ج: پیاری ریحانہ! سائرہ کو جنم دن مبارک۔ سائرہ آپ کا جنم دن تو پورا پاکستان مناتا ہے۔ بہت اچھا دن ملا آپ کو دنیا میں قدم رنجہ فرمانے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت اور خوش و خرم رکھے۔ آمین

ریحانہ جی خاموشی کو بیاں ملے میں ضرور لکھیں۔ سروے میں اور اس سلسلے میں بہت فرق ہے۔ پرچا پسند آیا۔ اس کے لیے شکریہ۔

خدیجہ عبداللہ..... کھڈیاں خاص

ایک وقت تھا کہ خواتین پڑھے بغیر نیند نہیں آتی تھی ہمارے ساتھ ہر جگہ خواتین موجود ہوتا تھا۔ ہانڈی پکاتے ہوئے کچن میں موجود ہوتا، کپڑے دھوتے ہوئے چھت پر موجود ہوتا جب تک مشین کا ایک چکر مکمل ہوتا ہمارا افسانہ مکمل ہو جاتا۔ پھر گردش ایام نے سسرال میں لا پٹخا جیسے ہی بچے تھوڑے بڑے ہوئے ہم نے دوبارہ خواتین سے تعلقات بحال کر لیے، کافی سالوں بعد خواتین خریدا سب سے پہلا جھٹکا تو خواتین کی قیمت سن کر لگا جب ہم ماضی میں پڑھتے تھے تو 70 روپے کا ہوتا تھا اور اب 150 خیر بڑھتی ہوئی مہنگائی ہر چیز پر اثر انداز ہوئی ہے۔

ج: پیاری خدیجہ! خواتین کی محفل میں خوش آمدید۔ آپ کا افسانہ قابل اشاعت ہوا تو ضرور شائع ہوگا۔

گوشی جمال..... منڈی یزمان

کچھ دنوں سے متواتر بارشوں سے گرمی کی شدت میں تو کمی ہو گئی لیکن کچھ نقصانات بھی وقوع پذیر اکثر ہو جاتے ہیں۔ 26 سال پہلے ہمارے خوابوں کے گھر کی سنگ بنیاد ابا نے رکھی۔ ابھی نیچے والا حصہ بھی مکمل نہیں ہوا تھا، کمرے مکمل ہو گئے تھے جب آٹھ گارڈز پر مشتمل ہال بن رہا تھا ابا بیمار ہو گئے اور کام روک دیا گیا۔ چار ماہ بیمار رہنے کے بعد انتقال کر گئے۔ پھر بعد میں بڑے بھائی نے گھر مکمل کروایا۔ جہاں آج جمال ہاؤس کے مکین رہائش پذیر ہیں۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

وقت گزرنے کے ساتھ حویلی خستہ حالت اختیار کرتی جارہی ہے۔ چار سال پہلے کچھ مینٹنس کروائی ہے۔ جمال ہاؤس کی چھت ابھی بھی بارشوں سے کہیں کہیں ٹپکنے کا شغل فرماتی ہے۔

اس حویلی سے جمال ہاؤس کی خواتین کو خاص انسیت ہے۔ اماں ابا کی یادیں ہر طرف بکھری پڑی ہیں اس لیے تڑوا کر دوبارہ بنوانے کو دل نہیں کرتا ابھی اچھا خاصا گزارا ہو رہا ہے۔ دو دن پہلے کی بارش نے کچھ ایسا ڈیزائن پیش کیا کہ میں نے چھت پر آ کر چیک کیا کہ اب کہاں سے دراڑ پڑی ہے۔ جالیوں سے نیچے سارے صحن کا منظر قدرتی خوب صورتی کا نظارہ پیش کر رہا تھا صحن میں لگا نیم کا درخت جو اماں نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا۔ پاس لگے ایلوویرا کے پودے، لیموں کا پودا جواب قدرے سوکھ گیا۔

نیم کے درخت کے نیچے بچھی چارپائیوں پہ جمال ہاؤس کی چار خواتین ہمراہ بچہ پارٹی۔ جیگو پارٹی کرنے میں مشغول، اچانک بڑے آہنی گیٹ کھلنے کی آواز سنی، دکان سے کوئی بچہ شاپر پکڑا کر رفو چکر ہو گیا اور یہ خواتین کا ٹولہ سب چھوڑ چھاڑ اس کے گرد۔

حسب روایت گمنام سی غیار سرورق پہ براجمان۔ ایک بات ہے کچھ عرصہ سے بلا کی خوب صورت مورتیاں سرورق کی زینت بننے کے عہدہ پہ فائز ہیں۔ کوشش کریں کہ اگست کے ٹائٹل کو گرین اور وائٹ کلرز سے ترتیب دیں۔

اگست ہمارے لیے بہت ہی خاص مہینہ ہے۔ جہاں تک روایات کی بات ہے تو وہ ابھی بھی قائم ہیں یہ الگ بات ہے اس کو منانے کے طور طریقے وقت کے ساتھ تبدیل ہو گئے ہیں۔ اب مٹی کے چراغوں کی جگہ جدید قسم کے لائٹنگ والے نمونے اور باجوں کی پوں پاں کا دور ہے۔

شمارے کی طرف بڑھتے ہیں۔ فہرست پہ نگاہ دوڑائی، خوشی کے کئی رنگ چہرے پہ جھلملا گئے۔ سمیرا حمید پردیس سے ساتھ۔ پانی پہ بنائی تصویریں راشدہ رفعت ''کہانی سنو'' ام ہانی بارشوں کا لطف دوبالا کرنے کا نوٹل سامان مہیا ہو گیا۔ ویسے تو تینوں پرچوں میں عمدہ کہانیاں شائع ہوتی ہیں لیکن خواتین ڈائجسٹ اول پوزیشن پہ آتا ہے۔

زرینہ خاکوی۔ بہت معتبر شخصیت دلچسپ باتیں۔ میری شخصیت بھی ان دنوں معتبر اور مشہور ہوتی جارہی ہے جب سے کچھ لکھنے کا سلسلہ شروع کیا ہے گاؤں میں تو چندہ چندہ لوگوں کو پتا چل گیا ہے پسندیدگی اچھی لگی لیکن گاؤں یا شہر کہہ لیں وہاں کے لوگ کچھ عجیب سی حرکتیں کر رہے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے دو نقاب پوش خواتین میرے رشتہ دار کے گھر گھس آئیں اور میرا نام پوچھا پھر اچانک چلی گئیں۔ یہ قربان کے دو دن بعد دکان پہ بھائی ملائم بیٹھا تھے۔ دولڑکے بائیک پہ آئس کریم لینے آئے جو ہمارے گاؤں کے نہیں تھے فوراً بھائی سے پوچھا۔ ''یہ گوشی جمال کی دکان ہے، وہ کہاں ہیں؟''

''بھائی کو عجیب سی کا احساس ہوا، وہ گھر ہیں۔ آپ لوگ کون ہو؟'' دراصل ہمارے گھر میں ان کی تحاریر خواتین ڈائجسٹ میں پڑھتے ہیں اس لیے ہم کھوج لگانے آئے ہیں۔ ہم شہر میں رہتے ہیں۔''

اس خط کی توسط سے میری ایسے لوگوں سے گزارش ہے پلیز جس کو مجھ سے ملنے کا کریز ہے وہ باعزت طریقے سے میرے گھر تشریف لائیں۔ میرا شمار ابھی اتنی مشہور و معروف شخصیات میں نہیں ہے۔ جمال ہاؤس کی خواتین ملنسار اور مہمان نواز ہیں، ضرور تشریف لائیں۔ میری کچھ پرسنل مجبوریاں ہیں جس کی وجہ سے میں اپنے اصلی نام کو شائع کرنے سے قاصر ہوں۔ میری تحاریر سے غرض رکھیں نہ کہ میری پرسنل لائف سے۔

ج: گوشی جی! یہ تو واقعی بہت عجیب بات ہے آخر اتنا تجسس کس لیے۔ خط میں کیا لکھا ہے اسے پڑھیں، کس نے لکھا، کس نام سے لکھا، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

منزہ بخاری.....علی پور

جولائی کا شمارہ ایک شدید حبس زدہ شام کو موصول ہوا ٹائٹل ٹھیک تھا۔ سب سے پہلے اپنی پسندیدہ رائٹر سمیرا حمید کا پردیس پڑھا بہت اچھا لگا۔ امید ہے مشک بام کی طرح یہ بھی قارئین کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔ عارفہ فضل شاہ کا ہنستا مسکراتا افسانہ بہت اچھا لگا۔ ویسے اس بار چاروں افسانے ہی عمدہ تھے۔ راحت جبیں کا ناول کافی مختصر صفحات پر مشتمل تھا۔ اگلی قسط کا انتظار ہے۔ راشدہ رفعت کا مخصوص انداز میں لکھا ہوا گھریلو ناول بہت اچھا لگا۔ مگر عنوان پسند نہیں آیا ''ام ہانی کی کہانی سنو'' بھی کمال تحریر تھی۔ ام ہانی کے لیے مشورہ ہے کہ طویل ناول لکھتی رہا کریں۔ میری بیٹی بھی بہت اچھا لکھتی ہے لیکن ابھی تک اس کی کوئی تحریر شائع نہیں ہوئی۔ بذریعہ ای میل بھیجنے کا طریقہ بتا دیں۔

سوالوں میں دو چیزیں بہت محسوس ہوتی ہیں۔ اب وہ پہلے جیسا ملائم سفید کاغذ نہیں آ رہا۔ ہمیں معلوم ہے جن نا مساعد حالات میں آپ لوگ ڈائجسٹ چھاپ رہے ہیں، یہی بہت بڑی بات ہے۔ ہماری دعا ہے کہ انٹرنیٹ کے اس دور میں پڑھنے والے سلامت رہیں اور ان میں اضافہ ہوتا رہے تاکہ یہ رسالے دوسری چیزوں کی طرح معدوم نہ ہو جائیں۔ اب اجازت دیں۔

ج: پیاری منزہ! طویل عرصہ کے بعد آپ نے شرکت کی۔ بہت خوشی ہوئی۔ آپ خواتین میں ضرور لکھیں۔ اچھی تحریروں کے لیے ہمارے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔

اگر آپ کہانی ای میل کرنا چاہتی ہیں تو اسی ایڈریس جس پہ آپ نے یہ خط ای میل کیا ہے۔ تحصیل ڈاک سے بھیجنے کے لیے ایڈریس ہے۔

خواتین ڈائجسٹ۔ 37۔ اردو بازار۔ کراچی

ایچ ایس ایچ.....تحصیل سمبڑیال

جولائی کی ماڈل اپنی تمام تر خوب صورتی کے ساتھ جلوہ نما تھی۔ سب سے پہلے فہرست پہ نظر دوڑائی تو پہلی نظر ہی سمیرا حمید کے نام پر پڑی ہم تو خوشی کے مارے اچھل ہی پڑے، دل نے بے اختیار دیکھ کہا پر جب کہنی سنی کے نیچے نظر دوڑائی تو ہم جھاگ کی طرح بیٹھ گئے کہ یہ تو مشک بام سے پہلے لکھا تھا ہم سمجھے کہ سمیرا حمید واپس آ گئی ہیں خیر.....ناول ان کے مخصوص انداز میں شان دار تھا بہت زیادہ اللہ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔

راشدہ رفعت بھی اس دوڑ میں ہم کسی سے کم نہیں والوں میں نظر آئیں خوب ویلڈن۔ ''کہانی سنو'' ام ہانی کی تحریر بھی پسند آئی قانتہ رابعہ ہر بار کمال کرتی ہیں جہاں تحریر معلوماتی تھی وہاں بھی پورا اصلاحی بھی قانتہ جی کی گرفت بہت مضبوط ہے قلم پر۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کی تحریر نے ہمیں جھنجھوڑا نہ ہو ویلڈن، کمال وشان دار تحریر تھی آپ کی، آسمان سے گری نے تو ہماری ہنسی ہی رکنے نہ دی۔ بیتا عمر بھی ایک خوب صورت تحریر کے ساتھ موجود تھیں بہت خوب صورت سبق تھا اور آپ کو باقاعدہ مبارک ہو۔ رائٹر کی فہرست میں شامل ہوئی ہیں۔ نیت کا فرق بھی بہتر سبق دیتا ہوا پایا گیا۔ اب آتے ہیں ہمارے نام کی طرف ناہید اسماعیل کا خط بہت جان دار تھا۔ خاموشی کو زباں ملے میں مسکان آپی نے تو ہمیں تعجب میں ڈال دیا کہ محترمہ میٹرک کے پیپرز دے کر فارغ ہوئی ہیں اور سوال نمبر تین میں فرما رہی ہیں کہ بارہ سال کی عمر میں تعلق جڑا خواتین سے اور 2004 میں باقاعدہ شروع کیا کچھ ہضم نہیں ہوا ویسے انداز ان کے لکھنے کا انداز بہت بھایا، آپ سے کیا پردہ میں سچ چلی جیسے افراد کا پڑھ کر ہنسی آئی ''کرن کرن روشنی'' بھی دل کو متوجہ کرتی باقی سلسلے بھی خوب رہے مجموعی طور پر سارا رسالہ بہترین رہا۔

ج: ایچ ایس ایچ! خواتین ڈائجسٹ آپ کو پسند آیا۔ بہت شکریہ۔ مسکان آپی ٹیچنگ کرتی ہوں گی یا ٹیوشن پڑھاتی ہیں۔ اس لیے میٹرک کے پیپرز کے بعد فراغت ہو۔

☆☆

ALIFADAB.COM
Watermarkly

راحت جبین

آنگنا پھول کھلیں گے

اکیسویں قسط

وہ جس طرح تڑپ کر روتے ہوئے بولی..... ایک لمحے کو سب خاموش رہ گئے۔

"وسیم کو میرے خلاف بھڑکا رہی تھی۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے..... کہ ثانیہ تو ایسی ہی ہے..... کیسی ہے ثانیہ؟" وہ لپک کر حواس باختہ ارم کے سامنے آئی۔ "دوسروں کا رشتہ خراب کرنے والی..... جھوٹ بولنے والی، حسد کرنے والی....."

"ثانیہ! میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔"

"وسیم سے کیا کہہ رہی تھیں.....؟"

"وہ معافی مانگ رہا تھا کہ ثانیہ کی وجہ سے....." ارم ہکلائی.....

"سنا....." ثانیہ عبید کی طرف مڑی..... "اسے کیا ضرورت تھی وسیم کے ساتھ باتیں کرنے..... اس سے ملنے..... اس کے کان بھرنے....."

"ثانیہ! ختم کرو..... ارم وسیم سے نہیں۔ تمہاری دادی سے ملنے گئی تھی....." آسیہ نے بے اختیار ٹوکا۔

"ارم! بس کردو....." ثانیہ نے بے اختیار دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے..... "میرے گھر والوں کو میرے خلاف مت کرو..... یہاں تو پہلے ہی مجھے کسی نے قبول نہیں کیا..... کم از کم ان لوگوں کو تو میرا رہنے دو....." وہ روتے ہوئے اندر بھاگ گئی۔

"ثانیہ بات کو خواہ مخواہ بڑھا رہی ہے..... ایسا کچھ نہیں..... عبید..... میں تو بس....."

"ارم....." عبید نے سنجیدگی سے ٹوکا۔

"تمہیں وہاں جانا ہی نہیں چاہیے تھا..... اب ہر جگہ..... ہر بات میں ثانیہ ہی تو غلط نہیں ہو سکتی....." وہ کہہ کر رکا نہیں بلکہ ثانیہ کے پیچھے چلا گیا..... ارم نے مارے صدمے کے حیران کر ماں باپ کو دیکھا۔

"اس نے کیا سوچا ہے۔ میں وسیم سے ملنے گئی تھی....."

باہر سے عفان کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا..... اس نے کہا تھا..... جلدی میں ہے، اندر نہیں آئے گا.....

"بات کو یہیں ختم کردو۔" توفیق نے نرمی سے اس کا سر تھپتھپایا۔ "جاؤ..... ہاتھ منہ دھولو..... میں تب تک اس سے سلام دعا کر لیتا ہوں۔ موڈ ٹھیک کرلو۔ عفان کو ان باتوں کی بھنک نہیں پڑنی چاہیے۔" آسیہ نے دکھی دل کو سنبھالا..... مگر دماغ کہہ رہا تھا ثانیہ کی گستاخیاں بڑھنے لگی ہیں۔ اب بات کو یہیں ختم نہیں ہونا چاہیے۔

وہ اپنا حلیہ اور مزاج درست کر کے ہی باہر آئی تھی..... مگر آئینے جیسے لوگ کہاں خود کو چھپا پاتے ہیں..... وہ میکے سے واپس آتی تو بہت کھلی کھلی ہوتی۔ مزاج خوش گوار، سادہ لہجہ شوخی لیے ہوتا۔ مگر آج وہ چپ تھی۔ لبوں پر بکھری مسکراہٹ مصنوعی سی تھی..... اور آنکھیں اداس۔

"کیا بات ہے۔ چہرے پر اداسی کے بادل کیوں چھائے ہوئے ہیں؟"

"مجھے نہیں پتا تھا، آپ مجھے اتنا غور سے پڑھتے ہیں....." وہ اندر سے ڈری اور اوپر سے کھلکھلا کر ہنس دی۔

"تمہاری محبت میں شاعر سا ہو گیا ہوں۔"

"جانے دیں..... بیویوں پر شاعری کس نے کی ہے۔"

"میں کروں گا....." عفان نے برجستہ کہا..... پھر وضاحت دی۔ "مجھے لگتا ہے....."

"اچھا۔ چلیں پھر کوئی شعر موزوں کریں۔" ارم اس کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئی۔

عفان کی باتیں جس زدہ موسم میں خوش گوار ہوا کا جھونکا تھیں۔

عفان شپٹا گیا..... کبھی کالج کے دور میں شاعری پڑھی تھی..... اب تو ایک مصرع بھی یاد نہ تھا۔ ارم کو ہنسی آ گئی۔

"چلیں، جانے دیں۔"

ہنسی بھرم رکھ لیتی ہے..... چھپا لیتی ہے..... اندر کی اکھاڑ پچھاڑ کو ڈھانپ لیتی ہے۔ سامنے والے کو دھوکا بھی دے دیتی ہے..... وہ قصداً یہ دھوکا کھا گیا.....

وہ مسکرائی تھی..... ہنس پڑی تھی اس کے لیے اتنا کافی تھا.....

☆☆☆

آج سارا گلدستہ سفید پھولوں کا تھا..... سبز مخملیں گھاس پر اس کے نرم گداز پاؤں پڑتے تو گدگدی سی محسوس ہوتی..... اس نے سارے پھول میز پر رکھے..... اور فالتو پتے الگ کر کے پھر ترتیب دینے لگی..... ترتیب جو زندگی کا حسن ہے

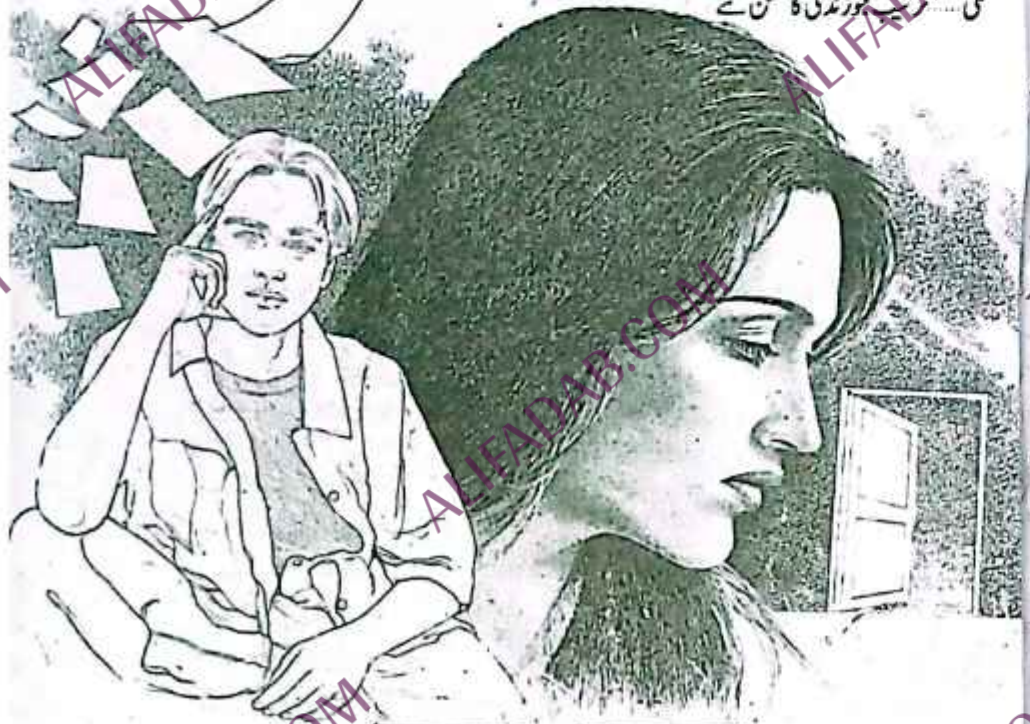

ALIFADAB.COM
Watermarkly

بہت پیارا لگ رہا تھا۔
کچن میں مسرت نے ناشتے کی تیاری شروع کر دی ہوگی۔ ارم کو عادت تھی۔ وہ گل دستہ بنا کر ناشتے کی میز پر رکھ دیتی۔
اس بات کا انکار مت کرو کہ عفان تمہیں ذمہ داری کا احساس دلائے۔ فالتو پتیاں سمیٹنے اسے ماں کی بات یاد آ گئی۔
واقعی کیا میں یہاں صرف پھولوں کے گلدستے بنانے آئی ہوں؟
اسے احساس ہوا ماں ٹھیک کہتی ہیں۔ اسے اپنی روٹین سیٹ کر لینی چاہیے۔
گلدستہ گلدان میں رکھ کر وہ کچن میں آ گئی۔ مسرت انڈے پھینٹ رہی تھی۔
"کیا بن رہا ہے؟" اس نے خوش گوار انداز میں پوچھا۔
"بھابھی! روز پوچھتی ہیں۔" وہ مسکرائی۔
"چلو پھر آج کچھ اچھا سا بناتے ہیں۔ میں تمہاری مدد کرتی ہوں۔" اس نے فریج کھول کر جائزہ لیا۔
"نہیں بھابھی! امی جان ناراض ہوں گی۔" مسرت گھبرائی۔
"نہیں۔ ہوں گی میں اپنی مرضی سے کر رہی ہوں۔ تم پر بھی تو کام کا کتنا لوڈ ہے، تھک جاتی ہوگی۔"
"تھک تو جاتی ہوں۔" اس نے معصوم سی صورت بنا کر کہا۔
"چلو آج میں کر لیں گے۔" ارم نے کہا تو وہ خوش ہو گئی۔
بہت عرصے بعد کچن میں آلو کے پراٹھوں کی خوشبو پھیلی۔ تو ہاجرہ کو خوش گوار سی حیرت نے گھیر لیا۔
تب ہی ارم انہیں ناشتے کے لیے بلانے آ گئی۔
"آج ناشتے میں کچھ خاص ہے؟" انہوں نے ٹیبل کا جائزہ لیا۔
"خاص تو نہیں۔ بس تھوڑا سا اہتمام کیا ہے۔" ارم نے انہیں کرسی کھینچ کر بیٹھنے میں مدد دی۔
میز پر آج رونق سی تھی۔ ہاجرہ کو یاد آیا۔ جب سب بچے یہاں ہوتے تھے تو وہ بھی ایسے ہی اہتمام کیا کرتی تھیں۔ ارم عفان کو بلانے چلی گئی۔ وہ اس کی سب چیزیں پہلے ہی نکال کر رکھ گئی تھی۔ وہ تیار ہو کر بال بنا رہا تھا۔
"لگتا ہے مسز نے آفیشل گھر داری شروع کر دی ہے۔" اسے اچھا لگا تھا۔
"یہی سمجھ لیں۔ کب تک نئی نویلی دلہن بنی رہوں گی۔" وہ جلدی جلدی بکھری چیزیں ٹھکانے لگانے لگی۔
عفان کے اندر سردی لہرا گئی۔
"جب تک میں زندہ ہوں۔"
"عفان۔" ارم تڑپ کر سیدھی ہوئی۔
"کیا ہوا؟ موت تو برحق ہے۔ کبھی بھی کہیں بھی آ سکتی ہے۔" سرد لہجے میں کہتا وہ بے حد ظالم سا لگا۔ ارم کے غصے سے چادر جھٹکی اور سامنے آئی۔
"موت برحق ہے مگر اس کا ذکر اتنی سفاکی سے نہیں کرتے۔"
"میں نے سادگی سے کہا ہے۔" اس نے دلچسپی سے ارم کے تلملاتے چہرے کو دیکھا۔
"کسی بھی طرح نہیں کرتے۔" ارم نے کہا۔
"حقیقت سے نظریں چرا لیتے ہیں" عفان نے پوچھا۔
"سچ کے دائمی ہونے کی دعا کرتے ہیں۔" ارم نے کہا۔

"تو آؤ۔ پھر مل کر کرتے ہیں۔" عفان نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔
"یا اللہ! ہمیں اتنی لمبی رفاقت نصیب فرما کہ ہم اپنے بچوں کی شادیاں دیکھ سکیں۔"
ارم نے آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھا۔
"بچے کیوں؟ پوتے پوتیاں کیوں نہیں؟"
ارم نے اثبات میں گردن ہلائی۔
"ایک بات تو بتاؤ۔ بھابھی کے بھائی سے شادی ہوئی ہوتی تو اس سے بھی یہی کہتیں۔" اس نے شرارت سے چھیڑا۔ ارم کو اچھا نہیں لگا۔
"اس کے منہ سے سننا ہوتا تو اسی سے شادی کر لیتی۔" ارم نے ہاتھ چھڑائے۔ اس نے بہت محتاط انداز میں عفان کو بتا دیا تھا کہ ثانیہ پروپوزل لائی تھی لیکن ارم نے انکار کر دیا تھا۔
"کیوں؟"
"مجھے پسند نہیں تھا۔" ارم نے کندھے اچکا کر بات ختم کر دی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ عفان کو یہ بات کسی اور طرح سے معلوم ہو۔
"آ جائیں۔ ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ باتوں میں ہی لگا لیتے ہیں۔" وہ ناراضی سے کہہ کر چلی گئی۔
عفان مسکرا دیا۔ پھر آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر چونکا۔ وہ بات بے بات مسکرانے لگا تھا۔ ارم کی خوب صورت رفاقت نے اسے غیر محسوس انداز میں بدلنا شروع کر دیا تھا۔
"جادوگرنی ہے پوری۔" وہ جھنجلا کر بڑبڑایا۔

☆☆☆

گھر کا ماحول یکسر بدل گیا تھا۔ آسیہ کا اس سے بات کرنے کا دل ہی نہ چاہتا۔ خود ثانیہ بھی اپنے پھلائے کمرے میں گھسی رہتی۔ رو رو کر عبید کو اس بات کا تو یقین دلا ہی دیا تھا کہ ارم نے کچھ فضول باتیں کی ہیں جس سے وسیم اس کے خلاف ہو گیا ہے۔ جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ وہ ثانیہ کو اپنے ساتھ تاریخ طے کرنے بھی نہیں لے کر گیا تھا۔
عبید جتنا خیال رکھنے والا بھائی تھا۔ اسے ثانیہ کی تکلیف سمجھ میں آ رہی تھی (حالانکہ ثانیہ اتنی محبت کرنے والی بہن نہیں تھی۔) وہ اس کی دل جوئی کرتا۔ جس سے آسیہ کا دل اور خراب ہو جاتا۔
"تم کہو تو میں وسیم سے بات کروں۔" عبید نے کئی بار کہا۔
"نہیں کوئی ضرورت نہیں۔ یہاں کوئی بھی میرا نہیں۔ میرا وجود سب کے لیے فضول اور بے کار ہے۔ میں کسی کے لیے بھی اہم نہیں۔ میں کسی کو خوش نہیں رکھ سکتی۔ میں بالکل بے کار ہوں۔"
وہ روتی، کرلاتی۔ عبید کا دل مٹھی میں آ جاتا۔ اسے لگ رہا تھا، وہ دھیرے دھیرے ڈپریشن کی طرف جا رہی ہے۔ عبید کی محبت اور توجہ ہی اسے اس کیفیت سے نکال سکتی تھی۔ وہ اپنی سی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا پسندیدہ کھانا آرڈر کرتا۔ شام کو باہر گھمانے لے جاتا۔ اور ایسے میں کوئی اور بھی تھا۔ جو یہ سب دیکھ کر ڈپریشن کی طرف جا رہا ہے۔
اس نے دیکھا ماں صوفے پر بیٹھی کندھے دبا رہی تھیں۔
عبید نے عقب سے آ کر دونوں ہاتھ ان کے کندھوں پر رکھے اور ہولے ہولے دبانے لگا۔
آسیہ چند ثانیے متذبذب رہیں۔ انہیں بیٹے سے گلہ تھا۔ وہ ثانیہ کو ڈانٹنے اور سمجھانے کے بجائے مزید شہ دے رہا ہے۔ بیمار۔ خاموش۔ اداس ثانیہ عبید کے گھر سے جاتے ہی چولا اتار کر پھینک دیتی۔ ایک

ALIFADAB.COM
Watermarkly

خود غرض..... خود سر اور بدتمیز بہو جسے وہ بھگت رہی تھیں۔

"ضرورت نہیں ہے۔ ٹھیک ہوں میں....." آسیہ نے عبید کے ہاتھ ہٹا دیے۔

"امی! اس طرح تو مت کریں۔"

"جا کر اپنی بیوی کے کندھے دباؤ۔ اسے زیادہ ضرورت ہے....." ان کا روکھا لہجہ۔

وہ مسکرا دیا..... آ کر برابر بیٹھ گیا۔ "روایتی ساسوں والا جملہ....."

"ہاں، میں ہوں روایتی ساس..... اور تم بھی بن گئے روایتی بیٹے اور بھائی۔" انہوں نے تلخی سے کہا..... "ارم کتنے دکھی دل سے یہاں سے گئی..... تم نے ایک بار بھی اس کو کال کی..... الٹا اسی کو قصوروار سمجھا....."

"امی! ایسا نہیں ہے..... میں جانتا ہوں، ارم نے کسی بری نیت سے کچھ نہیں کہا ہوگا..... مگر جو کچھ ہو چکا..... اسے وسیم سے بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ کوئی بھی دیکھ کر کچھ بھی سمجھ سکتا ہے..... پھر اس کے بعد جو سلوک وسیم نے ثانیہ کے ساتھ کیا..... ثانیہ کا دکھی ہونا تو بنتا ہے نا....."

آسیہ نے چڑ کر عبید کو دیکھا۔

"تم اپنی بیوی کو بہت معصوم سمجھتے ہو..... دو چہرے ہیں تمہارے سامنے کچھ اور ہمارے سامنے کچھ اور....." آسیہ جتنا زیادہ بولتیں۔ عبید کو لگتا وہ اب زیادتی کر رہی ہیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ عبید کے سامنے بولتی تھیں اور ثانیہ اس کے پیچھے۔

"امی..... امی....." عبید نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ "وہ تھوڑی سی پریشان ہے ٹینشن میں ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں کہہ رہا ہوں۔ تھوڑا سا دل بڑا کریں۔"

آسیہ تو دل بڑا کر لیتیں، وہ یہ کرتی۔ جس کا دل تنگ گھانی تھا۔ جو چیز اندر جاتی وہیں دھنس جاتی..... حسد، بغض، کینہ۔ اسی تنگ گھانی میں سڑتا اس کے وجود کو تعفن زدہ کر رہا تھا۔ اخراج کا رستہ جو نہ تھا۔ انسان تو ہے ہی خسارے میں۔ ناقص خیالات تو آتے ہی ہیں۔ مگر کامیاب تو وہی ہیں۔ جو ان ناقص خیالات کو گزر جانے دیں..... اپنے وجود میں مہمان بنا کر نہ ٹھہرائیں..... ان کی خاطر تواضع نہ کریں..... انہیں پھلنے پھولنے نہ دیں..... کچھ کام اللہ کے لیے بھی کرنے چاہئیں۔ ہر چیز کا صلہ انسان نے تو نہیں دینا۔

ثانیہ نے دیکھا..... بیٹا ماں کے ہاتھ محبت سے چوم رہا تھا۔

وہ مسکرا دیتی۔ گزر جاتی..... کل کو اس کی اولاد اس کے ہاتھ بھی چومے گی.....

دنیا مکافات عمل ہے..... صرف برے اعمال ہی نہیں..... اچھے اعمال بھی آپ کے سامنے آ جاتے ہیں۔ روپ بدل کر..... بھیس بدل کر..... کسی اور شکل میں۔

وہ غصے میں بھری کچن میں آئی۔

پلاؤ دم پر تھا اور وہ بھننے کو تیار..... اس نے ڈھکن ہٹایا۔ گرم بھاپ اس کی آنکھوں تک آئی..... کچھ برا کریں..... تو آنچ آپ کو بھی آتی ہے۔

اس نے بہت سا نمک چاولوں میں جھونک کر دم لگا دیا۔

اس کی ذات تنگ گھانی تھی۔ جس میں لاوا ابلتا رہتا تھا.....

گھر میں پلاؤ کی خوشبو کے ساتھ نمک کی کڑواہٹ بھی تھی۔

کھانے کا کیا تھا، باہر سے آ گیا۔

"کوئی بات نہیں۔ ہو جاتا ہے۔" انسان بھول کر دوبارہ بھی ڈال دیتا ہے۔" توفیق نے تسلی دی.....

"بھول کر نمک چاولوں کے اندر ڈالتا ہے اوپر سے چھڑکاؤ تو نہیں کرتا۔"

کچے نمک کا ذائقہ زبان کو فوراً محسوس ہو جاتا تھا۔ ان کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"امی! وہ صبح سے کمرے سے نہیں نکلی اور ہم یہیں بیٹھے تھے لاؤنج میں..... یہاں سے گزرتی تو نظر آ جاتا....." عبید جھنجلا گیا..... ماں چپ ہو گئی.....

"شاید میں نے ہی بھول کر اوپر سے ڈال دیا ہو۔" انہوں نے غلطی مان لی۔ توفیق نے چپکے سے ان کا ہاتھ دبایا۔

مگر یہ سلسلہ رکا نہیں۔ پھر مسلسل جاری رہا..... کبھی ہانڈی جل جاتی..... کبھی نمک تو کبھی مرچ تیز ہو جاتا..... کھانا تو آسیہ ہی بنا رہی تھیں..... ثانیہ تو کچن میں جھانکتی تک نہیں تھی۔

"ثانیہ! ایک کپ چائے ہی بنا دو۔" عبید نے بے حد محبت سے فرمائش کی۔ وہ آج آفس کا تھوڑا کام گھر لے آیا تھا۔ ثانیہ نے موبائل سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"پلیز....." عبید نے انکار کی گنجائش ہی نہ چھوڑی۔ تو وہ سر ہلا کر چلی گئی۔ (کتنا چپ چپ سی رہنے لگی ہے)۔

پھر دھیان آیا، ماں نے بھی کوئی شکوہ کیا تھا..... اس نے موبائل اٹھا کر ارم کا نمبر ملایا۔

"رہے نصیب، آج بہن کی یاد کیسے آ گئی۔" اس نے سلام کے فوراً بعد شکوہ کیا۔

"ایسی بات نہیں ہے، یاد تو اکثر کرتا ہوں۔" وہ تھوڑا شرمندہ ہوا.....

"بس رہنے ہی دو۔"

"تم نے بھی چکر نہیں لگایا۔"

"یہاں میری کچھ ذمہ داریاں ہیں..... انہیں چھوڑ کر روز روز تو نہیں نکل سکتی۔" ارم نے نروٹھے پن سے کہا..... وہ بھائی کو لاڈ دکھاتے بھول گئی۔ کہ بھائی اب کسی کا شوہر بھی ہے۔

"لگتا ہے، امی نے کافی شکایتیں کی ہیں۔"

"ہماری ماں کو شکایتوں کی عادت نہیں..... اور یہ بات تم بھی جانتے ہو۔"

"اس ٹون میں بات کرنا بند کرو ارم....." عبید جھنجلا گیا۔ "میں نے صرف اس لیے کال کی تھی کہ امی کو ذرا سمجھا دو۔ ان کا رویہ ثانیہ کے ساتھ بہت تلخ ہو گیا ہے۔" ارم کو دکھ ہوا..... وہ اس کی خیریت پوچھنے کے لیے کال نہیں کر رہا تھا۔

"امی کو تو میں سمجھا لوں گی۔ تمہاری بیوی کو کون سمجھائے گا۔ جس کی زبان کو نہ کوئی روک سکتا ہے..... نہ....."

"میرا خیال ہے، میں نے غلطی کی تمہیں کال کر کے....." عبید نے غصے سے کال کاٹ دی..... اور بڑبڑایا۔ "ہر کسی کا لہجہ اور انداز بدل گیا ہے۔ عبید کیا کرے۔"

☆☆☆

"عبید تمہارے پاس ماچس ہے؟" ثانیہ عجلت میں اندر آئی۔

"میں نے کس کو آگ لگانی ہے؟" وہ جھنجلایا۔

"اچھا لائٹر دے دو۔"

"میں سگریٹ پیتا ہوں؟" وہ مزید چڑ گیا۔

"تو میں چولہا کس سے جلاؤں..... ماچس نہیں مل رہی۔ نیاذبہ بھی نہیں مل رہا۔"

ALIFADAB.COM
Watermarkly

"امی سے پوچھو۔"
"پوچھا..... انہوں نے کہا، میں کون سا چھپا لیتی ہوں۔"
"اچھا رہنے دو۔ مجھے چائے نہیں پینی۔"
"ابھی تو طلب ہو رہی تھی۔"
عبید نے چڑ کر اسے دیکھا.....
"اچھا۔ میں امی سے مانگ کر لاتی ہوں....."
"خدا کا واسطہ ہے۔" وہ غصے سے کھڑا ہوا..... "اب ماچس وہاں لے جاؤ گی۔" ثانیہ نے اسے جاتے دیکھ کر کندھے اچکائے اور موبائل کھول کر دیکھنے لگی..... پھر اسے ہنسی آ گئی..... نجانے کیوں؟
آسیہ نے اپنی دوائیں نکالنے کے لیے دراز کھولی تو حیران پریشان رہ گئیں۔
"ماچس کا ڈبہ میری دراز میں....."
ابھی وہ پوری طرح حیران ہو بھی نہ پائی تھیں..... کہ عبید اندر آیا..... یقیناً کچھ پوچھنے آیا تھا..... ماں کے ہاتھ میں جو دیکھا وہ ناقابل یقین تھا..... وہ ماچس کا ڈبہ اپنی دراز میں چھپانے والی تھیں..... وہ جس طرح آیا تھا اسی طرح پلٹ گیا..... ماں کو ٹوک کر شرمندہ کرنا نہیں چاہتا تھا..... مگر بات حد سے بڑھ رہی تھی۔
کیا ماں ثانیہ کی دشمنی میں یہ سب کر رہی تھیں.....
یا وہ سائیکو ہو رہی تھیں.....
اس نے بہت دیر تک سوچیں ناپیں.....
وہ محبت کی دو انتہاؤں میں پھنس کر رہ گیا۔
اسے ارم بہت یاد آئی۔ وہ ہر معاملے میں حل ڈھونڈنے میں پیش پیش رہتی تھی۔
مگر آج وہ اس سے بھی مشورہ نہیں کر سکتا تھا۔
"یا اللہ! میری مدد کر..... کوئی راستہ سجھا..... میں کیسے اپنے گھر کا سکون برقرار رکھوں۔ آدھا چاند اس کی آوارگیوں کا گواہ بنتا گیا..... گھر میں تناؤ بڑھتا گیا اور
پھر ایک دن وہ ہو گیا۔

☆☆☆

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"
یکے بعد دیگرے کچھ ایسے واقعات ہوئے کہ اسے باپ سے بات کرنا ہی پڑی..... ثانیہ کی اکثر چیزیں غائب ہونے لگی تھیں۔ وہ پورے گھر میں ہلکان ہوتی پھرتی۔ کبھی اس کے کپڑے چھت پر پڑے ہوتے۔ ماتھ روم سے شیمپو غائب ہو جاتا۔ ملازمہ سے الگ باز پرس ہوتی.....
"میں کیا کروں عبید؟ میں تو کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی۔" ثانیہ اس کے سامنے بلکی۔ "سب نے لٹھ لے کر میرے ہی پیچھے پڑ جانا ہے۔"
"ماں پر الزام لگاتے شرم نہیں آتی۔" توفیق بھڑک ہی اٹھے۔
"ابو! الزام نہیں لگا رہا..... امی کے ساتھ کچھ پرابلم چل رہا ہے..... آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں....." عبید نے ان کی ساری لعن طعن تحمل سے سن کر کہا۔ "گھر کے حالات آپ کے سامنے ہیں۔ ثانیہ ایک ناپسندیدہ بہو ہے..... اور میں مانتا ہوں خود کو گھر میں لانے کے لیے وہ بھی کوئی کوشش نہیں کرتی۔ ارم بھی یہاں نہیں۔ ہم کی [illegible] مصروف ہوتے ہیں..... ہو سکتا ہے امی کو تنہائی لگتی ہو..... اور....."

"اور؟" توفیق نے شرربار نگاہوں سے اسے دیکھا۔
اس اور کی وضاحت سے پہلے ہی کچن میں شور سا اٹھا۔ وہ دونوں چونکے پھر بھاگے۔
ثانیہ نے پین کا ڈھکن اٹھایا۔ اس سے قبل کہ نمک کا ڈبہ اٹھتی..... اس کی کلائی آسیہ کی گرفت میں تھی۔ ایک لمحے کو ثانیہ بوکھلا گئی۔
"کیا لگتا ہے..... سالن میں نمک تیز کر کے..... جلا کر..... چیزیں غائب کر کے مظلوم بن جاؤ گی..... عبید کو ہمارے خلاف کر لو گی۔"
آسیہ نے کلائی کو جھٹکا دے کر چھوڑ دیا۔ ثانیہ نے نمک کا ڈبہ واپس رکھا۔
"وہ تو پہلے ہی خلاف ہے..... میں نے کیا کرنا ہے۔"
"ثانیہ! اب بھی سمجھا رہی ہوں..... باز آ جاؤ..... ایسی حرکتیں صرف گھر برباد کرتی ہیں۔"
"آپ کی تو دلی خواہش ہے، میرا گھر برباد ہو....." اس نے استہزائیہ انداز میں ساس کو دیکھا۔
"میں تو تمہاری ذہنیت اور اصلیت بہت پہلے ہی جان گئی تھی..... عنقریب میرا بیٹا بھی جان لے گا۔" آسیہ کا دل اس سے بالکل اکتا ہو چکا تھا۔
"بیٹا! اتنا ہی پیارا تھا تو نہ کرتیں اس کی شادی..... زندگی تو میری برباد ہوئی ہے..... اپنی بیٹی کو تو بیاہ دیا بڑے گھر میں..... اور میں یہاں ڈربے میں بند ہو کر رہ گئی..... بیٹی جو مرضی گل چھرے اڑاتی پھرے..... میں اپنی مرضی سے سانس بھی نہیں لے سکتی....."
"ثانیہ....." ان کا ہاتھ اٹھا اور رک گیا۔ "بکواس بند کر لو۔ ورنہ میں بیچ میں تھپڑ مار دوں گی۔"
ثانیہ نے اونچا اونچا رونا شروع کر دیا۔ عبید اور توفیق تیزی سے اندر داخل ہوئے۔
"کیا ہو رہا ہے؟"
"اپنی بیوی کو میری نظروں سے دور لے جاؤ۔" آسیہ غصے سے کانپ رہی تھیں۔ ثانیہ عبید کے بازو سے آ لگی۔
"میں نے تو سوچا، آنٹی سے ہر روز کھانا خراب ہو جاتا ہے تو میں بنا لیتی ہوں انہوں نے تو مجھ پر ہاتھ ہی اٹھا لیا۔"
"میں اس کے جھوٹ سن سن کر پاگل ہو جاؤں گی....." آسیہ نے سر پیٹ لیا۔ عبید ثانیہ کو باہر لے گیا..... توفیق آسیہ کو ٹھنڈا کرنے لگے۔

☆☆☆

"چہ..... چہ..... کیا حال ہو گیا ہے؟"
ثانیہ رک گئی۔ مڑ کر دیکھا تو فرخ سیڑھیوں پر بیٹھا چنے کھا رہا تھا..... ہتھیلی پر رکھے بھنے کالے چنوں میں سے وہ ایک ایک دانہ منہ میں ڈالتے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
"تم کب سے یہاں موجود ہو۔" ثانیہ نے ناگواری سے پوچھا۔
"جب تم پورے زور و شور سے اپنے دکھڑے بیان کر رہی تھیں....." اس نے ہاتھ جھاڑے۔ ثانیہ نے لب بھینچ لیے۔ کم بخت نے سب کچھ سن لیا تھا۔
فرخ اٹھ کر سامنے آ گیا۔ سرتاپا تاسف سے اسے دیکھا۔
"اڑی ہوئی رنگت، پھیکا چہرہ..... عبید تمہارا اس طرح خیال رکھتا ہے....."
"اپنے کام سے کام رکھو....." ثانیہ نے دانت پیسے۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

"تمہیں دیکھ کر افسوس ہوتا ہے..... یہ ہے وہ لڑکی جس کی خاطر فرخ کسی کی جان لینے لگا تھا۔ وہ تمہارا بالکل خیال نہیں رکھتا ہے نا....."

"وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے....." نرمی سے اس ثانیہ نے سختی سے کہا..... "وہ تو اس کے گھر والے....."

"سن چکا ہوں....." فرخ نے نرمی سے اس کی بات کاٹی..... پھر افسوس سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "تم تو بہت سنبھال کر رکھنے کے قابل تھیں۔ اس نے تمہاری بالکل قدر نہیں کی۔"

"میرے پاس تمہاری فضول بکواس سننے کا وقت نہیں ہے۔" وہ غصے سے کہہ کر جانے لگی۔

"خدا کی قسم اگر میں عبید کی جگہ ہوتا تو وہ کر چکا ہوتا جو عبید نہیں کر سکتا....."

لاشعوری طور پر ثانیہ کے قدم تھم گئے..... اس نے گردن موڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

فرخ قریب آیا۔

"کسی کی جرأت نہ ہوتی کہ تمہیں ایک لفظ بھی کہہ سکے..... ہاتھ پکڑ کر تمہیں ان لوگوں سے بہت دور لے جاتا جو تمہیں تکلیف پہنچا رہے ہیں..... افسوس تم نے میری محبت کی قدر ہی نہ کی۔" وہ ہوا کے جھونکے کی طرح قریب سے گزرتا چلا گیا۔

وہ گم صم سی اسے جاتا دیکھتی رہی۔

رگوں میں بدل بدل کر جسم درد کرنے لگا تھا۔ غصہ۔ ضد۔ انا..... بے بسی..... کچھ بھی چین نہ لینے دیتا تھا۔ ماں باپ کے کمرے میں تھا۔ وہ ماں کو سمجھانا چاہتا تھا..... مگر اب آسیہ بھی کچھ سننے کو تیار نہیں۔ نہ اپنے کیے پر شرمندہ۔

"مجھے یہ تھپڑ بہت پہلے مار دینا چاہیے تھا۔ کاش مار ہی دیتی۔" وہ اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھیں۔ توفیق کی مصلحت پسندی بھی انہیں سمجھانے میں ناکام رہی تھی۔ عبید مایوس ہو کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ وہ کروٹ بدلے سسکیاں بھر رہی تھی..... عبید نے قریب بیٹھ کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"کب تک روتی رہو گی ثانیہ....."

"جب تک تم رلاؤ گے....."

"میں نے کیا کیا ہے؟ عبید نے بے بسی سے اس کے کندھے پر سر رکھا۔

"کچھ کرتے ہی تو نہیں ہو....."

"کیا کروں؟" عبید نے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا..... تو اب تک مجھے ان سب سے کہیں دور لے جاتا..... لیکن تمہیں میری پروا ہوتب نا..... تمہیں اندازہ ہی نہیں..... مجھ پر کیا گزر رہی ہے عبید۔" جن آنکھوں میں جگنو چمکتے تھے..... آج پانیوں میں ڈوبی اس کے بے حد قریب تھیں..... وہ ان کے بھنور میں پھنس جاتا۔ کہ وہ بلک اٹھی۔

"میرے اپنے میرا ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ تمہارے گھر والے اجنبی ہو گئے ہیں..... میں..... میں نے ایسی زندگی کے خواب نہیں دیکھے تھے عبید....."

"میں ہوں نا ثانیہ....." وہ اس پر جھکا۔

"تم نہیں ہو....." ثانیہ چلائی۔ "میں بالکل اکیلی ہوں۔ میرا کوئی بھی نہیں ہے۔ مجھے ایسی زندگی نہیں جینی۔ جہاں لوگ میرے چہرے سے نفرت کریں۔ میں جہاں بیٹھوں وہاں سے اٹھ کر چلے جائیں۔ میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا پسند نہ کریں....."

[illegible] تکیے [illegible] سر پر رکھ لیا..... اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں عبید کو اندر ہی اندر کاٹنے لگیں۔

عورت کو پتا ہوتا ہے..... اس کے مرد کا کمزور پہلو کون سا ہے....."

وہ گھر والوں سے کھنچا کھنچا رہنے لگا۔

☆☆☆

ثانیہ نے کچن میں جھانکا تو وہاں آسیہ مصروف تھیں۔ اور ثانیہ تب تک کچن میں قدم نہ رکھتی تھی۔ جب تک آسیہ وہاں موجود ہوتیں..... آسیہ نے بھی اسے دیکھ لیا تھا..... رات بھی عبید نے ان کے ساتھ بہت دیر تک بحث کی تھی کہ بھلے وہ ثانیہ سے معافی نہ مانگیں..... مگر اپنا رویہ تو بدل لیں..... اور رویہ تو بدلنا ہی تھا..... گھر میں یہ کھینچا تانی کب تک جاری رہتی..... کسی طرف سے لچک دکھائی جانی تھی..... انہیں نے خود کو بڑا سمجھ کر بڑا پن دکھا دیا۔

"سالن بن گیا ہے، روٹی بنا لو....." لہجہ تو روکھا ہی تھا..... مگر وہ بات کرنے پر آمادہ تو ہوئیں..... ثانیہ مصالحت پسند ہوتی تو اسی کو غنیمت سمجھتی..... مگر اسے معاملے کو ٹھنڈا نہیں ہونے دینا تھا..... تب ہی بدلحاظی سے کہہ کر چھت پر آ گئی۔

"مجھے آپ کی روٹیوں کی ضرورت نہیں....."

آسیہ تلملا رہ گئیں۔

اس نے چھت پر آ کر پزا آرڈر کیا..... اور بیٹھ گئی۔

"اب بیٹھی چھری بن کر قتل کریں گی۔" چھت پر رکھے پودے مرجھانے اور مرنے لگے تھے..... ایک آدھ ہوا کی زد میں آ کر ٹوٹ گیا تھا..... اس کی مٹی بکھری تھی۔ مٹی کی کنالیاں سوکھی اور خالی تھیں..... لگتا تھا عبید اور آسیہ کا چھت پر چکر نہ لگا تھا۔

"تب ہی کال آنے لگی.....

"فرخ کیوں کال کر رہا ہے....." اس نے ناگواری سے کال لے کر یہی سوال ٹھونک دیا۔

وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا۔

"مجھے لگا۔ تمہیں کسی سے بات کرنے کی ضرورت ہے۔"

ثانیہ کو تعجب محسوس ہوا..... اسے کیسے پتا چلا، وہ اس وقت خود کو کتنا اکیلا محسوس کر رہی تھی۔

"مجھے اس بات کا احساس ہے سب نے تمہیں اکیلا چھوڑ دیا ہے۔"

"تم ایسا کیوں سوچتے ہو۔ میں تمہیں چھوڑ چکی ہوں۔ کوئی تعلق نہیں ہمارا....." وہ اس کی ہمدردی پر الجھ گئی۔

"تم سے کیا مانگ رہا ہوں ثانیہ۔ ماموں کی بیٹی ہو۔ ہم اچھے دوست بھی رہے ہیں۔ اور مجھے احساس ہو گیا ہے۔ جو کچھ ہوا اس میں صرف تمہاری غلطی نہیں ہے..... میری ضد بھی شامل تھی۔ جس نے حالات کو مزید خراب کر دیا۔" وہ مدھم لہجے میں بولتا چلا گیا۔ ثانیہ اسے ٹوک نہ سکی.....

"ہمارے رشتے آپس میں الجھے ہوئے ہیں..... کہیں نہ کہیں آمنا سامنا ہوتا ہی رہے گا۔ دشمن بن کر تو نہیں رہ سکتے..... تم تکلیف میں ہو تو میں سکون میں کیسے ہو سکتا ہوں۔ بتاؤ ثانیہ میں تمہارے لیے کیا کروں؟ میں اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔" اس کا مدھم دل سوز لہجہ ثانیہ کے دل میں گھر کرتا گیا۔

"تم میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ میرے اپنے مسائل ہیں۔ لیکن میں بہت جلد ان سے نکل آؤں گی..... میں کچھ ایسا کروں گی کہ عبید مجھے الگ گھر لے دے۔"

جب ساری دنیا آپ کو غلط سمجھ رہی ہو۔ کوئی ایک آپ کے ساتھ مخلص ہو۔ آپ کو غلط نہ سمجھتا ہو تو کتنا اچھا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے حبس زدہ ماحول میں کھل کر سانس لینے کا موقع مل جائے۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

"حد کرتی ہو ثانیہ۔" فرخ نے ایک دم جھنجلا کر بات کاٹ دی۔ اس کے بعد اس نے جو کچھ کہا [illegible] بجوری سنتی چلی گئی۔ اس کے ذہن پر چھائے بادل چھٹنے لگے۔ گہری دھند میں رستہ دکھائی دینے لگا۔ اسے [illegible] کرنا تھا۔ وہ اچھی طرح جان گئی تھی۔

[illegible]

آسیہ نے حیرت سے دیکھا۔ بہو بیگم کچن میں کسی کھانا بنا رہی تھیں۔

"لگتا ہے عبید نے اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔" وہ دل میں سوچتی اندر آ گئیں۔ ثانیہ نے پتیلی میں ہرا دھنیا کاٹ کر ڈالا اور چولہا بند کر دیا۔

"میں روٹیاں بناتی ہوں۔" دل میں کدورت تو باقی تھی مگر حالات کو معمول پر لانا بھی ضروری تھا۔ کہ بہو کے ساتھ ساتھ اب بیٹے کا مزاج بھی بدلنے لگا تھا۔

ثانیہ نے ماتھے پر آیا پسینہ دوپٹے سے صاف کیا۔ اور اطمینان سے گویا ہوئی۔

"میں نے اپنا اور عبید کا کھانا بنا لیا ہے آپ لوگ اپنے لیے بنا لیں۔"

آسیہ بھونچکی رہ گئیں۔

"کیا مطلب؟ اب اس گھر میں علیحدہ علیحدہ سالن بنیں گے۔"

"جب تک گھر علیحدہ نہیں ہو جاتے۔" ثانیہ آسیہ کے سر پر بم پھوڑ کر چلی گئی۔ وہ مانند بت وہیں [illegible] جیسے جاتا دیکھتی رہیں۔ پھر خود کو سہارا دینے کے لیے میز تھام لی۔ اور خالی نظروں سے چولہے پر دھری پتیلی کو دیکھا۔

("کیا ثانیہ نے اتنا بڑا قدم عبید کی مرضی کے خلاف اٹھا لیا ہے۔")

ثانیہ نے کمرے میں قدم رکھا تو تیز تیز بولتے تینوں نفوس ایک دم خاموش ہو گئے۔ آسیہ غصے میں، توفیق متفکر اور عبید جھنجلایا ہوا تھا۔

"آؤ بیٹھو بیٹا۔" توفیق صاحب نے کہا تو وہ جا کر عبید کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ عبید نے جانچتی نگاہوں سے اس کا چہرہ ٹٹولا۔

"یہ علیحدہ گھر کا کیا قصہ ہے؟"

ثانیہ نے بولنے سے پہلے گہری سانس بھری۔ آسیہ کے سامنے کہہ دینا اور بات تھی اور اب سب کے سامنے کرنا۔

مگر کہنے والے نے کہا تھا۔

"حد کرتی ہو ثانیہ۔ میں تو تمہیں بہت توپ چیز سمجھتا تھا۔ مگر تم تو چھوٹا سا پٹاخہ نکلیں۔ وہ بھی جو پھس ہو [illegible] ہے۔"

"میں کال کاٹ رہی ہوں۔" ثانیہ نے گویا دھمکی دی۔

"یہ انڈین سوپ کی ہیروئن کی طرح سالن میں نمک ڈال کر، اس کی ماں سے لڑ کر تم سمجھتی ہو، وہ تمہیں الگ گھر لے دے گا تو تم بے وقوف ہو۔ جو چیز تمہارا حق ہے، اسے بھیک منگوں کی طرح کیوں مانگ رہی ہو۔ سامنے آ کر صاف کہو۔ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نہیں رہنا جو تمہاری عزت ہی نہیں کرتے۔ اس طرح ریں ریں کرو گی تو دے چکے تمہیں تمہارا حق۔"

"اس میں قصے کی کیا بات ہے، میں تو اپنا حق مانگ رہی ہوں۔"

[illegible] دیکھا اور آسیہ نے جتاتی نظروں سے عبید کو جبکہ توفیق صاحب ٹھنڈی سانس [illegible]

لے کر رہ گئے۔

"ثانیہ۔" عبید کی آواز میں بے یقینی تھی۔ ابھی چند منٹ پہلے وہ کس اعتماد سے ماں کو جھٹلا رہا تھا۔ کہ انہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ثانیہ نے یہ نہیں کہا تھا۔

"کیا ثانیہ۔ جو کچھ اس گھر میں میرے ساتھ ہو چکا ہے۔ اس کے بعد میرا یہاں رہنا بنتا ہے؟" وہ عبید پر چڑھ دوڑی۔ "میں یہاں بیٹھ کر تمہاری ماں کے سوتیلے پنجوں کا انتظار نہیں کر سکتی۔"

"ثانیہ بچے۔" توفیق صاحب سے کل نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اسے چلانے سے روکا۔ "چھوٹے موٹے جھگڑے تو گھروں میں چلتے ہی رہتے ہیں۔ باقی یہ تمہارا گھر ہے۔ تمہارے لوگ ہیں خوش دلی سے اپنی ذمہ داریاں نبھاؤ گی تو سب خوش رہیں گے۔"

"سوری انکل! نہ تو یہ گھر میرا ہے اور نہ اس کی ذمہ داریاں۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اٹھو، اندر جاؤ۔" عبید نے زور سے ڈانٹا۔ غصے سے اس کی پیشانی پر شکنوں کا جال بچھا تھا۔

"اندر کیوں گھر سے ہی بھیج دو تاکہ یہ قصہ ہی ختم ہو۔ ثانیہ اتنی ہی بری ہے تو اسے رکھ کے تم نے کرنا کیا ہے۔ ویسے بھی میری شادی تم سے ہوئی ہے، پورے خاندان سے نہیں۔" وہ غصے سے کھڑی ہو گئی۔

"بیٹا! اس گھر میں تم لوگوں کے علاوہ کون ہے۔ تم لوگ بھی چلے گئے تو ہم تو تنہا ہو جائیں گے۔ ہمارا خیال کون رکھے گا۔ بیٹے تو بڑھاپے کا سہارا ہوتے ہیں۔" توفیق صاحب جذباتی سے ہو گئے۔

"تو بیٹا کچھ خیال میں، اس کو تو نہیں کہہ رہی اس کی ذمہ داریاں ہیں یہ نبھائے۔ بس مجھے الگ گھر لے دے۔"

"کوئی الگ گھر نہیں ہے۔ میرے ساتھ چلو۔" عبید نے اس کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔

"کیوں؟ اس گھر میں جو کچھ میرے ساتھ ہو گیا ہے۔ کیا اب میرا یہاں رہنا بنتا ہے۔"

"کیا... کیا ہو گیا تمہارے ساتھ۔" ضبط کرتے کرتے آسیہ کی بس ہو گئی۔ غصہ تو آنا ہی تھا۔ "جو کچھ تم میرے اور ارم کے ساتھ کر چکی ہو۔ اس کے باوجود ہم چپ ہیں اور تم ہو کہ سر پر ہی چڑھتی آ رہی ہو۔"

"آسیہ۔" توفیق صاحب نے ٹوکا۔

"کیا آسیہ؟ اس کی گستاخیاں حد سے بڑھتی جا رہی ہیں، یہ کوئی انوکھی بیاہ کر نہیں آئی نہیں مل جل کر رہ سکتی۔ نہیں ذمہ داریاں اٹھا سکتی تو جائے یہاں سے۔ میں کیا گھر میں سجانے کے لیے ڈیکوریشن پیس لے کر آئی ہوں۔ میرے بیٹے کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔" آسیہ کے اندر ایک پر جلال سی سانس انگڑائی لے کر جاگی۔

"ٹھیک ہے اپنے بیٹے سے کہیں کر دے فیصلہ۔ الگ گھر لے کر دینا ہے۔ یا طلاق دے دے۔" ثانیہ نے نہلے پر دہلا مارا اور یہ جا وہ جا۔

سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ یہ لڑکی اتنی بے خوف کیوں ہے؟

گھر میں ایک کھلی جنگ کا آغاز ہو گیا تھا۔

عبید غصے سے ثانیہ کے پیچھے گیا۔ کمرے سے دونوں کے اونچا اونچا بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اس گھر کے در و دیوار نے یہ منظر پہلے کہاں دیکھا تھا۔

"کیا ضرورت تھی اتنا سب کہنے کی۔ عبید سنبھال لیتا۔"

"سنبھل گئی عبید سے۔ مٹی کے مادھو نہ بنیں۔ اس کی بیوی کچھ بھی کہے۔ کچھ بھی کرے اور ہم تماشائی بنے

ALIFADAB.COM
Watermarkly

رہیں۔ عبید ہمارا بیٹا ہے۔ اس پر ہمارا حق ہے۔ وہ کل کی آئی لڑکی ہمیں یوں ڈی گریڈ نہیں کر سکتی۔"

"تم نے عبید کو مشکل میں ڈال دیا ہے اس کے ہاتھ میں ترازو دے دیا ہے۔" ان کی بصیرت نگاہی بہت کچھ دیکھ رہی تھی۔

آسیہ نے ٹھٹھک کر انہیں دیکھا۔

"آپ ڈر رہے ہیں توفیق؟" انہوں نے نظریں چرالیں۔

"تو ٹھیک ہے، دیکھ لیتے ہیں۔ کس کا پلڑا بھاری ہوتا ہے۔"

آسیہ نے دل کڑا کر لیا۔ ماؤں کو بیٹوں پر مان ہی بہت ہوتا ہے۔

☆☆☆

"سمجھا سمجھا کر تھک گیا ہوں ابو! اس کی وہی رٹ ہے۔ گھر الگ کرو یا طلاق دو۔" عبید کا لہجہ بتاتا تھا۔ وہ بے بس ہو گیا ہے۔ "آپ ہی بتائیں کیا کروں؟"

"یار! مرد ہو۔ شوہر ہو۔ اس کو بتا دو کہ الگ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسے یہیں رہنا ہے اور مل جل کر رہنا ہے۔" توفیق کو بیٹے کی بے بسی اچھی نہیں لگی تھی۔

عبید نے ایک نظر باپ کو دیکھ کر سر جھکا لیا۔

"اس کی زندگی تو اسے اس کے گھر میں بھی مل رہی تھی۔ میں نے تو اسے ایک پرسکون، خوشیوں بھری زندگی دینے کا وعدہ کیا تھا۔ کل کو اس کے معاملے میں مجھے اپنے رب کے سامنے جوابدہ بھی ہونا ہے۔"

"تو یہ اسی کے ہاتھ میں ہے کہ اپنی زندگی کو پرسکون بنا لے۔"

"ابو! اب ہر بات میں ثانیہ کا قصور تو نہیں ہے۔"

عبید کے جملے پر توفیق نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ تب ہی ثانیہ آ گئی۔ اسے لگا عبید اکیلے یہ مقدمہ نہیں لڑ سکتا۔

"ٹھیک ہے، اتنی ہی مجبوری آ گئی ہے تو اوپر پورشن بنا لو۔ کم از کم پاس تو رہو گے۔" ہلکے سے توقف کے بعد انہوں نے حل نکالا۔

"سوری ابو! لیکن یہاں رہنے کا مطلب ہے کہ وہی کھچ کھچ جاری رہے گی۔ میں اپنی زندگی میں سکون چاہتی ہوں۔" عبید سے پہلے ہی ثانیہ بول اٹھی۔

"اور ابو! کم از کم آپ کو تو میرا پوائنٹ آف ویو سمجھنا چاہیے۔ آپ تو مذہب کو ہم سے کہیں زیادہ سمجھتے ہیں۔ اسلام میں جوائنٹ فیملی کا تصور ہی نہیں ہے۔ الگ گھر میرا حق ہے اور عبید کا فرض ہے، مجھے لے کر دے۔"

ثانیہ کا نرم لیکن دوٹوک لہجہ۔ جس لڑکی نے کبھی نمازیں پوری نہیں پڑھی تھیں۔ جسے پردے کا نہیں پتا تھا۔ جس نے قرآن پاک کے ترجمے کے دو حرف نہ پڑھے تھے۔ وہ مذہب کا حوالہ دے رہی تھی۔ جیسے اسلام کے باقی تمام احکامات کو اس نے مکمل طور پر اپنی زندگی میں شامل کر رکھا ہو۔

آہ! حضرت انسان، تجھے دین بھی اپنے مطلب جتنا ہی دکھائی دیتا ہے۔

وہ سرد آہ بھر کے رہ گئے۔

ان کی ہر دلیل کو ثانیہ نے اڑا کر رکھ دیا تھا۔ عبید خاموشی سے سنتا رہا۔ وہ سب کر کے دیکھ چکا تھا۔ غصہ، ناراضی، خفگی۔ وہ ناراض ہو کر میکے چلی جاتی تو وہ کچھ عرصے اسے میکے ہی میں رہنے دیتا۔ مگر اس نے صاف کہہ دیا تھا اب وہ اسے [illegible] تو اس میں [illegible] لے گی گھر یا طلاق۔

"ابو۔" بہت دیر کے بعد عبید کچھ لفظ اکٹھے کر پایا۔

"میں نے بہت سوچا ہے۔ ہمارے ہر مسئلے کا حل یہی ہے کہ۔" ایک ہلکا سا توقف جو سب کا سانس بند کر دے۔ اندر آتی آسیہ کے قدم روک دیے۔

"میں ثانیہ کو لے کر الگ ہو جاؤں۔"

ثانیہ نے بے اختیار گردن موڑ کر عبید کو دیکھا۔ وہ نہیں جانتی تھی۔ عبید یوں فیصلہ سنا دے گا۔ پچھلی کئی راتیں اس نے بس ثانیہ کو سمجھاتے ہی گزاری تھیں۔ اس پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔

توفیق صاحب کی گردن ڈھلک سی گئی۔ کندھے جھکے اور دل جیسے مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ انہوں نے بمشکل نظریں اٹھا کر عبید کے عقب میں کھڑی آسیہ کو دیکھا۔

ماؤں کو بیٹوں پر بہت مان ہوتا ہے۔ لیکن وہ مان ٹوٹ جاتے ہیں۔ ان کی آنکھیں کرچی کرچی ہو گئیں۔

☆☆☆

"مجھے یقین نہیں آ رہا عبید! تم نے میری خاطر اتنا بڑا فیصلہ کر لیا۔" وہ نہال ہو رہی تھی۔ عبید مسکرا بھی نہ سکا۔ وہ جانتا تھا یہ فیصلہ ثانیہ کی خاطر کیا ہے۔ مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ فیصلہ اس کی نیندیں اڑانے والا تھا۔

وہ خوش نہیں تھا۔ مگر ثانیہ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ اپنا آپ عبید پر سے وار دے۔ مگر دل بجھا ہوا ہو تو کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ ثانیہ کا اپنا آپ اس پر نچھاور کرنا بھی بیزار کر رہا تھا۔ تب ہی وہ کھڑا ہو گیا۔

"پیکنگ شروع کر دو۔"

"کب جانا ہے؟" ثانیہ جوش میں کھڑی ہوئی۔

"میں نہیں چاہتا کہ کمزور پڑ جاؤں۔ اس سے پہلے جانا چاہتا ہوں۔" اس کا لہجہ بھیگ سا گیا۔ اور ثانیہ تو چاہتی تھی، وہ عبید کو لے کر آج ہی اس گھر سے نکل جائے۔

اس نے عبید کے نکلتے ہی کال کر کے ماں کو خوش خبری سنائی۔ رابعہ کو بتایا اور رابعہ کی باتیں، اس کی ساری ہمدردیاں ثانیہ کے سسرال والوں کے ساتھ تھیں۔ اس نے بدمزہ ہو کر کال کاٹی اور فرخ کو میسج کر دیا۔ وہ اسے دکھانا چاہتی تھی کہ دیکھو عبید کو مجھ سے اتنی محبت ہے۔ کہ وہ اپنے گھر والوں کو چھوڑنے کے لیے تیار ہو گیا۔

میسج کر کے اس نے موبائل رکھا اور خود آئینے کے سامنے آ گئی۔ اس نے تھوڑی دیر پہلے شاور لیا تھا۔ نم بال کندھے پر بکھرے تھے۔ دھلا دھلایا حسین چہرہ کملایا سا لگا۔ اس نے ذرا سا سر بلند کر کے اپنا جائزہ لیا۔

"مجھے پھر سے اپنا خیال رکھنا ہوگا۔"

تب ہی فرخ کا میسج آ گیا۔ وہ اس کے لیے خوش تھا۔ مبارک باد دے رہا تھا۔

"یاد رکھنا۔ یہ سب فرخ کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔ میں ہمت نہ دلاتا تو تم کبھی کھل کر یہ بات نہ کر پاتیں۔"

ثانیہ کو اعتراف تھا کہ فرخ نے اس مشکل مرحلے کو طے کرنے میں اس کی واقعی بہت مدد کی تھی۔ اسے جذباتی طور پر سہارا دے کر کچھ کرنے پر آمادہ کیا تھا۔

"اف مجھے ابھی سے پیکنگ شروع کر دینی چاہیے۔"

☆☆☆

پہلے وہ ایک بڑا سا بنگلہ تھا اب گھر لگنے لگا تھا۔ پہلے وہ فکرمندی سے گھر کی طرف دوڑتا تھا۔ اب اس میں خوشی اور سکون کا عنصر بھی شامل ہو گیا۔ وہ دھیرے دھیرے پورے گھر پر چھاتی چلی گئی۔ جیسے گلابی پھولوں کی بیل پوری دیوار کو ڈھانپ دے۔ وہ بھی چمپا کی بیل تھی۔ جو گھر کے ایک کونے میں ہو تب بھی پورا گھر مہکا دیتی ہے۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

ملازمین کو پتا تھا۔ ان پر کوئی چیک رکھنے والا موجود ہے۔ وہ بھی الرٹ ہو کر کام کرتے۔ لیکن ارم کے لیے آسان نہ تھا۔ وہ کم عمری مگر آسیہ نے اسے تربیت کی بھٹی سے گزارا تھا۔ بھی گزارا ہو رہا ہے عفان کو غصہ جلدی آتا تھا اور مانی کے معاملے میں وہ کوئی کوتاہی برداشت نہ کرتا۔ باجرہ کی بیماری کی وجہ سے مولوی صاحب چلتے رہتے۔ وہ رات کو نماز کے بعد سارے شکوے شکایتیں۔ مشکلات اپنے رب کے سامنے رکھ کر اٹھ جاتی۔

"اتنی مشقت کیوں کرتی ہو؟" ایک بار عفان نے الجھ کر پوچھا۔ تو اس نے سورۃ البلد کی آیت پڑھ دی۔

"یقیناً ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا۔"

"تم نے قرآن پاک کو حفظ کیا ہے۔" عفان حیران ہوا۔

"صرف تیسواں پارہ میں نے اور امی نے اپنے شوق میں کچھ عرصہ پہلے ہی حفظ کیا تھا۔ تاکہ نماز میں زیادہ سے زیادہ قرآن پاک پڑھ سکیں۔ باقی قرآن پاک ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ پڑھتی رہتی ہوں اور یہ آیت تو ابو بہت بار پڑھتے تھے۔ وہ کہتے تھے مجھے اس آیت سے لسٹرنگتھ (قوت طاقت) ملتی ہے۔" وہ سادگی سے بتاتی چلی گئی۔

عفان کو احساس ہوا ارم کو طاقت کہاں سے ملتی ہے۔

وہ مانی کو اٹھائے عفان کے پیچھے پورچ تک گئی۔

"چاچو کو سلام کہو۔"

"یہ مجھے پاپا کہتا ہے۔" عفان نے مانی کا گال چوم لیا۔

"چاچو پاپا جتنا پیار نہیں کر سکتے۔" وہ ہنسی۔

"بس میں نہیں چاہتا، مانی کو کسی رشتے کی کمی محسوس ہو۔" وہ اپنے موقف سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہ تھا۔ اور ارم نے بھی اس بات پر بحث چھوڑ دی تھی۔ بس بھی کبھار چھیڑ دیتی۔

"کچھ چاہیے ہو تو بتاؤ۔ میں آتے ہوئے لیتا آؤں گا۔"

"کچھ نہیں۔ یاد آیا تو ٹیکسٹ کر دوں گی۔"

"شکریہ دوست۔ تمہاری وجہ سے مجھے گھر کی طرف سے بالکل بے فکری ہو گئی ہے۔" عفان نے ارم کا گال تھپتھپایا تو مانی نے جھک کر دیکھا۔ اس نے کیا کیا ہے۔ ساتھ ہی لو کا اشارہ کیا۔

"اچھا اب ہم آپ کی چاچی کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔"

"میکی (میری) چاچی۔" مانی نے اپنا گال ارم کے گال پر رکھ دیا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑے۔

"آپ بی بی جان سے مل آئے تھے۔" ارم کو اچانک یاد آیا۔

"میں گیا تھا، وہ سو رہی تھیں۔"

"اس وقت سوتی تو نہیں ہیں۔ ناشتے کے بعد بس لیٹ جاتی ہیں۔"

"اچھا واپسی پر مل لوں گا، لیٹ ہو رہا ہوں۔" وہ خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔ ارم تب تک وہیں کھڑی رہی۔ جب تک گاڑی گیٹ سے باہر نہ نکل گئی۔ اندر آئی تو مسرت نے اس کا موبائل اسے تھما دیا۔ "بہت دیر سے بج رہا تھا۔"

"خیریت ہو۔ امی کی اتنی کالز۔" اس نے مانی کو مسرت کے حوالے کر کے کال ملائی۔

"عبید [illegible]"

"کہاں جا رہا ہے؟" ارم ہکا بکا رہ گئی۔

"اس نے والدین اور بیوی میں سے بیوی کو چن لیا ہے۔"

ارم کے اندر سناٹا پھیلا تھا۔ اسے ثانیہ سے ہر بات کی توقع تھی۔ اسے عبید سے یہ امید بالکل نہیں تھی۔

☆☆☆

ثانیہ نے سوٹ کیس پیک کر کے آخری بار کمرے کا جائزہ لیا۔ کچھ رہ تو نہیں گیا۔ آج اس کے پاؤں زمین پر نہ پڑ رہے تھے۔ سارے مرحلے عبید نے اتنی تیزی سے پورے کیے۔ (وہ اپنی گزرگی سے ڈرتا تھا۔ ماں کے آنسو، باپ کا اترا چہرہ بار بار قدم روکتا تھا)

"مبارک ہو۔ تم نے اپنا ٹارگٹ پورا کر لیا۔"

ارم کی آواز پر ثانیہ چونکی۔

ارم کی آنکھیں بھیگی تھیں۔ وہ عبید سے بھتنا لڑ سکتی تھی۔ لڑی، وہ دانت پر دانت جمائے سنتا رہا۔ ثانیہ سے ساتھ مسکرائی۔

"میں نے تو کہا تھا۔ ایک دن آئے گا جب عبید پورے کا پورا میرا ہو گا اور دیکھو وہ دن آ گیا۔" ثانیہ نے تفاخر اور تکبر بھرے لہجے میں کہا۔

"ثانیہ کی محبت میں اتنی طاقت ہے کہ وہ جو چاہے کروا سکتی ہے۔ دیکھو آج تم لوگ کہاں کھڑے ہو عبید تم لوگوں کی کوئی بات سننے ہی کو تیار نہیں۔ جیسا افسوس ہو رہا ہے۔"

"ایک دن تم ایسا ہی افسوس خود پر کرو گی ثانیہ اور وہ دن وہ ہو گا جب عبید تمہارا اصلی چہرہ دیکھ لیں گے۔"

"اوہ ہو میں تو ڈر گئی۔" ثانیہ نے دونوں ہاتھ گالوں پر رکھ کر آنکھیں پھیلائیں۔ ارم کھول کر رہ گئی۔

"بی بی اجا کر اپنے شوہر کا بچہ پالو، اپنی پیار ساس کو سنبھالو۔ تمہارے نصیب میں یہی لکھا ہے۔" ثانیہ نے بے حد طنز سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"سو بے غیرت مرے ہوں گے تو ایک تم پیدا ہوئی ہو گی۔" ارم غصے سے چلی گئی۔

"آج جو مرضی کہتی رہو۔ غصہ نہیں آئے گا۔"

☆☆☆

وہ صبح اس گھر میں اترنے والی ہر صبح سے مختلف تھی۔ اداس، خاموش اور گم صم۔ ناشتہ بنانا کسی نے کہا۔ لیسی آ گئی۔ سامان رکھ دیا گیا۔ ثانیہ کی چہکتی آواز سارے گھر میں گونجنے کے باوجود نہ اس خاموشی کو توڑ سکی۔ جو ان کے لبوں پر جم گئی تھی۔ نہ اداسی کے جالے اور بوجھل جو دلوں کے گرد تن گئے تھے۔

تو تیسرے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے برآمدے میں ٹہلتے رہے۔ عبید کے لیے وہاں سے گزرنا، سامان لیسی میں رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

پھر وہ ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

چپ..... ماتھے پر عرق ندامت۔

تو تیسرے نے دونوں ہاتھ عبید کے کندھوں پر رکھے۔ بیٹے کا قد باپ سے اونچا تھا۔

"ابو آتا جاتا رہوں گا۔" عبید کی آواز بے حد مدھم تھی۔ انہوں نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"ہاں۔ آتے جاتے رہو گے۔"

(لیکن ہمارے پاس نہیں رہو گے۔ اپنے گھر کی ذمہ داریوں میں یوں الجھو گے کہ ہفتوں بعد شکل دکھاؤ

ALIFADAB.COM
Watermarkly

گے۔ ہم میں سے کوئی بیمار ہو جائے تو تم سے پہلے ایمبولینس پہنچ گی۔)
لیکن انہوں نے ایک لفظ نہیں کہا۔ بس اس کے کندھے تھپتھپاتے رہے۔
"جاؤ، ماں سے مل لو۔"
ماں نے چپ ہی سادھ لی تھی۔ رات کی تاریکیاں ان کے آنسوؤں کی گواہ تھیں۔ مگر اب خشک آنکھوں کے ساتھ منہ پھیرے بیٹھی رہیں۔
"آئی ایم سوری امی۔"
"جاؤ، اس سے پہلے کہ میرا ضبط جواب دے جائے۔"
ماؤں کو بیٹوں پر مان بہت ہوتے ہیں۔ اور اکثر وہ مان ٹوٹ جاتے ہیں۔
عبید نے ارم کے سر پر ہاتھ رکھا۔ جو ماں کا ہاتھ پکڑے بیٹھی تھی۔
"صرف گھر سے دور ہونا، دل سے دور نہ ہونا عبید۔"
عبید تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔ پیچھے صرف خاموشی تھی۔ بیٹیوں کو جانے کب اس کی عادت ہونا تھی۔

☆☆☆

ٹیکسی ایک انجان منزل کی طرف جا رہی تھی۔ عبید گم صم ہر گزرتے منظر کو دیکھ رہا تھا۔
"وہ میرا گھر ہوگا۔ صرف اور صرف میرا۔" وہ حسین لڑکی بے حد خوش تھی۔ عبید محض اس کے لیے ہلکا سا مسکرایا۔
"ہم ٹیکسی میں کیوں جا رہے ہیں۔ گاڑی لے آتے۔"
"وہ ابو کی تھی۔"
"کوئی بات نہیں۔ ہم جلد ہی اپنی گاڑی لیں گے ہمارا کون سا زیادہ خرچا ہونا ہے۔ دو لوگوں کا خرچ ہی کیا۔"
سارا راستہ اس کی مستقبل کی پلاننگ میں گزر گیا۔
یہاں تک وہ لفٹ کے ذریعے مطلوبہ فلیٹ تک پہنچ گئے۔
"اللہ! یہ میرا گھر ہے۔" فرطِ انبساط سے ثانیہ نے دل پر ہاتھ رکھا۔
"تمہارے نام کی نیم پلیٹ لگوا دوں۔"
ثانیہ نے جلدی سے اپنا ہاتھ سامنے کیا تو عبید نے چابی اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ ثانیہ دروازہ کھول کر بسم اللہ پڑھتی اندر داخل ہوئی۔
ایک فرنشڈ فلیٹ اس کا منتظر تھا۔
مگر اس کے قدم جم گئے۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔
"عبید! یہ کیا ہے۔ سامان کہاں ہے؟" اس نے خالی لاؤنج کو دیکھا۔
"سامان تو نہیں ہے۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

ماہنامہ کرن
اگست 2024ء کی شمارے کی ایک جھلک

- اداکار "لالہ سلیم" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکارہ "مزنہ وقاص" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"،
- "تاش گھر" ایمل رضا کا سلسلہ وار ناول،
- "گنوا کر دل و جاں ہم" ام طیبور کا مکمل ناول،
- "آخر مجھے بکھرنا تھا" ماہ نور احمد کا مکمل ناول،
- "مثلِ وفا" فرح بخاری کا ناولٹ،
- "پل صراط" راؤ سمیر الیاز کا ناولٹ،
- قرۃ العین خرم ہاشمی، نازیہ کنول نازی، اور ماہ نور طلحہ کے افسانے اور مستقل سلسلے،
- "کرن کتاب"

خواتین اور لڑکیوں کے مسائل کا حل اور مزیدار کہانیوں کی ترکیبوں کے ساتھ،

اگست 2024ء کا شمارہ شائع ہو گیا

ALIFADAB.COM
Watermarkly

حمیرا شفیع

پہلی محبت

"پہلی محبت بارش کے پہلے قطرے کی مانند ہوتی ہے۔ معصوم مگر نڈر اور بہادر۔ یہ دل کی دھرتی کو نرم کر کے اتنا زرخیز کر دیتی ہے کہ پھر اس پر جو پھول پودے اگتے ہیں وہ سب محبت کی باس سے مہکتے ہیں۔ اس لیے پہلی محبت جس کو ملے وہ اس کی قدر کرے اور جس کو نہ ملے وہ اس کو پانے کی دعا کرے۔"

عاشی نے ایک جذب کے عالم میں پڑھتے ہوئے موبائل سے نظریں ہٹائیں وہ تینوں دم سادھے اسے سن رہی تھیں۔

"واہ! کتنے خوب صورت جملے ہیں۔ کیا خوب لکھا ہے کسی نے....." رانیہ بڑبڑائی۔

"یہ تو نثر میں شاعری ہے اور کتنی سحر انگیز ہے۔" سارہ بھی کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

"لکھا ہے کہ پہلی محبت جس کو ملے وہ اس کی قدر کرے۔ اب نجانے کس خوش نصیب کو ملتی ہوگی یہ پہلی محبت۔" وانیہ نے حسرت سے کہا۔

"اور نہیں تو کیا۔ ہمیں تو اس کا موقع ہی نہیں ملا۔ ابھی انٹر ہی کیا تھا تو اماں نے پکڑ کر اپنے بھانجے سے ساتھ نکاح پڑھوا دیا۔ اب پہلی سمجھو یا آخری یہی تمہاری محبت ہے۔"

رانیہ نے کسی فلمی ہیروئن کی طرح شرماتے ہوئے دوپٹے کا پلو انگلی پر مروڑتے ہوئے کہا تو ان تینوں کا بے ساختہ قہقہہ نکل گیا اور ماحول پر چھائی کثافت کم ہوگئی۔

"اور نہیں تو کیا۔ مجھے دیکھ لو۔ زندگی کی چوبیس بہاریں دیکھ چکی ہوں مگر ابھی تک وہ پہلی محبت ڈھونڈ ہی نہیں پایا جس سے مجھے پہلی محبت وجبت ہوگی۔" وانیہ نے بھی مایوسی سے سر ہلایا تو محفل مزید کشت زعفران بن گئی۔

"مگر میں ابھی پر امید ہوں۔ تلاش جاری ہے۔" سارہ نے چاروں اطراف یوں نظریں گھمائیں جیسے پہلی محبت اسی کمرے کے کسی کونے کھدرے میں چھپی بیٹھی ہو۔ سب کی پھر ہنسی چھوٹ گئی۔

"ارے عاشی! تم بھی تو منہ سے کچھ پھوٹو" اچانک رانیہ کا دھیان عاشی کی طرف گیا جو بدستور موبائل ہاتھ میں تھامے زیر لب مسکرا رہی تھی۔ اس کے لبوں پر بڑی پراسرار سی مسکراہٹ تھی۔ اس وقت وہ تینوں کہاں جانتی تھیں کہ ان چاروں میں سے ایک وہی تو تھی جو پہلی محبت کا ذائقہ چکھ چکی تھی۔ مگر ابھی اس نے یہ بات تو خود سے بھی چھپائی تھی۔ ان سے کیسے کہہ دیتی۔ اس لیے رانیہ کے ٹوکنے پر بھی سر جھٹک کر مسکراتی ہی رہی۔

☆☆☆

یوں تو وہ تینوں کمبائن اسٹڈی کے لیے سارہ کے گھر جمع ہوئی تھیں مگر کمبائن اسٹڈی بھی آن لائن ہو رہی تھی اور آن لائن کی تو یہی مشکل ہوتی ہے کہ غلطی سے کہیں اور کلک ہو جائے تو کچھ اور ہی کھل جاتا ہے۔ ابھی بھی وہ زور و شور سے شیکسپیئر کی تصنیفی صلاحیتوں پر مقالہ گوگل پر سرچ کر رہی تھیں کہ عاشی کی اچانک انگلی کہیں پھنس گئی۔ اور "پہلی محبت" کے عنوان سے ایک نامعلوم پیج کھل گیا۔ اور وہ

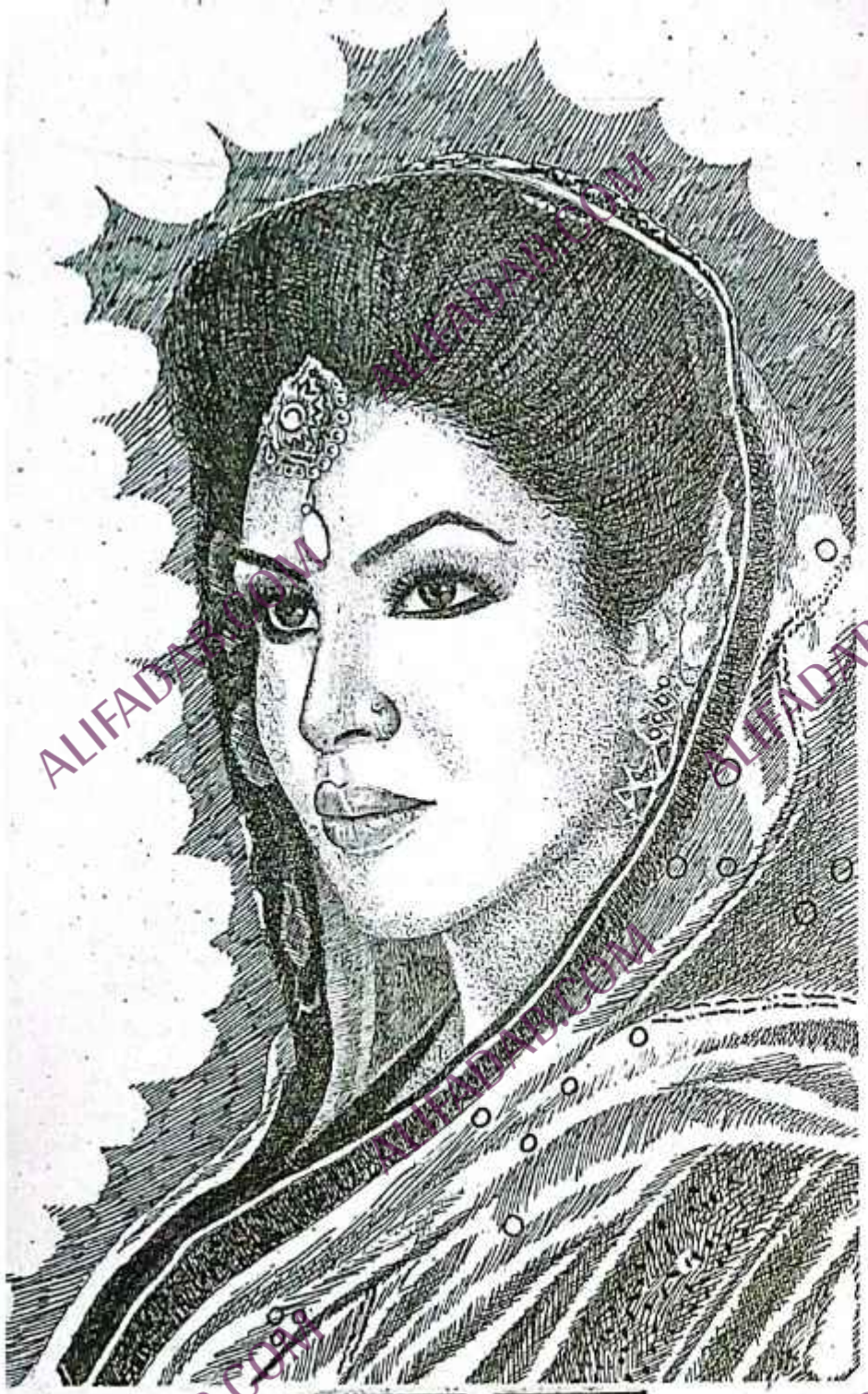

ALIFADAB.COM
Watermarkly

سب شکیبہ اور اس کی تصنیفی صلاحیتوں کو بھول بھال کر پکی محبت کی تشریح میں کھو گئیں۔ اب باتوں کا رخ متوقع منگنیوں اور شادیوں وغیرہ کی جانب ہو گیا تھا۔ اتنے میں سارہ کا بھتیجا بھاگتا ہوا آیا۔

"عاشی خالہ! آپ کو باہر مبین بھائی لینے آئے ہیں۔"

وہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی۔ اس کا ابھی کچھ دیر مزید رکنے کا ارادہ تھا مگر اماں کو گھر میں چین کہاں تھا۔ وہ چادر اوڑھ کر ان سب کو خدا حافظ کہہ کر باہر آئی تو سامنے سر جھکائے مبین کھڑا تھا۔ وہ اندر ہی اندر کلس کر رہ گئی۔

محترم کا حلیہ ہی قابل دید تھا۔ ہلکے گلابی رنگ کے قمیص شلوار کے ساتھ واش ایبل جوتے پہن رکھے تھے۔ بالوں کی مانگ سر کے درمیان سے مانگ نکلی ہوئی تھی۔ اور انہیں خوب جما جما کر کنگھی کر رکھی تھی۔

"میں خود ہی آ جاتی۔" اس نے تیز لہجے میں کہا اور جلدی سے قدم آگے بڑھا دیے۔

اب بھی تو یہ بدتمیزی مگر وہ چپ چاپ اس کے پیچھے چلنے لگا۔ یونہی گھر کا دروازہ نظر آیا۔ تو وہ ذرا سا رک کر بولا۔

"چچی جان سے کہیے گا کہ میرے لیے دوپہر کا کھانا نہ بنائیں، میں چچا جان کے پاس دکان پر جا رہا ہوں۔"

وہ پوری بات سنے بغیر اندر گھس گئی۔ سامنے اماں کیریاں کاٹ رہی تھیں۔

"اوہو اماں! آپ روز اس عجوبے کو بھیج دیتی ہیں یہ تیسری گلی میں تو گھر ہے سارہ کا۔ میں خود ہی آ جایا کروں گی، اول جلول سے حلیے میں آ جاتا ہے اٹھ کر۔ اب اگر ان میں سے کوئی باہر جھانک لے تو کیا سوچے۔" اس نے ساری بھڑاس اماں پر نکالی۔

خاموش ہو جاؤ۔ پیر پیر بولے جا رہی ہو۔ آج کل حالات ہیں اکیلے آنے جانے کے۔ اتنے اسٹریٹ کرائم ہو رہے ہیں۔ اور ہاں بے چارے کے حلیے کو کیا ہوا۔ اچھا بھلا صاف ستھرا تو رہتا ہے۔ ہاں آج کل کے لڑکوں کی طرح بے ہودہ فیشن نہیں کرتا۔"

"صاف ستھرا تو رہتا ہے مگر روز گلابی رنگ کا جوڑا پہننا ضروری ہے کیا۔ آپ اسے کم از کم کسی اور رنگ کے چار جوڑے ہی سلوا دیں۔"

"ابھی بقر عید پر تو سلوا کر دیے تھے۔ بچہ اتنا سیدھا ہے کہ ایک ہی رنگ کے تھان سے چار سوٹ کٹوا لایا۔ خیر مردوں کے کپڑوں کے رنگ کون دیکھتا ہے۔ تو چھوڑ یہ باتیں۔ میں مربہ بنا رہی ہوں چینی سے چاشنی تیار کر کے دو۔"

"ہیں چینی کی چاشنی..... مجھ سے کہاں ٹھیک بنے گی۔" وہ بے زاری سے بولی۔

"میں سکھاتی ہوں تو چل کچن میں۔ خانہ داری کے ڈھنگ بھی سیکھنے ضروری ہیں۔" اماں آج کوئی رعایت دینے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

☆☆☆

اگلی شام وہ پھر سارہ کے گھر جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی جب اماں نے منع کر دیا۔

"آج رہنے دو۔ ماسی رشیدہ کا ابھی فون آیا ہے تمہارے رشتے کے لیے کچھ مہمان لا رہی ہے۔"

"اُف اماں! میں تنگ آ چکی ہوں۔ اس رشتہ پریڈ سے۔"

"اس میں تنگ آنے والی کیا بات ہے۔ لڑکیوں کے رشتے آتے جاتے رہتے ہیں۔ چلو شاباش ڈرائنگ روم صاف کر کے تیار ہو جاؤ۔"

بادل نخواستہ اس نے صفائی کی۔ تیار ہونے کے لیے کمرے میں آئی۔ الماری کھولی تو فقط دو جوڑے استری شدہ لٹک رہے تھے۔ ایک تو کالا تھا جس کی قمیص بہت چھوٹی تھی۔ وہ تو اماں پہننے نہ دیتیں۔ اس نے دوسرا والا نکالا اور غسل خانے میں گھس گئی۔

تیار ہو کر کچن میں برتن وغیرہ سیٹ کر رہی تھی۔ تو مبین بیکری سے سامان لیے چلا آیا۔ سامان لیتے ہوئے اس نے بھی سادہ سا دیکھا۔ وہ گلابی جوڑا ہی پہنے ہوئے تھا۔ پھر اس نے خود کو دیکھا۔ اتفاق سے اس نے بھی کڑھائی والا گہرا گلابی کرتا ہی زیب تن کر رکھا تھا۔

اس میچنگ پر وہ دل ہی دل میں فقط مسکرا کر رہ گئی۔

مقررہ وقت سے کچھ پہلے ہی مہمان تشریف لے آئے۔ فقط دو میاں بیوی ہی تھے۔ ماسی رشیدہ نے بتا رکھا تھا کہ خاتون کسی اسکول میں ہیڈ مسٹریس کے عہدے پر فائز ہیں۔ اس وقت بھی وہ تیکھی نظروں سے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے اچھی خاصی تیز و طرار دکھ رہی تھیں جبکہ شوہر بے چارے جھینپے جھینپے سے ان کے پہلو میں دبکے بیٹھے تھے۔

وہ شربت لیے اندر داخل ہوئی اور دھیرے سے سلام کر کے سامنے صوفے پر ٹک گئی۔

"بیٹا آپ کا نام اور تعلیم" انٹرویو کا آغاز ہوا۔ خاتون کی نظریں آر پار دیکھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"جی، عرشیہ سلیم۔ میں ایم اے انگلش کر رہی ہوں۔" اس نے بھی بلا جھجکے اعتماد سے جواب دیا۔ آخر اتنی تو پریکٹس ہو ہی چکی تھی۔

"کیا شادی کے بعد جاب کا ارادہ ہے۔" خاتون کی آنکھیں چمکیں۔

"ہرگز نہیں آنٹی" اس نے ان کے ارمانوں پر پانی پھیرا "مجھے گھر میں رہنا ہی پسند ہے۔"

"مگر کیوں؟ آج کل کے حالات میں شوہر کی ایک نوکری سے کیا بنتا ہے؟؟"

وہ اپنی بات پر زور دے کر بولیں۔

"ہاں تو وہ دو نوکریاں کر لے۔"

"پھر عورت کی تعلیم کا فائدہ؟" خاتون اپنی بات پر بضد تھیں۔

"تعلیم بچوں کی تربیت میں کام آ جائے گی۔" وہ بھی ہار ماننے پر تیار نہیں تھی۔

اماں منہ کھولے دونوں کی باتوں بلکہ ایک طرح کی بحث سن رہی تھیں۔ ایسے موقعوں پر وہ ان کی طرف دیکھنے سے احتراز ہی کرتی تھی۔

"آخر عورت کے نوکری کرنے میں کیا ہرج ہے.....؟"

خاتون زچ ہو چکی تھیں۔

"اس سے گھر ڈسٹرب ہوتا ہے۔"

"نہیں ہوتا۔ میں نے ساری عمر نوکری کی ہے اور ساتھ ساتھ اپنے اہل خانہ کا بھی خوب خیال رکھا ہے۔"

"آنٹی! یہ تو آپ خود کہہ رہی ہیں۔ اصل صورت حال تو آپ کے اہل خانہ ہی بتا سکتے ہیں کہ آپ گھر کیسے چلا رہی ہیں۔ آپ دیکھیں نا کہ آپ خود تو نیا سوٹ پہن کر خوب ٹک ٹک سے تیار ہیں۔ مگر انکل بے چارے ملگجے سے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔"

اب کے خاتون کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ اماں کو خوب باتیں سنا کر میاں کے ہمراہ پاؤں پٹختی چلی گئیں پھر اماں کے ہاتھوں اس کی خوب درگت بنی مگر وہ ڈھیٹ بنی مسکراتی رہی۔

مبین بے چارہ اندر داخل ہوا تو سامنے میز پر کھانے پینے کے سامان کو جوں کا توں پڑا دیکھ کر حیرت سے کبھی اماں کے لال بھبوکا چہرے کو دیکھتا اور کبھی مجرم بنی عاشی کو جو قطعی شرمندہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

☆☆☆

رات کو وہ فارغ ہو کر کمرے میں آئی تو اس کے موبائل کی اسکرین روشن تھی۔ سارا ان باکس سے بھرا پڑا تھا۔ وہ بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور ایک ایک میسج پڑھنے لگی۔ مہذب الفاظ اور نہایت شائستہ انداز میں کوئی بے باک جملہ نہ کوئی

ALIFADAB.COM
Waterlarkly

بے سبب نہیں ہوتا۔ لفظ لفظ محبت سے پروئی ہوا مگر نہ کوئی چھوڑا ہی اور نہ ہی چاہا پر ستارے توڑ لانے کے وعدے۔

یہی وہ انداز محبت کی انفرادیت جس نے عاشی کو سلطان کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ سلطان ہے وہ اماں کی ایک دیرینہ دوست کی شادی پر تھی۔ شادی پر تو وہ جانا ہی نہیں چاہ رہی تھی مگر اماں زبردستی لے گئیں۔

فنکشن مہندی کا تھا اور اس کا خیال تھا کہ یہ فنکشن تو سگی سہیلیوں کے ساتھ ہی انجوائے کیا جاتا ہے۔ اس کی تو کوئی جان پہچان ہی نہیں ہے مگر اماں نے ایک نہ سنی۔ وہ سفید غرارہ سوٹ پر پیلا دوپٹہ اوڑھے بولائی بولائی پھر رہی تھی۔ تمام عورتیں اور لڑکیاں پیلے اور ہرے رنگ کے لباس زیب تن کیے ہوئی تھیں مگر وہ سنگ کے سفید غرارہ سوٹ میں بہت منفرد لگ رہی تھی۔ ایک قطار میں مہندی کے تھال سجے تھے۔ وہ پاس سے گزر رہی تھی جب پیچھے سے کسی نے پکارا۔

"سنیے محترمہ!" اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک وائٹ کرتا شلوار میں ایک خوب رو سا لڑکا کھڑا تھا۔ اس نے ہراساں ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ اماں بھی نجانے کہاں مصروف تھیں۔

"محترمہ! آپ کے دوپٹے نے آگ پکڑ لی ہے۔" اس نے پلو اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا جو ننھے سے شعلے کی زد میں تھا۔ زمین پر پڑے کسی تھال میں جلتی موم بتی نے دوپٹے کے کونے کو پکڑ لیا تھا۔

اس لڑکے نے نہایت احتیاط سے پلو کو چٹکی سے پکڑا اور پھر دوسرے ہاتھ سے مسل دیا۔ آگ بجھ گئی۔ اس نے وحشت زدہ سی ہو کر پلو اس کے ہاتھ سے چھڑایا اور دور بھاگ گئی۔ پھر سارے فنکشن میں وہ کالی گھور آنکھیں اس کا سکھ چین برباد کرتی رہیں۔

[illegible] کرتا رہا۔ پھر اماں حیران رہ گئیں جب وہ ویسے پر بلا چون و چرا جانے کے لیے مان گئی۔

"ذرا سادگی سے تیار ہونا۔" اماں نے نصیحت کی۔

اس نے آسمانی کلر کی میکسی کے ساتھ برائے نام میک اپ کیا کانوں میں سلور آویزے اس کے چہرے کی آرائش کو چار چاند لگا رہے تھے۔

وہ ایک کونے میں کھڑی کولڈ ڈرنک کے چھوٹے چھوٹے سپ لے رہی تھی۔ جب اسے وہی نظر آیا۔ بلیک ٹوئیس میں آج وہ پہلے دن سے بھی زیادہ شان دار اور سوبر دکھ رہا تھا۔ اس نے موبائل سامنے صوفے پر بیٹھی ایک آنٹی کو تھمایا۔ اسی وقت اس کی نظریں اس سے ملیں۔ اس نے جھٹ نظریں جھکا لیں۔ وہ اس کی ادا پر دھیمے سے مسکرایا اور پھر پلٹ گیا۔

جب دولہا دلہن کو سلامی کے لیے اسٹیج پر بٹھایا گیا تو ادھر بہت رش بڑھ گیا۔ لوگ سلامی دینے اور تصویر بنوانے کے لیے دولہا دلہن کے گرد جمع تھے۔

اماں یوں ہجوم میں جانے سے گھبراتی تھیں کیونکہ ان کو سانس کا مسئلہ تھا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ جب رش کم ہو تو وہ لفافہ دولہا کی والدہ کو پہنچا دے۔

جب بھیڑ کچھ کم ہوئی تو وہ جھجکتے ہوئے آگے بڑھی۔ عین اسی وقت وہ لڑکا بھی اپنی والدہ کو لفافہ پکڑا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے لفافہ دولہا کی والدہ کو تھمایا اور پھر ادھر ادھر دیکھے بنا تیزی سے نیچے اتر آئی۔

پھر سارا وقت اسے یوں لگا جیسے دو آنکھیں اس کا تعاقب کر رہی ہوں۔ گھر آ کر بھی وہ کئی دن تک کھوئی کھوئی رہی۔ کبھی خود کو ڈانٹتی ڈپٹتی اور کبھی چپکے چپکے مسکراتی نجانے وہ کون تھا۔ اب دوبارہ کبھی ملے گا بھی یا نہیں شاید زندگی کے کسی موڑ پہ سامنا ہو تو وہ پہچانے بھی نہ، بھلا دو سیکنڈ کی ایک آدھ ملاقات کو کون یاد رکھتا ہے۔

لڑکیاں تو پاگل ہوتی ہیں۔ ذرا سی ستائشی نظر پر خوابوں کے بڑے بڑے محل بنا لیتی ہیں۔ وہ بھی تو ایک عام سی لڑکی تھی۔ خوابوں، خیالوں میں رہنے والی مگر خواب بھی کبھی کبھی حقیقت بن کر مہربان ہو ہی جاتے ہیں۔

☆☆☆

اس دن دوپہر کو وہ گھر پر اکیلی تھی۔ اماں شاید پڑوس میں گئی تھیں۔ گیٹ پر بیل ہوئی۔ اس نے جھانکا تو باہر کوریئر والا کھڑا تھا۔ اس نے سلیٹ پہنا ہوا تھا۔ وہ ایک لفافہ اس کی جانب بڑھا کر تیزی سے موٹر سائیکل اڑاتا ہوا نکل گیا۔

ایڈریس تو اس کے گھر کا ہی لکھا تھا۔ وہ لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھ ہی رہی تھی جب عین اسی وقت عین اندر داخل ہوا۔

"چچا جان کے لیے فون پیک کر دیں۔" وہ اس کے ہاتھ میں تھامے لفافے کو عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"شاید یونیورسٹی والوں نے رول نمبر سلپ بھیجی ہے۔" اس نے خواہ مخواہ وضاحت کی اور پھر لفافہ تھامے اندر بڑھ گئی۔ اس نے عین کو فون پیک کر کے تھمایا۔ پھر اپنے کمرے میں جا کر لفافہ کھولا۔ اندر چھوٹا سا خط تھا جس نے اس کی دنیا اتھل پتھل کر دی۔ لکھا تھا۔

"میرا نام سلطان ہے۔ مگر میں آپ کا نام نہیں جانتا۔ بس اتنا کہوں گا کہ آپ جو کوئی بھی ہیں آپ کو اس دن شادی میں دیکھا تو دل ہار بیٹھا تھا۔ یقین مانیں پہلی بار ہارا ہوں اور اب اپنے دل کی ہی نہیں اپنے گھر کی ملکہ بھی بنانا چاہتا ہوں۔ ہوٹل میں لفافے پر آپ کا ایڈریس نوٹ کر لیا تھا۔ ہے تو یہ غیر اخلاقی حرکت مگر معذرت خواہ ہوں اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔ پہلے بھی دوبار آیا تھا۔ آنٹی نے دروازہ کھولا تو۔

"ایڈریس غلط ہے۔" کا بہانہ بنا کر پلٹ گیا۔ خوش نصیبی سے آج آپ سامنے آ گئیں۔ موبائل نمبر لکھ دیا ہے۔ میں تین دن تک انتظار کروں گا۔ اگر آپ کی جانب سے خاموشی رہی تو میں بھی اپنے دل کو سمجھا لوں گا کہ شاید پہلی محبت میرے نصیب میں نہیں ہے۔ اللہ حافظ۔"

تین دن میں یہ خط اس نے کوئی تین سو بار پڑھا مگر پھاڑ کر پھینکنے کی جرأت نہ کر سکی۔ آخر شام میں اس نے کال ملا ہی لی۔ پہلی بیل پر ہی فون اٹھا لیا۔

سلطان سے بات کر کے اس کے تمام خوف اڑن چھو ہو گئے۔ وہ بہت سچا اور کھرا انسان تھا۔ اس نے دو ٹوک الفاظ میں بتایا کہ وہ الجھن چلانے کے چکروں میں بالکل نہیں ہے۔ وہ سیدھا سیدھا اپنے گھر والوں کو رشتے کے لیے بھیجے گا۔ وہ ابھی تک ایسا کر بھی گزرتا مگر پہلے عاشی کی رائے لینی بھی ضروری تھی۔ وہ محبت میں بھی دوسرے فریق کی رضامندی کے احترام کا قائل تھا اگر وہ رابطہ نہ کرتی تو بھی (مشکل سے ہی سہی) مگر دل میں محبت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن کر دیتا۔

پھر عاشی نے حیران ہو کر پوچھا کہ آخر اسے پہلی نظر میں اسے کیا اتنا اچھا لگا کہ اس نے اس کی ہمراہی کا فیصلہ کیا۔

"سادگی اور معصومیت" اس کا جواب دو ٹوک تھا۔ پھر اس نے بھی اس سے پوچھا کہ اسے بھی اس کی کس بات نے متاثر کیا جو اس نے تعلق جوڑنا چاہا۔ عاشی کا جواب بھی واضح اور دو ٹوک تھا۔

"سلطان! تمہارے لفظوں کی تصنع سے پاک سچائی نے، زمین و آسمان کے قلابے ملاتے وعدے وعید کے بغیر محبت کے اظہار نے میری رائے کو عزت دینے اور اور....."

"بس اتنا کافی ہے عاشو!" وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔ سلطان کا تعلق بھی اس کی طرح ایک مڈل کلاس فیملی سے تھا اس کے باپ کا چھوٹا سا موٹر سائیکلوں کا شوروم تھا۔ یوں تو اس نے انجینئرنگ پڑھی تھی۔ مگر ملک میں جو نوکریوں کا حال تھا تو

ALIFADAB.COM
Watermarkly

اسے بھی مستقبل میں غالباً ابا کی دکان ہی سنبھالنی تھی۔ گھر میں ماں باپ کے علاوہ اس کی دو چھوٹی بہنیں تھیں۔ جن میں سے ایک کی نسبت طے تھی۔ دوسری کا مسئلہ کچھ اٹکا ہوا تھا۔ اس بے چاری کی تعلیم کم تھی اور شکل وصورت بھی واجبی سی تھی۔ بس اسی کے لیے بھاگ دوڑ کی جا رہی تھی۔

اس کے بعد راستہ صاف تھا۔ اس کی اماں نے اسے مکمل اختیار دے رکھا تھا کہ وہ اپنی پسند سے اپنی جیون ساتھی کا انتخاب کر سکتا ہے۔ مگر فی الحال وہ دونوں بیٹیوں کو ٹھکانے لگانا چاہ رہی تھیں۔ وہ ہوتا ہے نا ماؤں کو عدم تحفظ کہ اکلوتے بیٹے کو پہلے نہیں بیاہتا کہ کہیں ہاتھوں سے نہ نکل جائے۔

☆☆☆

وہ سلطان کی محبت میں سرشار اور آسودہ سی رہتی۔ وہ بالکل بھی ڈیمانڈنگ نہیں تھا۔ نہ کبھی ملاقات کی خواہش نہ بار بار رابطے پر اصرار اور نہ ہی کوئی تصویر وغیرہ سینڈ کرنے کی فرمائش اس نے خود ہی ایک آدھ بار کہا تھا سلطان اپنی کوئی تازہ ترین پک تو بھیجو تو وہ ہنس دیا۔

"شکل دیکھ کر کیا کرو گی عاشو! دل سے دل کی راہ ملی ہوئی ہو تو صورتوں کو تکنے میں کیا رکھا ہے۔ وہی ناک ہے۔ وہی آنکھیں ہیں کان ہے..... وہی....."

"اچھا بس بس۔" وہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتی۔

☆☆☆

امتحانات قریب آ چکے تھے۔ آج وہ سب سارہ کے گھر آخری بار جمع ہو رہی تھیں۔ اس نے اپنا نیا لان کا کرتا شلوار پہنا۔ کیراج سے گزرنے لگی اچانک اوپر سے گدلے پانی کی بوچھاڑ نے اسے بھگو دیا۔ اس نے غصے سے اوپر دیکھا تو مبین پانی والی ٹنکی صاف کر رہا تھا۔

"[illegible] کے ا[illegible]

س کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔

"کیا ہوا ہے.....؟" اماں باہر آئیں۔

"یہ دیکھیں میرے کپڑوں کا حشر..... آخر ایسے کب تحفظ آئے گی.....؟" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"تمیز سے بات کرو..... میں نے ہی اسے کہا تھا کہ ٹنکی صاف کر دے۔"

"مگر اب میں سارہ کے گھر کیسے جاؤں....." وہ کھا جانے والی نظروں سے اوپر بھیگی بلی بنے مبین کو دیکھ رہی تھی۔

"صرف دوپٹہ ہی تو بھیگا ہے۔ لاؤ میں دھو کر ڈرائی کر دیتی ہوں۔" اماں نے اس کو ٹھنڈا کرنا چاہا تو وہ پاؤں پٹختی اندر چلی گئی۔

☆☆☆

کب امتحانات آئے اور کب گزر بھی گئے پتا بھی نہیں چلا۔ اب وہ فارغ تھی۔ اماں نے اس کے لیے رشتہ مہم بھی تیز کر دی تھی۔ سلطان سے اس کا بدستور رابطہ تھا۔ اس کی دوسری بہن کا رشتہ طے ہو چکا تھا۔ عنقریب دونوں کی شادیاں تھیں۔ پھر ان کی منزل بھی قریب تھی۔

☆☆☆

اس دن وہ اپنا لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی تھی جب اماں کچھ کاغذ ہاتھ میں تھامے چلی آئیں۔

"عاشی! یہ داخلہ فارم تو فل کر دو اور ساتھ ہی اپنی بی۔ایس کی بکس بھی ڈھونڈ دو۔"

"وہ کیوں اماں.....؟"

"وہ اپنا مبین پڑھائی شروع کر رہا ہے۔ تمہارے ابا کا خیال ہے کہ اسے اپنی تعلیم بھی مکمل کرنی چاہیے۔"

"اچھا!" اس نے فارم پر سرسری سی نظر ڈالی۔

"میٹرک اور ایف۔اے میں نمبر تو اچھے لے رکھے ہیں اس نے۔" وہ کچھ حیران ہوئی۔

"ہاں بچہ تو لائق تھا۔ بس ماں مر گئی تو باپ

دوسری بیوی بچوں میں پڑ کر غافل ہو گیا۔ وہ تو اس کا چچا ایک ہوٹل میں ڈیلیوری بوائے بھرتی کروانے گیا تھا۔ تمہارے ابا بھی مل گئے وہاں اتفاق سے انہوں نے کہا خاندان کا بچہ ہے۔ میرے پاس چھوڑ دو۔ دوکان کا حساب کتاب دیکھ لے گا۔ اب دیکھو دوکان کے ساتھ ساتھ گھر کے بھی کتنے کام دیکھ لیتا ہے۔"

اماں کے لہجے میں ستائش تھی۔ وہ لاپروائی سے فارم فل کرنے لگی۔

☆☆☆

پھر ایک شام سلطان کا میسج آیا کہ اس کی ماں نے اس سے شادی کی بات کی تو اس نے اس کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اور انہیں کوئی اعتراض بھی نہیں ہے اور اب وہ چند دن تک رشتہ لانے والی ہیں۔ وہ خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولنے لگی۔

☆☆☆

پھر چند دن تو کیا ایک ایک کر کے کئی دن گزر گئے۔ کوئی نہ آیا۔ وہ روز انتظار کرتی، روز مایوس ہوتی۔ سلطان کا موبائل بھی مستقل بند جا رہا تھا۔ "آپ کے مطلوبہ نمبر سے رابطہ ممکن نہیں ہے۔" کے الفاظ اس کے کانوں میں سیسہ گھولتے۔

ایک خوفناک انکشاف اس کے سامنے تھا اور وہ نظریں چرا رہی تھی۔ کیا وہ بھی محبت کے نام پر دھوکا کھا چکی ہے۔ یہ فریب اس کے نصیب میں لکھا تھا۔ ایڈریس اس کے پاس موجود تھا۔ دل چاہتا تھا کہ گھر جا کر اس کا گریبان پکڑے مگر کس حیثیت سے؟ کس رشتے سے؟ جگ ہنسائی کے سوا کیا ملتا۔ سچ کہا ہے کہ محبت کی حیثیت رشتے سے ہوتی ہے اور وہ بھی یہی کہا کرتا تھا جو رشتہ بناتے بناتے پلٹ گیا۔ اماں نے ایک آدھ بار اس کی اداسی کا سبب پوچھا بھی تو اس نے رزلٹ کی ٹینشن بتا کر مطمئن کر دیا۔

اس دن وہ سالن بنانے لگی تو گھی نہیں تھا۔ اس نے اماں سے کہا کہ مبین سے کہیں گھی لا دے۔

"اب وہ یہاں کہاں ہوتا ہے۔ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے چکا ہے۔ اپنی پڑھائی کرتا ہے۔ ساتھ پارٹ ٹائم جاب بھی کر رہا ہے۔ تمہارے ابا تو خرچا اٹھانے کے لیے تیار تھے مگر وہ خوددار بچہ ہے، نہیں مانا۔"

اماں بتا رہی تھیں تو اسے بھی احساس ہوا کہ اس نے کئی دن سے مبین کو گھر میں دیکھا ہی نہیں تھا۔ اپنی گم صم کیفیت کی وجہ سے وہ اس کی غیر موجودگی سے لاعلم رہی۔

پھر اس نے محلے کے ایک بچے سے گھی منگوا لیا۔

☆☆☆

ڈھیر سارے دن مزید سرک گئے۔ ایک اداس سی شام اچانک اس کے موبائل پر سلطان کی کال آنے لگی۔

"ہیلو! کیسی ہو.....؟" اس کی بجھی بجھی آواز سنائی دی تو وہ پھٹ پڑی۔ جو اس کے منہ میں آیا وہ بولتی چلی گئی۔ وہ چپ چاپ سنتا رہا۔ جب وہ تھک کر خاموش ہوئی تو فقط اتنا بولا۔

"میں کہیں مصروف تھا۔ اب یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ شام میں امی ابو آ رہے ہیں۔" اس کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔

اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ اماں کو کیسے بتائے جب گیٹ پر بیل ہوئی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

اماں نے اسے گیٹ کھولنے کے لیے کہا تو وہ نروس سی دروازے تک گئی۔ "اللہ کرے وہ نہ ہوں۔ حلیہ بھی اتنا ابتر ہے۔" مگر سامنے وہی دونوں تھے۔ انکل کی شکل سلطان سے بہت مل رہی تھی اور آنٹی کو تو اس دن اس نے ہوٹل میں دیکھ رکھا تھا۔

وہ دل ہی دل میں سلطان کو صلواتیں سناتی

ALIFADAB.COM
Watermarkly

انہیں ڈرائنگ روم لے آئی۔

دونوں میاں بیوی نے نہایت مہذب طریقے سے اس کا رشتہ طلب کیا۔ سلطان کی امی نے ان دونوں کی محبت کی کہانی کو بیچ میں لائے بغیر اماں سے کہا کہ انہوں نے ان کی دوست کے بیٹے کی شادی پر عاشی کو دیکھا تھا تو فوراً ہی اپنے بیٹے کے لیے پسند کرلیا تھا مگر اس وقت ان کا بیٹا زیر تعلیم تھا اور وہ اپنی بچیوں کے لیے رشتے ڈھونڈ رہی تھیں۔ اب فارغ ہیں۔ تو اسی سلسلے میں آئی ہیں۔

اماں کو ان دونوں میاں بیوی کی انکساری اور سادگی بہت بھائی۔ بیٹے کے والدین ہونے کی وجہ سے کوئی غرور اور اکڑ ان کے رویے میں دکھائی نہیں دی۔ جاتے جاتے وہ اپنے ہاں آنے کی دعوت دے گئے۔

☆☆☆

اس کا تو مانو خوشی سے برا حال تھا۔ مگر سلطان نجانے کیوں فون بند کر کے بیٹھا تھا۔ شاید اس دن اس کی بکواس کا برا مان گیا تھا۔ کوئی بات نہیں وہ بعد میں اسے منالے گی۔ اماں ابا نے جمعہ کے روز ان کے ہاں جانے کا پروگرام طے کیا۔

اگلے دن ابا کو کسی ضروری کام سے بینک جانا تھا۔ مبین انہیں لینے آیا تو وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ تو سرتاپا بدل چکا تھا۔ جدید تراش خراش کا کرتا شلوار، نیا ہیئر کٹ، تعلیم نے اس کے چہرے کو ایک اعتماد سا بخش دیا تھا۔ ویسے تو اس نے اسے کبھی درخور اعتنا نہیں جانا تھا۔ مگر آج چونکہ وہ اس سے متاثر بھی ہوئی تھی اور اس کا موڈ بھی اچھا تھا اس لیے چہک کر بولی۔

"واہ مبین! تم تو بالکل بدل گئے۔ شکر ہے اب تو گلابی جوڑا بھی نہیں پہنا ہوا۔"

وہ بھی بغیر شرمائے ہنستے ہوئے اعتماد سے بولا۔

"گلابی جوڑے تو سارے آنٹی نے کام والی کے شوہر کو دے دیے تھے۔"

☆☆☆

اماں ابا گئے تو خوش خوش تھے مگر واپسی پر بہت خاموش سے لگے۔ خاص طور پر اماں بہت بجھی بجھی تھیں۔ انہوں نے کوئی تبصرہ ہی نہیں کیا۔ اب وہ خود سے پوچھتی کیا اچھی لگتی۔ پھر اس نے سوچا کہ شاید اماں ابا کسی بہت زیادہ خوش حال خاندان کی توقع کر رہے تھے جبکہ سلطان والے تو ان کی طرح مڈل کلاس تھے۔ رات کو وہ چائے دینے گئی تو اماں ابا آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔

"لوگ تو بہت اچھے ہیں۔ نہایت شریف اور سلجھے ہوئے ہیں۔ لڑکا بھی اچھا ہے۔ برسر روزگار بھی ہے..... مگر۔" ابا کی آواز سنائی دی۔

"ہاں عاشی کے ابا..... بات تو پھر وہی ہے۔ ہماری چاند ستاروں سی بیٹی ہے۔ اب کوئی جوڑ بھی تو ہو۔ لوگ کیا کہیں گے۔"

"ہیں۔" اس پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

کیا ان لوگوں کو سلطان پسند نہیں آیا تھا۔ کہیں غلطی سے کسی اور کو تو نہیں دیکھ لیا۔ پھر اسے یہ یاد کر کے ہنسی آ گئی کہ اماں ہر وقت یہی کہتی رہتی تھیں کہ وہ اپنی پیاری بیٹی کو شہزادوں جیسے لڑکے سے بیاہیں گی۔ اب شاید سلطان ان کی پسند کے معیار پر پورا نہیں اترا تھا۔ حالانکہ وہ اچھا خاصا ہینڈسم تھا۔ یا شاید اسے ہی محبت میں اتنا خوب رو دکھتا تھا۔ وہ اسی کوکو میں تھی جب شام میں سلطان کی کال آ گئی۔

"سلطان! پتا نہیں اماں ابا اتنے خاموش کیوں ہیں؟" اس نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"مجھے اندازہ تھا۔" وہ اداسی سے ہنسا۔ پھر اچانک بولا۔

"عاشی! کل کہیں ملیں۔" اس نے ایسی فرمائش پہلے کبھی نہیں کی تھی۔ وہ تو ایسی ملاقاتوں کو اچھا ہی نہیں سمجھتا تھا۔ وہ بھی چاہنے کے باوجود انکار نہ کر پائی۔

وہ مقررہ وقت پر ریسٹورنٹ پہنچی۔ وہ اس سے پہلے موجود تھا۔ نیبل کا رخ دوسری جانب تھا۔ اسے اس کی پشت نظر آ رہی تھی۔ وہ کچھ سوچ کر قدم اٹھاتی گھوم کر سامنے آ گئی۔

"سلطان.....؟" اس نے ترنت اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی بے ساختہ چیخ کا گلا گھونٹا۔ سامنے سلطان تو نہیں کوئی اور شخص بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے کا ایک حصہ نجانے جلا ہوا تھا یا زخم ہو چکا تھا۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ صرف آنکھیں وہی تھیں کالی..... گھور کالی اس کے اپنے نصیبوں کی طرح کالی۔

"یہ کیا ہوا سلطان.....؟" وہ اس کے سامنے کرسی پر ڈھے سی گئی۔

"دو مہینے پہلے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں مگر موٹر سائیکل کی ٹینکی میں پٹرول فل بھرا تھا تو اس میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ چہرہ زیادہ متاثر ہوا۔"

وہ بتا رہا تھا مگر وہ صدمے سے گم صم سامنے بیٹھی اسے دیکھنے کی تو تاب ہی نہیں رہی تھی۔

دونوں کے درمیان خاموشی کی چادر تنی رہی۔ لفظ گونگے ہو چکے تھے۔ کافی دیر بعد وہ ہمت کر کے جانے کے لیے اٹھی۔ وہ باوجود کوشش کے بھی ایک حرف اس کو تسلی یا امید کا نہ کہہ سکی۔

جب وہ جا رہی تھی تو سلطان ہمت کر کے صرف اتنا کہہ سکا۔

"عاشی! خود کو کسی بھی فیصلے کے لیے مجبور نہ کرنا۔"

اس کے الفاظ عاشی کے علاوہ کچھ فاصلے پر موجود کسی اور نے بھی سنے تھے۔

☆☆☆

پھر اماں ابا کے ساتھ وہ بھی خاموش اور گم صم سی ہو گئی۔ ایک شام اداسی سے اپنے ناخن کتر رہی تھی جب اماں اس کے پاس آ بیٹھیں۔

"عاشی بیٹا! مبین کے چچا نے بھی تمہارے لیے اس کا رشتہ ڈالا ہے۔" اس نے زخمی نظروں سے ماں کو دیکھا۔ وہ مبین کے بارے میں اس کے خیالات سے آگاہ تھیں۔

"بیٹا! اب وہ پہلے والا مبین نہیں رہا۔ بہت بدل گیا ہے۔ پھر گھر کا دیکھا بھالا لڑکا ہے۔ تمہارے ابو بھی رضامند ہیں۔"

وہ نجانے کیا کیا کہہ رہی تھیں۔ اس کے دل و دماغ میں تو عجیب سی جنگ ہو رہی تھی۔ قدرت نے یہ اس کے ساتھ کیسا مذاق کیا تھا۔ یہ کیسی آزمائش تھی۔

محبت کرنے والے دعوے تو بہت کرتے ہیں کہ ہم تو ایک دوسرے کی روح سے پیار کرتے ہیں۔ شکلوں صورتوں میں کیا رکھا ہے مگر جب وقت آتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ کون کتنے پانی میں ہے۔

وہ اسی ادھیڑ بن میں تھی جب ویک اینڈ گزارنے مبین چلا آیا۔ اس نے اس پر ذرا گہری نظر ڈالی۔ وہ واقعی بہت زیادہ بدل چکا تھا۔ گھر میں اب دبی دبی زبان میں اس کے اور مبین کے رشتے کی بات چل رہی تھی۔ اس نے نہ تو واضح اقرار کیا تھا نہ انکار۔ کشمکش بیچ میں تھی۔

صبح اماں کا بی پی لو ہو گیا تو انہوں نے اسے کہا کہ وہ مبین کو ناشتہ بنا دے۔ اس نے ناشتہ بنا کر آواز دی مگر وہ شاید مصروف تھا۔ کافی دیر بعد وہ خود ہی ٹرے میں ناشتہ لیے دروازے تک آئی۔ ابھی اندر جانے ہی لگی تھی جب وہ فون پر غالباً اپنے چچا سے باتیں کرتا سنائی دیا۔ اپنا نام سن کر ٹھٹک گئی۔

"چچا جان! میں کب کہہ رہا ہوں کہ عاشی اچھی لڑکی نہیں ہے۔ وہ تو بہت اچھی لڑکی ہے۔ مگر چچا جان وہ تو کسی اور کو پسند کرتی ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ وہ خود ہی آگے بڑھ کر انکار کر دے گی۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ چچا جان! ساتھی تو ہر حال میں ساتھ نبھانے والا ہوتا ہے۔ راستہ بدلنے والے لوگ مجھے پسند نہیں۔"

اس کی باتیں سن کر اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ اس کی خاموشی کو نجانے کیا سمجھا تھا۔ شاید

ALIFADAB.COM
Watermarkly

وہ اس کی اور سلطان کی کہانی کو جانتا تھا۔ اس دن ہوٹل میں بھی وہی موجود تھا۔ اس نے نکلتے وقت اس کی جھلک دیکھ لی تھی۔ وہ قدرے اٹھائے سیدھی اس کے سامنے جا پہنچی۔

"تمہیں کس نے کہا کہ میں راستہ بدلنے جا رہی ہوں۔" اس نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔ وہ بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے دیکھتا رہا۔ اس کا مزید پارہ چڑھ گیا۔

"ایک آدھ بار تم سے انس کر جو بات کر لی تو تم سمجھے کہ میں تم پر فریفتہ ہو چکی ہوں۔ میرا راستہ آج بھی وہی ہے جو پہلے تھا۔"

وہ کھڑاک سے دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

"اماں! مجھے سلطان سے ہی شادی کرنی ہے۔" اگلے دن اس نے حتمی لہجے میں کہا۔

"بیٹا! تم نے اسے دیکھا ہوا نہیں ہے اس لیے کہہ رہی ہو۔"

"اماں! میں نے اسے دیکھا ہوا ہے پہلے بھی اور اب بھی۔"

کچھ بھی چھپانا بے کار تھا۔ اس نے الف سے لے کر یے تک تمام کہانی سنا دی۔ جب خاموش ہوئی تو اماں اس کے دونوں ہاتھ تھام کر دھیرے سے بولیں۔

"عاشی جانو! بے شک سلطان اپنی ذات میں ایک ہیرا ہے۔ مگر ہم بھی انسان ہیں اور اسی دنیا اور معاشرے میں رہتے ہیں جذباتی فیصلہ نہ کرو۔ تم تھک جاؤ گی۔ میری بچی....."

"ٹھیک کہا اماں آپ نے کہ ہم بھی انسان ہیں۔ مگر خلوص، وفا جیسے الفاظ بھی ہم دونوں کے لیے بنے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں راستہ بدلنے والوں میں سے ہوں اور نہ پلٹ کر دیکھنے والوں سے۔"

☆☆☆

ساحل سمندر پر گلابی سی شام اتر رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے فضا کو خوشگوار بنا رہے۔ ابھی کل ہی تو ویک اینڈ تھا۔ اس لیے آج رش برائے نام تھا۔ وہ دونوں ایک چٹان کی آڑ میں پاس پاس بیٹھے تھے۔ کچھ فاصلے پر ان کے دونوں بچے ریت سے کھیل رہے تھے۔ عاشی کی زلفیں اڑا اڑا کر سلطان کے کندھے کو چھو رہی تھیں۔

"ہائے اللہ! میں پھر لانا بھول گئی۔" اس نے انہیں سمیٹتے ہوئے سلطان کے چہرے کو محبت پاش نظروں سے دیکھا۔ ہر بار دیکھنے پر اس کا نرم خو چہرا اسے وہی سکون اور خوشی دیتا تھا جو اس کو اندر تک سرشار کر دیتی تھی۔

اب تو کئی آپریشنز کے بعد وہ چہرا پہلے سے کافی بہتر ہو گیا تھا مگر بالکل پہلے والا تو نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے کوئی ملال بھی نہیں تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔ دنیا والے ان کو دیکھ کر عجیب سے کمنٹ پاس کرتے، دکھی کر دینے والے اور اذیت ناک مگر اسے کوئی پروا نہیں تھی اور نہ اس نے کبھی سلطان کو کرنے دی تھی۔ اماں نے ٹھیک کہا تھا۔

"سلطان واقعی ہیرا تھا۔ کردار کا ہیرا۔" اماں نے بھی بھانپ لیا تھا اور پھر اس کے فیصلے کی زیادہ مخالفت نہیں کی تھی۔

آج وہ اپنی جنت میں خوش تھی۔

"چلیں؟" سلطان نے محبت سے کہا۔ وہ اس کے بازو کا سہارا لے کر اٹھی۔ سلطان نے دونوں بچوں کو پکارا اور وہ سب اپنی گاڑی کی سمت چل دیے۔ جب وہ نکل رہے تھے تو بین بھی ایک ماڈرن سی لڑکی کا ہاتھ تھامے اندر آ رہا تھا۔ اس خوش باش فیملی کو دیکھ کر اس نے جوش و خروش سے ہاتھ لہرایا۔

جواباً انہوں نے بھی ہاتھ لہرائے۔ سب کو اپنے اپنے نصیب کا مل چکا تھا۔ اور ہر کوئی اس سے خوش تھا۔ وفا اور خلوص کبھی رائیگاں نہیں جاتے۔ یہ وقت نے ثابت کر دیا تھا۔

☆☆☆

لبنیٰ آصف

محبت میرے رستے

چھوٹی بچی کی طبیعت کا بہت دنوں سے سن رکھا تھا۔ اتنا علم نہیں تھا۔ جہاں جانا ہوتا انوار ہی لے جاتے۔ فون پر تو لیکن اتنی دور جانے کا تصور کر کے ہی رہ جاتی۔ راستوں کا ہر ہفتے دن بعد خیریت معلوم کر لیتی۔

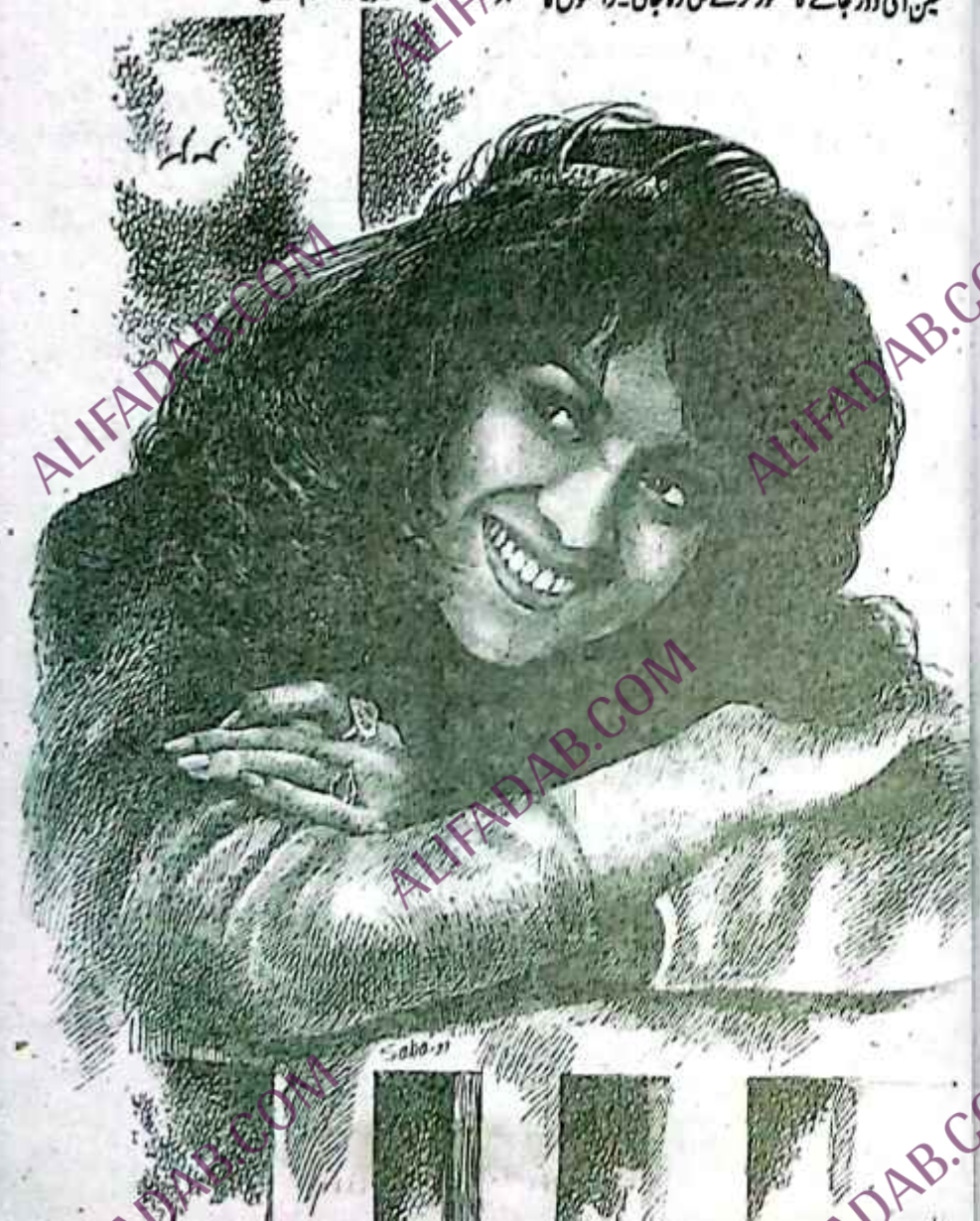

ALIFADAB.COM
Watermarkly

آخری دفعہ فون کیا تو چچی کی بہو نے اتنی سرد مہری سے طبیعت بتائی کہ دوبارہ فون کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی، جانے کا ہی ارادہ کر بیٹھی۔ اسی لیے اللہ نے بھی راستے بنا دیے۔

انوار نے آج آفس کی چھٹی کی تھی۔ انہیں کسی کام سے جانا تھا۔ اتفاق سے علاقے کا نام سنا تو میں خوش ہوگئی "ارے قریب ہی چچی کا گھر ہے۔ آج چچی کی عیادت کر آتی ہوں۔" چچی سے ملنے کی خوشی میں جلدی جلدی کام نمٹایا اور انوار کو کہا کہ آپ چھوڑ دیجیے گا پھر کام ختم ہو جائے تو آ جائیے گا۔

آج کا دور ایسا ہے کہ عیادت کے لیے بھی جاؤ تو فون کر کے ہی جانا پڑتا ہے۔

فون کیا تو منصور بھائی نے اٹھایا بتایا تو خوش ہو گئے اور کہنے لگے۔

"میاں کو بھی بول دینا کھانا ہمارے ساتھ کھائے۔"

بہت منع کیا کہ موقع نہیں ہے پر منصور بھائی کہنے لگے "امی خوش ہو جائیں گی۔"

راستے سے فروٹ لیے اور بیکری سے چچی کی پسند کا سادہ کیک، بچپن سے ہمیشہ ہم نے چچی کو کبھی کریم والا کیک کھاتے نہیں دیکھا وہ ہمیشہ سادہ کیک کھاتی تھیں۔

گلی کے کونے پر انوار نے چھوڑا اور منصور بھائی کو فون کر دیا۔ منصور بھائی گلی کے کونے تک لینے آئے۔ انوار کو دیر ہو رہی تھی اسی لیے واپسی میں آنے کا کہہ کر انوار نکل گئے۔

منصور بھائی اتنی محبت اور اپنائیت سے ملے سر پر ہاتھ رکھا کہ "گڑیا! خیریت سے ہو بچوں کو نہیں لائیں۔" بے اختیار آنکھوں میں نمی اتر آئی کہ اس نام سے تو اب کوئی نہیں پکارتا۔

"نہیں منصور بھائی! دونوں بچے کالج سے دیر سے آتے ہیں پھر منصور بھائی گرمی میں نکلنا بڑا مشکل لگتا ہے۔"

"ہاں تو ہے! آؤ پھر کبھی [illegible] لے کر۔"

چچی کے کمرے میں داخل ہوئی تو سامنے چچی بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ دل دکھ سے بھر گیا کہ چچی اتنی کمزور ہو گئی ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی چچی کی آنکھوں میں ایک چمک آئی۔ گلے لگایا، ماتھا چوما اور دعائیں دینے لگیں بچوں کا پوچھا۔ تھوڑی دیر میں چچی کی بہو لوازمات اور چائے لے آئی بہت اچھی طرح ملی۔ فون پر سرد مہری سے بات کرنے کا شائبہ تک نہ تھا میں بھی اچھے سے ملی۔

"ارے منصور بھائی نے کھانے کا کہا تھا تو چائے کے ساتھ اتنا اہتمام کیوں کیا۔ میں مہمان تھوڑی ہوں۔"

"اتنے عرصے بعد آئی ہیں شاہینہ آپی تو مہمان ہی ہوئی ناں!"

اور میں خاموش ہو گئی۔ واقعی آٹھ مہینے سے چچی کی بیماری کا سن رہی تھی۔ ہسپتال میں دیکھ کر آتی تو پھر گھر کی مصروفیات کی وجہ سے نکل ہی نہیں سکی۔

چچی کے پاس دنیا جہان کی باتیں تھیں کرنے کو میرے پاس بھی بہت کچھ تھا دل کا حال کہنے کے لیے۔

چچی نے باتوں باتوں میں بتایا "منصور کی دلہن بہت اچھی ہے۔ بیٹیوں کی طرح میرا خیال رکھتی ہے۔"

چچی نہ بھی بتاتیں تو اندازہ تو ہو ہی گیا تھا۔ سلیقہ طریقہ گھر بار اور ناشتے کی سرونگ دیکھ کر پتا چل رہا تھا۔

چچی بتانے لگیں کہ "جب سے طبیعت خراب ہوئی ہے اپنے میکے بھی نہیں جاتی، میکے صبح جاتی ہے شام میں آ جاتی ہے کہ گھر میں کوئی اور تو ہے نہیں۔ میرا تو ایک ہی بیٹا ہے دل ڈرتا تھا جانے کیسی بہو ہو۔ لیکن دلہن بہت اچھی ہے۔ بس اللہ جلد اس کی گود بھرے۔"

چچی نے کچھ بھی نہیں کھایا معدے کی تکلیف کی وجہ سے، بس لیکوئیڈ ہی کھا رہی تھیں بغیر مسالے کے۔

بہو نے اصرار کر کے چائے کے ساتھ رکھے لوازمات سرو کیے اور باتیں کرنے لگی کہ منصور اور امی بتاتے ہیں کہ تائی امی ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتی تھیں۔ امی اور تائی کی بہت بنتی تھی۔

میں بھی ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی کہ وہ بھی کیا دن تھے۔ عید، بقر عید، شادی سب شاپنگ امی چچی کے ساتھ کرتی تھیں۔ امی کے ذکر پر میں آب دیدہ ہوئی تو چچی کہنے لگیں کہ "یہ بھی میکہ ہے تمہارا، نورین، فرحین کی طرح۔ آیا کرو، رہنے آؤ بچوں کو لے کر آؤ، جب دل کرے۔" اتنا دل بڑا ہوا۔ باتوں میں وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوا۔

انوار بھی آ گئے چچی کی بہو نے کھانا لگایا کھانے بھی بے انتہا اہتمام تھا۔ شرمندگی ہونے لگی۔ اس پر منصور بھائی کا خلوص اور محبت مان کیا کچھ نہیں تھا ان کے لہجے میں۔ چچی نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ دلیہ دلہن نے لا کر دیا تو بس آدھی پلیٹ کھائی اور واپس کرنے لگیں۔

میں نے اصرار کر کے باتوں باتوں میں چچی کو پورا دلیہ کھلایا۔ چچی انوار سے باتیں کرنے لگیں۔

میں چچی کی بہو کے ساتھ برتن سمیٹنے لگی۔ بہت منع کرنے کے باوجود میں نے کچن میں برتن رکھے اور چلنے لگی تو چچی کی بہو فضا نے مجھے مخاطب کیا۔

"شاہینہ آپی آپ کو فون پر میرا انداز برا لگا تھا؟"

میں نے بھی دل میں رکھنا مناسب نہ سمجھا تصدیق میں گردن ہلا دی۔

آنٹی کو معدے کا کینسر ڈائیگنوس ہوا ہے پچھلے دنوں بھی بہت تکلیف سے گزری ہیں۔ لاسٹ اسٹیج ہے ڈاکٹر بہت زیادہ ٹریٹمنٹ کے حق میں نہیں ہیں۔ آپ سب کو آنٹی اتنا یاد کرتی ہیں۔ منصور نے سب کو فون کر کے بتایا بھی تھا۔ آپ سے تو آنٹی اتنا پیار کرتی ہیں۔ منصور کو بھی چھوٹی بہنوں والا مان تھا۔ ان آٹھ مہینوں میں آپ کی کمی بہت محسوس ہوئی۔ آپ کا تو بچپن گزرا ہے آنٹی کے ساتھ۔ آج دیکھیں آنٹی کتنا خوش ہیں۔ دلیہ بھی کھا لیا ورنہ دو چمچ کھا کر واپس کر دیتی ہیں۔ فروٹ بھی کھایا اور چہرہ خوشی سے پرانی باتوں کو یاد کر کے دمک رہا ہے۔ میں اور منصور آنٹی کا بہت خیال رکھتے ہیں منصور کا تو بس نہیں چلتا۔ اپنی امی کے منہ سے نکلی ہر بات پوری کر دیں۔ یہ خوشی تو آپ ہی دے سکتی تھیں پھر اتنی دیر کیوں لگائی۔ میں نے آپ سے اسی لیے روڈ ہو کر بات کی کہ جس طرح آنٹی آپ سے بہت پیار کرتی ہیں آپ بھی ضرور آئیں گی۔ آپ کو برا لگا ہو تو معاف کیجیے گا میرا مقصد آپ کی دل آزاری کرنا نہیں تھا۔ بس امی چاہتی تھی کہ ایک دفعہ تو آپ آ کر آنٹی سے ملیں۔ منصور بہت اکیلے پڑ گئے تھے۔

پھر باتیں کرتے ہم کمرے میں آئے تو انوار جانے کا کہنے لگے۔ چچی کو خدا حافظ کرنے بیٹھی تو اتنی حسرت سے دیکھنے لگیں اور پوچھنے لگیں۔

"پھر کب آؤ گی۔ میں کہہ رہی تھی منصور سے شاہینہ بال بچوں میں مصروف ہو گی۔ فرصت ملے گی تو دوڑی ہوئی آئے گی اور دیکھو، تم آ گئیں۔ اب آتی رہنا۔"

میں نے بھی وعدہ کیا کہ آتی جاتی رہوں گی۔ بچوں کے ساتھ پروگرام بناؤں گی۔ مٹھی میں پیسے دے کر کہنے لگیں۔

"سہاگنوں کے ہاتھ خالی اچھے نہیں لگتے۔"

آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ اب یہ جملے سنے زمانہ ہوا۔ چچی کا ماتھا چوما اور منصور بھائی سے معذرت کے الفاظ کہنے چاہے تو سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے۔

"نہیں بیٹا کوئی بات نہیں زندگی بہت مصروف ہو گئی ہے دور کا سفر بھی ہے۔" ہاتھ میں پیسے دیے اور کہنے لگے کہ "بیٹیاں میکے سے خالی ہاتھ نہیں جاتیں۔"

بے اختیار چچی کی بہو سے نظر ملی اور شرمندگی ہوئی کہ اتنے محبت بھرے، مان بھرے رشتوں کو دکھ دیا۔ واقعی کبھی کبھی ہم وقت نکالتے بہت دیر کر دیتے ہیں کہ چاہنے والے رشتے جو ہم سے صرف ہمارا وقت مانگتے ہیں۔ وقت نکالتے نکالتے شکر ہے کہ بہت دیر نہیں ہوئی۔ جلدی سے دوبارہ آنے کا عہد کیا اور خدا حافظ کہہ کر انوار کے ساتھ گلی کا موڑ کاٹا۔

☆☆

ALIFADAB.COM
Watermarkly

راشدہ رفعت

احساس اور گمان

رشتہ ہو رشتہ کروانے والی آنٹی کے توسط آیا تھا، سو رامین کے گھر والوں کو ثاقب کے گھر والوں کے بارے میں ضروری کوائف کے علاوہ کچھ علم نہ تھا۔ جبکہ پارٹی کی امی، ابو اور چھوٹی بہن رامین کے ہاں آئے تھے۔ جبکہ ملاقات باہمی تعارف اور رسمی سے موضوعات پر گفتگو تک محدود رہی تھی بلکہ زیادہ تر گفتگو رامین کے ابا اور ثاقب کے ابو کے مابین ہوئی۔

خوش قسمتی سے دونوں ایک ہی سیاسی جماعت سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا سیاسی ہم آہنگی نے بہت جلد دونوں کے بیچ تکلف کی دیوار گرا دی۔ حالات حاضرہ پر سیر حاصل تبصرہ کرنے کے بعد پرتکلف چائے پی اور انہوں نے اجازت ادا کر کے اپنی راہ لی۔

ہاجرہ (رامین کی امی) کو اس میٹنگ کے بے نتیجہ ختم ہونے پر تاسف تھا۔ اس مہنگائی کے دور میں چائے پر اچھا سا اہتمام کچھ برس پہلے کی ضیافت جتنے وسیوں میں پڑتا تھا۔

"ان لوگوں نے تو کھل کر رشتے کے متعلق کوئی بات کی ہی نہیں، لڑکے کی ماں تو جیسے گونگے کا گڑ کھائے بیٹھی تھی۔ میں نے ہی لڑکے کے متعلق دو چار سوال پوچھے۔ رامین جب چائے لے کر آئی تب بھی اس نے تو کوئی خاص دلچسپی ظاہر نہیں کی نہ ہی رامین سے کسی قسم کے سوال کیے۔" ہاجرہ لڑکے کی ماں کے طرز عمل سے مایوس تھیں۔

"امی! لڑکے کی چھوٹی بہن تو اتنی باتونی تھی۔ اس نے سوال کر کر کے میرا سر کھا لیا تھا۔ لڑکے کی امی کے سوالوں کی کوئی کسر رہ گئی تھی کیا؟" رامین بدمزہ ہو کر بولی۔

"ارے وہ تو بچی تھی۔ کیا بتا رہی تھی کس کلاس میں پڑھتی ہے۔"

"سیکنڈ ایر یا تھرڈ ایر؟" انہوں نے یاد کیا۔

"سیکنڈ ایر" ماہم نے جواب دیا۔

"ہاں تو سیکنڈ ایر کی بچی کی رشتے میں دلچسپی دیکھ کر ہم کوئی نتیجہ اخذ تھوڑی کر سکتے ہیں۔ فیصلے کا حتمی اختیار تو ماں باپ کو ہوتا ہے ناں اور باپ تو چلو پھر معقول تھا لیکن ماں وہ تو مجھے بہت گھنی، چپ بالکل گپ چپ سی۔" ہاجرہ کی اپنی ہی اصطلاحات تھیں۔

"اُفوہ بیگم! ابھی پہلی ملاقات تھی اور آپ حتمی فیصلے اور گھنی چپ جیسی اصطلاحیں استعمال کر رہی ہیں۔ ارے اتنی جلدی تو الیکشن والے دن صرف ایک پولنگ اسٹیشن کا حتمی نتیجہ اناؤنس نہیں ہوتا یہ تو پھر شادی بیاہ جیسا نازک معاملہ ہے۔"

ریحان (بابا) اپنا اخبار اٹھائے کمرے میں چلے گئے۔ آج صبح سے ہاجرہ نے گھر میں لگی ٹیلی ویژن نافذ کر رکھی تھی کہ وہ سکون سے بیٹھ کر اخبار تک نہ پڑھ سکے۔ اداریے صفحے کو تو کھول کر بھی نہ دیکھا تھا اب انہوں نے گھنٹہ لگا کر اخبار پڑھنا تھا۔ شوہر سے مایوس ہو کر ہاجرہ رامین کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"ریٹائرڈ ٹیچر تھیں لڑکے کی ماں لیکن شخصیت کچھ دبی دبی سی تھی۔ پہناوا بھی کچھ خاص نہ تھا مجھے کچھ سڑیل اور بدمزاج لگیں۔ ایسی عورتیں جب ساسیں بنتی ہیں تو بہوؤں کو....."

"اُفوہ امی! ابھی وہ پہلی بار آئے تھے۔ اس سے پہلے بھی تو تین جگہ رشتوں کی بات چل چکی ہے

ALIFADAB.COM
Watermarkly

ناں اور آپ ان رشتوں کو بھی پہلی ملاقات میں اتنا ہی سیریس نے لیتی تھیں پلیز ریلیکس رہیں ابھی نہ میں ان آنٹی کی بہو بنی نہ ہی وہ میری ساس۔ اگر معاملہ کچھ آگے بڑھے گا تب اس طرح کی باتوں پر غور و فکر کرلیں گے۔"

رامین نے ماں کو رسانیت سے سمجھایا پھر خود سے تین برس چھوٹی انشین کو آواز دی۔

"انشین یار! اب لے بھی آؤ شامی کباب۔ جاتے ہوئے فریج سے کولڈ ڈرنک بھی لیتی آنا۔"

رامین اب دونوں چھوٹی بہنوں کے ساتھ ان تمام لوازمات کے ساتھ انصاف کرنا چاہتی تھی جن کا اہتمام مہمانوں کے لیے کیا گیا تھا۔ دو منٹ بعد انشین شامی کباب اور کولڈ ڈرنک لے آئی تو نرمین چکن رول، چٹنی چاٹ اور دہی بڑے لیے آن موجود ہوئی۔

"نرمین بیٹا! مجھے بھی کچھ ڈال کر ایک کباب اور ایک چکن رولی دو، مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر کہاں کچھ کھایا جاتا ہے۔" ہاجرہ کی بھی بھوک چمک اٹھی تھی۔ رامین نے ماں کا دھیان بٹنے پر سکون کا سانس لیا۔

☆☆☆

رامین تین بہنوں میں سب سے بڑی تھی۔ تعلیم کا سلسلہ مکمل ہونے کے بعد وہ نوکری کرنا چاہ رہی تھی۔ لیکن روایتی ماں باپ کی طرح امی، پاپا کی بھی یہی کوشش تھی کہ اسے جلد از جلد اس کے گھر بار کا کردیا جائے۔ ابھی اس کی رشتہ ڈھونڈ مہم اکتا دینے کی حد تک طویل نہ ہوئی تھی پھر بھی رامین اس پریکٹس سے بیزاری محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ بہت حسین جمیل نہ سہی مگر پرکشش شخصیت کی مالک تھی۔

ماں نے گھر داری میں بھی طاق کر رکھا تھا۔ معقول ڈگری بھی ہاتھ میں تھی لیکن اس کا مڈل کلاس پس منظر دیگر خوبیوں کو دھندلا دیتا تھا۔ عام سے گھر جس میں بیش قیمت ساز و سامان تو نہ تھا لیکن گھر کا چپہ چپہ گھر کے مکینوں کی نفاست پسندی اور سلیقے کا گواہ تھا۔

اس گھر کے سب مکین آپس میں خلوص اور محبت کے اٹوٹ بندھن سے بندھے تھے کرہ ارض پر یہ گھر رامین کی جنت تھا۔ وہ جانتی تھی اس جنت سے بے دخلی کا وقت آن پہنچا ہے۔ ہر لڑکی کی طرح وہ بھی اس مرحلے سے خوف خائف تھی، اوپر سے ماں کی باتیں اس گھبراہٹ میں مزید اضافہ کردیتی تھیں۔

ہاجرہ نے خود تو لمبا چوڑا سسرال نہ بھگتا تھا کہ شوہر نامدار کے والدین ان کی شادی سے پہلے جنت مکین ہو چکے تھے پھر بھی یوں لگتا تھا کہ انہوں نے سسرالی معاملات میں پی ایچ ڈی کر رکھی ہے۔ لڑکے کے گھر والوں سے پہلی ملاقات کے بعد ہی وہ اس کے گھر والوں کے متعلق اندازے لگانا شروع کردیتی تھیں۔

بہرکیف یہ باتیں رامین کی نظر میں قبل از وقت تھیں۔ سچی بات تو یہ تھی کہ اسے ان لوگوں کے دوبارہ رابطے کی امید بھی نہ تھی لیکن چار دن بعد لڑکے (فائق کا ذکر اس وقت لڑکا کہہ کر ہی کیا جاتا تھا) کے والد کی پاپا کے پاس کال آگئی۔

"ریحان بھائی! ہمیں بچی پسند آئی ہے اگر آپ لوگوں کو اعتراض نہ ہو تو میرا بیٹا بھی بچی کو ایک نظر دیکھنے کا خواہش مند ہے۔ آپ کی اجازت ہو تو ہم کل شام بیٹے کو لے کر آجائیں۔" انہوں نے بہت متانت اور بردباری سے ریحان صاحب سے اجازت مانگی وہ سوچ بچار میں پڑ گئے۔

"میں اپنی اہلیہ سے مشورہ کرکے جواب دیتا ہوں۔"

وہ فوری طور پر یہ ہی کہہ پائے اور ہاجرہ کو جب اس مطالبے کا علم ہوا تو وہ بھی غصے میں بپھر گئیں۔

"امی! اس سے پہلے دو جگہ میری تصویر بھی تو گئی تھی۔ میرے خیال میں تصویر سے بہتر ہے، لڑکا شرافت سے والدین کے ساتھ آئے اور مجھے ایک نظر دیکھ لے۔ میں پسند نہ آئی یا لڑکا آپ لوگوں کی توقع پر پورا نہ اترا تو وہ اپنے گھر راضی اور ہم اپنے گھر۔"

رامین نے ماں سے اکیلے میں بات کی تھی۔ بات ہاجرہ کی سمجھ میں بھی آگئی۔ لڑکے والوں کو اگلی شام پھر مدعو کرلیا گیا۔ اس بار پہلے سے زیادہ اہتمام کا ارادہ تھا لیکن دن میں گیارہ بجے کے قریب فائق کی والدہ کا فون آگیا۔

ان کی آواز سن کر ہاجرہ کا ماتھا ٹھنکا کہیں ان لوگوں نے آنے کا ارادہ ملتوی تو نہ کردیا تھا لیکن ہاجرہ کا خدشہ بے بنیاد تھا۔ ناظمہ نے انہیں یہ کہنے کے لیے فون کیا تھا کہ وہ چائے پر پچھلی بار کی طرح زیادہ اہتمام نہ کریں۔

"لو بھلا بتاؤ رشتے کی بات چل پڑی ہے۔ لڑکا پہلی بار آرہا ہے اور اس کی اماں فرما رہی ہیں کہ زیادہ اہتمام نہ کریں کہیں وہ یہ تو نہیں چاہتیں کہ لڑکے پر ہمارا ناثر اچھا نہ پڑے۔" ہاجرہ بہت دور کی کوڑی لائی تھیں۔

"اوہ امی! آنٹی نے بہت مناسب بات کی ہے۔ آپ ان کی نیت پر تو شک نہ کریں۔" رامین نے ماں کو ٹوکا۔

"تجھے کیا پتا رامین! لڑکوں کی مائیں کتنی گھنی میسنی ہوتی ہیں۔" تین بیٹیوں کی ماں ہونے کے ناتے وہ لڑکوں کی ماؤں کو ہمیشہ تعصب بھری نگاہ سے جانچتی تھیں۔

وقت مقررہ پر فائق اپنے والدین کے ہمراہ آگیا تھا۔ وہ شکل و صورت سے ہی بہت مہذب اور سلجھا ہوا نوجوان لگ رہا تھا ہاجرہ کو وہ پہلی ہی نگاہ میں پسند آگیا تھا۔ صد شکر کہ آج اس کے والد سیاست کے بجائے رشتے پر ہی بات کر رہے تھے۔

"ہم سفید پوش لوگ ہیں ریحان بھائی! ہم لوگوں نے جو کمایا وہ اپنے بچوں کی تعلیم پر لگا دیا الحمدللہ بچے قابل نکلے، فائق ماشاءاللہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا ہے اس سے چھوٹا شارق بھی بھائی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کامیابی سے اپنا تعلیمی سلسلہ مکمل کر رہا ہے۔ صومیہ اور حفصہ بھی ماشاءاللہ ذہین اور قابل ہیں۔

قصہ مختصر ہمارے پاس اپنے ذہین اور قابل بچوں کے علاوہ کوئی قابل ذکر جائیداد یا جمع جتھا نہیں۔ جو کچھ ہے ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ لوگ بھی ہمیں پہلی ہی نگاہ میں اس لیے بھائے کہ ہمیں آپ لوگوں میں کوئی تصنع یا دکھاوا نظر نہیں آیا ہاں ہم سفید پوش لوگوں میں جو رکھ رکھاؤ اور وضع داری ہوتی ہے ماشاءاللہ آپ کا گھرانہ ان ہی خوبیوں سے مالا مال ہے۔ ہم فائق کو ساتھ اسی لیے لاتے ہیں کہ آپ اسے دیکھ لیں اس سے جو پوچھنا ہے پوچھ لیں۔ اگلا مرحلہ چھان بین کا ہے آپ کو پورا اختیار ہے جہاں سے چاہیں ہماری فیملی یا فائق کے متعلق پوچھ گچھ کریں اگر دل مطمئن ہو تو یہ ہم پہلے بتا دیں کہ ہم شادی جلد کرنا چاہیں گے۔"

فائق کے والد شبیر صاحب بولنے پر آئے تو گویا دریا کو کوزے میں ہی بند کردیا۔ ماں کے پہلو سے چپکی بیٹھی رامین نے دھیرے سے نگاہیں اٹھا کر فائق کو دیکھا وہ بھی کن اکھیوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں کے اس تصادم پر جہاں رامین خفیف سی ہوگئی، وہاں فائق کے لبوں پر محظوظ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

رامین کے دل نے ایک دھڑکن مس کی۔ اس کا وجدان کہہ رہا تھا کہ قدرت نے اس کے والدین کی دعاؤں کو سند قبولیت بخش دی ہے۔ بہت خوش گوار ماحول میں ملاقات اختتام پذیر ہوئی۔ اس ملاقات کی سب سے متاثر کن بات فائق کے والد کی گفتگو تھی۔

ہاجرہ کو تو وہ بہت بھلے مانس شخص لگے تھے۔ وہ ان کی گفتگو کے انداز کو مسلسل سراہ رہی تھیں لیکن ناظمہ بیگم کے متعلق آج بھی ان کی رائے میں کوئی فرق نہ آیا۔

"شبیر بھائی کیسے ملنسار اور بامروت شخص ہیں۔" لڑکے کے والد کی جگہ اب شبیر بھائی کا صیغہ استعمال ہو رہا تھا۔

"لیکن فائق کی ماں وہ تو آج بھی کچھ خاص نہیں بولیں۔ بس اس عورت کی وجہ سے میں اس

ALIFADAB.COM
Watermarkly

رشتے پر کچھ خفا ہے ہوں اور تو فائق مجھے بہت پسند آیا ہے۔"

"ہاجرہ کے وہم میں مت پڑو ہاجرہ اللہ کا شکر ہے پہلے ماں لوگ ہماری رامین کے طلب گار رہتے ہیں۔ اب اگر گھر کا سوال ہی نہیں ہے اپنے طور پر فائق کی پہچان بنا کر دکھاتا ہوں اور رپورٹ ملتی ہے تو سمجھو رشتہ پکا۔" ریحان صاحب کا انداز دو ٹوک تھا۔

اور پھر تو باقی کے مرحلے گویا پلک جھپکتے طے ہوتے گئے۔ وہ دن بھی آن پہنچا جب رامین بابل کا آنگن سونا کر کے پیا دیس سدھار گئی۔ اس تمام عرصے میں ہاجرہ کی ناظمہ کے متعلق رائے نہ بدل سکی۔ یہ سچ تھا کہ وہ کچھ کم گو تھیں لیکن ان کے کم بولنے کی ایک بڑی وجہ ان کا ضرورت سے زیادہ بولنا بھی تھی۔

شبیر صاحب متاثر کن شخصیت کے مالک تھے بولنے کے فن سے بھی آشنا تھے وہ جہاں ہوتے منظر پر چھا جاتے دوسرے لوگ خود بخود پس منظر میں چلے جاتے۔

☆☆☆☆

شادی کی تقریب میں رامین کے خاندان والے ان کے اخلاق اور شخصیت سے بہت متاثر ہوئے۔ کم گو سی ناظمہ بیگم کو رامین کی خالہ اور ممانیوں نے بھی گھمنی اور خطرناک عورت قرار دیا۔ دل میں بہت سی امنگوں اور ڈھیر سارے وسوسے لیے رامین سسرال پہنچی تھی۔

سہاگ رات فائق نے روایتی شوہروں کی طرح اس کے ہاتھ میں نصیحتوں کا پلندہ نہیں تھمایا تھا بلکہ اس نے دوستانہ انداز اپناتے ہوئے مختصراً گھر والوں کی عادات کے بارے میں بتایا تھا۔

"شارق کھلنڈرا ہے اس کا زیادہ وقت اپنے دوستوں میں گزرتا ہے۔ صومیہ حد درجہ پڑھاکو ہے۔ اسے پڑھائی کے علاوہ کسی دوسری چیز کا ہوش نہیں ہوتا۔ حفصہ چٹوری اور من موجی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے [illegible] لیکن بھائیوں کی عادات سے آگاہ کر رہا تھا۔

"ویسے ہم سب بہن بھائیوں کی ابو سے زیادہ پٹتی اور دوستی ہے۔ امی مزاج کی تھوڑی سخت ہیں [illegible] ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں۔ ہم سب بہن بھائی ان کے مزاج اور عادت کو جانتے ہیں۔ ان کی باتوں کی کوئی ٹینشن نہیں لیتے۔ تمہیں بھی ان کی کوئی بات ناگوار گزرے تو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دینا۔"

رامین نے اس بات پر حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ عجیب بندہ تھا جو سہاگ رات ہی بیوی کو سمجھا رہا تھا کہ وہ اس کی ماں کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دے۔

بہر حال آج رامین کے بولنے کا نہیں سننے کا دن تھا، وہ جانتی تھی کہ سسرال میں قدم جمانے اور سسرال والوں کی عادتوں اور مزاج کو سمجھنے میں اسے تھوڑا وقت لگے گا۔ ابھی ایک رات میں تو وہ فائق کو صحیح سے سمجھنے کا دعویٰ بھی نہ کر سکتی تھی لیکن اس کے محبت بھرے اور دوستانہ برتاؤ نے رامین کو خاصی حد تک پرسکون کر دیا تھا۔

☆☆☆☆

صبح رامین کی آنکھ کھلی تو دن کے نو بج رہے تھے۔ فائق گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا۔ وہ فریش بھی ہو گئی لیکن فائق کی آنکھ نہ کھلی اس نے ایک دو بار اسے جگانے کی کوشش کی۔ فائق نے مندی مندی آنکھیں کھول کر نائٹ دیکھا۔

"ارے یار ابھی تو سوا نو ہی ہوئے ہیں سو جاؤ ابھی تو گھر میں سب سو رہے ہوں گے۔"

وہ اسے بتا کر پھر کروٹ بدل کر سو گیا۔

رامین کو دوبارہ نیند آنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اس گھر میں اس کی پہلی صبح تھی۔

فائق کا تو یہ اپنا گھر تھا۔ اسے سسرال کے سامنے اپنا امپریشن خراب ہونے کی فکر تھوڑی تھی جبکہ رامین کو احساس تھا کہ دن چڑھنے تک کمرے کا دروازہ بند رکھنا مناسب نہیں۔

ابھی تک ان لوگوں نے دستک دے کر جگایا تو تھا لیکن وہ کچھ سوچ کر خود ہی کمرے سے باہر نکلی۔ سامنے لاؤنج تھا وہاں اس کی ساس ناظمہ بیگم اخبار کی ورق گردانی کر رہی تھیں۔ آہٹ پر انہوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر قدرے چونکی تھیں۔

رامین نے انہیں ادب سے سلام کیا۔ سلام کا جواب تو مل گیا لیکن نئی دلہن ہونے کے ناتے جیسی دعا وہ سہاگن رہو جیسی کوئی روایتی دعا نہ ملی تھی۔

"کیا واقعی یہ شدید مزاج ہیں۔" وہ دل میں یہی سوچ پائی اتنے میں شبیر صاحب بھی وہاں آ نکلے تھے۔ وہ شب خوابی کے لباس میں تھے۔ لگتا تھا ابھی اٹھ کر آئے ہیں جبکہ ناظمہ خاصی فریش لگ رہی تھیں۔

رامین نے سسر کو بھی سلام کیا حسب توقع انہوں نے ڈھیروں دعاؤں سے نوازا تھا۔

"تمہاری امی کا فون آیا تھا بیٹا! ناشتہ لانے کا کہہ رہی تھیں۔" ناظمہ نے اسے مخاطب کیا۔

رامین کو بنی بنی میں ماں پر ترس آیا ابھی تو ان لوگوں کی رات کے کچن کی تھکن نہ اتری ہوگی اب صبح ناشتے کے اہتمام میں لگ گئے ہوں گے۔ کل ہاجرہ کی طبیعت ویسے ہی خاصی ناساز تھی وہ دل ہی دل میں ماں کے لیے فکر مند ہوئی لیکن ناظمہ کی اگلی بات نے اس فکر کا خاتمہ کر دیا۔

"میں نے ہاجرہ بہن کو ناشتہ لانے سے منع کر دیا۔ ایک تو وہ خود تھکی ہاری ہوں گی۔ اس تکلف میں پڑنے کی کیا ضرورت اور پھر ہمارے یہاں کوئی بھی اتنی جلد سو کر اٹھنے والا نہیں۔ اہتمام سے ناشتہ آتا اور ٹھنڈا ہو جاتا۔ لانے والے کی محنت بے کار ہی جاتی۔"

ناظمہ اس سے مخاطب تھیں۔ رامین نے سر ہلا کر ان کی بات سے اتفاق کیا لیکن شبیر صاحب فوراً بیوی پر خفا ہوئے۔

"آپ کی ہر منطق الٹی ہوتی ہے بیگم! یہ رسم و رواج کسی مقصد کے لیے ہی بنائے گئے ہیں نا۔ آپ کو ایک بیٹی کے والدین کی جذباتی کیفیت کا احساس ہی نہیں۔ رات انہوں نے بیٹی وداع کی ہے۔ ذہن میں سو طرح کے خدشے اور بے بنیاد باتیں سر اٹھاتی ہیں۔ وہ ناشتے کے بہانے صبح صبح اپنی بیٹی سے ملنا چاہتے تھے اور میرے خیال میں یہ ان کا حق تھا آپ کی اٹی منطق نے انہیں ان کے حق سے محروم کر دیا۔ کم از کم مجھ سے مشورہ ہی کر لیتیں۔"

وہ بہو کا لحاظ کیے بغیر بیوی پر خفا ہوئے تھے ایک لمحے کو ان کی باتیں رامین کے جی کو بھی لگی تھیں لیکن جب اس نے ساس کی خفت زدہ شکل دیکھی تو اسے لگا کہ اس وقت اسے ساس کی بات کی تائید کرنی چاہیے۔

"کوئی بات نہیں انکل! آنٹی کو جو مناسب لگا انہوں نے کیا اور شام کے ٹائم میں امی، پاپا سے ملاقات ہونی ہی ہے ناں۔ میں ابھی ان سے فون پر بھی بات کر لوں گی۔" وہ سبھاؤ سے بولی تھی۔

"جیتی رہو یہ سمجھ داری والی بات کی ناں لیکن ایک بات پر میں ابھی بھی خفا ہوں یہ تم نے مجھے انکل کیوں کہا، ہم تو تمہیں بیٹی بنا کر لائے ہیں اور بیٹی ہی سمجھتے ہیں۔ انکل وکل نہیں چلے گا آج سے مجھے ابو کہہ کر مخاطب کرنا ہے۔"

وہ شفقت بھرے انداز میں مخاطب ہوئے۔ رامین کو ان کے محبت بھرے انداز نے متاثر کیا۔

"ایک لڑکی جب رخصت ہو کر نئے گھر آتی ہے شبیر صاحب! تو اس سے یہ توقع لگانا کہ وہ آپ کو ایک دم سے ماں، باپ سمجھنا شروع کر دے گی مناسب نہیں۔ دونوں فریقین کو ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے تھوڑا وقت درکار ہوتا ہے۔ یہ رشتے اگر خلوص اور اپنائیت کے رنگوں سے مزین ہوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ بہو ساس سسر کو امی، ابو کہہ کر پکارتی ہے یا انکل آنٹی۔"

رامین نے آج پہلی بار ناظمہ کے منہ سے اتنی طویل بات سنی تھی۔ اسے ان کی بات سے کلی طور پر اتفاق تھا۔ ایک دم سے کسی کو اپنے ماں باپ کی جگہ

ALIFADAB.COM
Watermarkly

دینا آسان کب تھا اگر وہ انہیں امی، ابو کہہ کر پکارتی تب بھی یہ لفظ محض زبان سے ادا ہوتے تھے دل سے نہیں لیکن اس کے سسر تو بیوی کی ہر بات کی تردید کرنا خود پر لازم کیے ہوئے تھے۔

"آپ اور آپ کے فلسفے بیگم صاحبہ! ہم تو سیدھے، سچے من کے بندے ہیں۔ رامین کو بہو نہیں بیٹی بنا کر لائے ہیں تو اس سے ابو جی ہی کہلوانا پسند کریں گے آپ بھلے سے خود کو آنٹی کہلواتی رہیں۔" وہ بے نیازی سے بولے۔

رامین اس بحث میں خاموش تماشائی کی حیثیت سے کھڑی تھی اسے سمجھ میں نہ آیا وہ اس وقت کس کے موقف کی تائید کرے سو خاموش رہنے میں ہی عافیت تھی۔

"بھوک لگی ہے بیٹا! تو ناشتہ بنا دوں؟" ناظمہ نے بھی موضوع کو پلٹ دینا مناسب جانا۔

"شادی کی پہلی صبح فائق کے ساتھ ناشتہ کرے گی بھئی اور ناشتہ بھی ذرا اہتمام والا ہوگا۔ آپ بھی بہو کو آملیٹ پراٹھے پر ٹرخا دیں۔" شبیر صاحب نے پھر مداخلت کی تھی۔

"فائق تو جانے کب اٹھیں مجھے تو بھوک لگی ہے ابو! میں آپ لوگوں کے ساتھ ناشتہ کر لیتی ہوں۔"

اس نے انہیں ابو کہہ کر مخاطب کر کے ان کی فرمائش پوری کی تو ساتھ ناظمہ کی بات بھی رکھ لی۔

"ٹھیک ہے بیٹا! میں ناشتہ بناتی ہوں۔ فائق اور دوسرے بچے تو واقعی ایک بجے سے پہلے نہیں اٹھیں گے تم جب تک بھوکی تھوڑی رہو گی۔ یوں کرو، اتنے میں ناشتہ بنتا ہے اپنے امی ابو کو فون کر کے ان کی خیریت لے لو۔"

ناظمہ اس سے شفقت بھرے لہجے میں مخاطب ہوئیں۔ وہ سر ہلاتے ہوئے واپس بیڈ روم میں چلی گئی۔ فون اٹھایا تو چارجنگ بالکل ختم تھی۔ اسٹیشن سے اس نے کہا بھی تھا کہ وہ یاد سے چارجر بھی اس کے پرس میں ڈال دے لیکن وہ افراتفری میں بھول گئی تھی بیڈ روم میں اسے کوئی دوسرا چارجر بھی نظر نہ آ رہا تھا وہ ناظمہ سے کسی طرح کا [illegible] کچن کی طرف گئی۔ ساس، سسر اس کی اتنی جلد دوبارہ آمد سے قطعی بے خبر اپنی گفتگو میں مگن تھے۔ دونوں کی اس کی طرف پشت تھی وہ اسے نہیں دیکھ پائے۔ رامین بھی قدرے فاصلے پر رک گئی تھی۔

"لڑکی بہت تیز لگ رہی ہے ناظمہ بیگم دیکھ لینا بہت جلد پر پرزے نکال لے گی۔"

شبیر صاحب کی آواز سماعت سے ٹکرا تو رامین کو اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا۔ ذرا دیر پہلے وہ خود کو اس کے باپ کی جگہ قرار دے رہے تھے اور اب کس انداز میں اس کا ذکر کیا جا رہا تھا۔

دوغلا پن اور منافقت کسے کہتے ہیں رامین کو صحیح معنوں میں آج پتا چلا تھا دوسری طرف اس کی کم گو، وہ ساس جو اس کی ماں کی نظر میں گھنی میسنی سی تھیں بے ساختہ اس کی طرف داری میں بولی تھیں۔

"کوئی تیز ویز نہیں۔ بہت سلجھی ہوئی بچی ہے ایسے ہی تو میں نے اسے پہلی نگاہ میں پسند نہیں کر لیا تھا۔ پڑھے لکھے اور وضع دار والدین کی اولاد ہے۔ اس کی شخصیت سے ہی ماں باپ کی تربیت جھلکتی ہے۔ دیکھ لیجیے گا اپنے انتخاب کو غلط ثابت نہیں کرے گی۔"

وہ تیقن بھرے لہجے میں بولیں۔ رامین چپکے سے واپس پلٹ گئی تھی۔ شادی شدہ زندگی کی پہلی صبح ساس اور سسر کے متعلق دل میں جو رائے قائم ہوگئی ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ رائے مستحکم ہوتی گئی۔

☆☆☆

شبیر صاحب بہت کائیاں شخص تھے اپنی چرب زبانی سے انہوں نے اولاد سمیت سب کو ہی اپنی مٹھی میں کر رکھا تھا اگر رامین اتفاقیہ طور پر ان کا روپ نہ دیکھ لیتی تو شاید وہ بھی ان کے ظاہری روپ کو سچا سمجھ لیتی۔

ناظمہ بظاہر سخت گیر ماں تھیں۔ وہ خود بہت منظم زندگی گزارتی تھیں اور یہی توقع اولاد سے بھی کرتی تھیں لیکن بچے ان کی کوئی بات ماننے پر تیار ہی نہ تھے۔

رات گئے تک جاگتے، صبح دن چڑھے سو کر اٹھتے۔ ماں خفا ہوتی تو باپ تھپکی دے کر لاڈلوں کو اور شہ دے دیتا ایسے ہی بچے باپ کے گرویدہ نہ تھے۔

گھر کی بنی دال سبزی باپ اور بچوں کے حلق سے نہ اترتی۔ آئے روز کوئی نہ کوئی ڈیل منگوائی جا رہی ہوتی۔ ناظمہ بڑھتی مہنگائی اور گھر کے محدود بجٹ کا ذکر کرتیں تب بھی بچوں سے پہلے شبیر صاحب ہی بیوی کو چپ کروانے کا فریضہ انجام دیتے۔

"گھر میں دو، دو تنخواہیں آ رہی ہیں بیگم! ایک میری ایک فائق کی پھر تمہاری پنشن بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔ کبھی کبھار بچے من مرضی کا کھا لیں تو کیا مضائقہ ہے۔ شکر کرو اولاد فرماں بردار ہے۔ چوری چھپے باہر سے کھا کر نہیں آتی۔ جو منگواتے ہیں گھر پر منگواتے ہیں اور سب مل بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ بچوں کی اس چھوٹی موٹی تفریح پر قدغن مت لگایا کرو۔"

"ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں ابو! ہم کون سا روز روز باہر کا کھاتے ہیں جو آپ دال سبزی بناتی ہیں چپ چاپ کھا تو لیتے ہیں۔"

شارق پیزا کا بڑا سا بائٹ لیتے ہوئے بولا۔

رامین نے اس دال سبزی کھانے والے کو دیکھا جس دن گھر میں دال سبزی بنتی شارق کے لیے یا تو فریزر میں رکھے کباب فرائی ہوتے ورنہ وہ دو انڈوں کا آملیٹ بنا کر کام چلاتا۔

رامین بارہا نوٹ کر چکی تھی کہ ناظمہ اپنی ڈائری سنبھالے گھر کا بجٹ بنانے اور اخراجات میں توازن رکھنے میں ہلکان رہتی ہیں لیکن گھر کا کوئی فرد ان کی مشکل سمجھنے کو تیار نہ تھا۔

رامین خود ایک مڈل کلاس گھرانے سے آئی تھی۔ بڑھتی مہنگائی گھریلو بجٹ پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے اسے بخوبی احساس تھا۔

اس کے اپنے گھر میں بھی گھر کا بجٹ ماں ہی بناتی تھیں لیکن پاپا نہ صرف ان کی سمجھ داری کا برملا اعتراف کرتے تھے بلکہ خود اپنے ذاتی اخراجات کے لیے مختص کردہ رقم سے بھی بیوی یا بچوں کے لیے ان کی سہولت کا سامان کرنے کی اپنی سی کوشش میں لگے رہتے، ماں اور باپ کے اس خلوص بھرے رشتے سے زندگی بہت سہل اور سبک خرام تھی لیکن اس گھر میں معاملہ برعکس تھا۔

معاملات چلانے کی ساری ذمہ داری ناظمہ کے سر تھی۔ سب ناظمہ کو ماہانہ خرچ دے کر ہاتھ جھاڑ لیتے بلکہ کسی نہ کسی بہانے تھوڑے بہت پیسے واپس بھی ہتھیانے کے چکر میں رہتے۔ ناظمہ ان کی شاہ خرچیوں پر جلتی کڑھتی یا خفا ہوتیں، تب بھی شبیر صاحب انہیں ظالم اور باقی لوگوں کو مظلوموں میں کھڑا کرتے۔

☆☆☆

شادی کے بعد فائق کی پہلی تنخواہ آئی تو اس نے رامین کے سامنے ہی ماں کے حوالے کی۔ ناظمہ نے نوٹ گننے کے بعد ذرا پریشان ہو کر بیٹے کو دیکھا۔

"یہ تو کافی کم ہیں۔" بہو کے سامنے بیٹے سے استفسار کرتے ہوئے وہ ذرا سا جھجکی تھیں لیکن فائق کے کچھ بولنے سے پہلے ہی شبیر صاحب بول پڑے تھے۔

"کمال کرتی ہو۔ اب خیر سے بیٹا گھر بار والا ہو گیا ہے۔ یہ اس کی فرماں برداری ہے کہ اب بھی تنخواہ تمہارے ہاتھ پر لا رکھی۔ ارے اب اس کے خرچے پہلے سے بڑھیں گے یا نہیں۔ نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ بچے گھومیں پھریں گے کچھ عیش کریں گے۔ یہ سنہرے دن پھر واپس تھوڑی آئیں گے اگر اس نے اپنے خرچے کے ساتھ چار پیسے فالتو رکھ لیے تو کوئی حرج نہیں۔" وہ رسانیت سے بولے۔

فائق مطمئن سا خاموش کھڑا رہا۔ اس کی بھرپور وکالت اس کے والد محترم نے کر تو دی تھی۔

"شادی پر جو کمیٹی ڈالی تھی، وہ فائق کی تنخواہ سے ہی جاتی ہے میری پنشن اور آپ کی تنخواہ تو گھر میں ہی لگ جاتی ہے۔ گزارہ کیسے ہوگا۔"

رامین کچن کی طرف مڑی تو ناظمہ نے دبی دبی آواز میں شوہر کو مخاطب کیا۔

"اللہ خیر کرے گا۔ ہر بار تم یونہی پریشان ہوتی ہو اور کرتی ہو۔ پھر بھی مہینہ بخیر و خوبی گزر جاتا ہے ناں۔"

شبیر صاحب کے اطمینان میں ذرا فرق نہ آیا تھا۔ رامین کو ساس پر ترس آیا تھا رات کی تنہائی میں اس نے فائق سے یہ ہی بات چھیڑی۔

"اس بار آپ نے اپنے خرچے کے لیے ڈبل

ALIFADAB.COM
Watermarkly

رقم رکھ لی۔ آنٹی کی مجبوری بھی تو سمجھیں ناں۔ انہوں نے کمیٹی وغیرہ ڈالی ہوتی ہے۔"

"تم ٹینشن نہ لو امی میں ٹھیک کرلیں گی۔" فائق نے اسے تسلی دی۔

"بات ٹینشن کی نہیں لیکن سچ میں مجھے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ میری وجہ سے آپ کے کون سا اتنے خرچے بڑھ گئے جو آپ ایک تہائی تنخواہ خود رکھ لیتے۔ ہم تو دس بارہ دن میں آؤٹنگ پر باہر نکلتے ہیں اور آپ کو پتا ہے میں تو ایک برگر اور کولڈ ڈرنک لے کر ہی خوش ہونے والوں میں سے ہوں۔ آپ نے فضول اپنا بیسیے خرچ بڑھایا۔"

رامین واقعی خود کو اس اضافی بیسیے خرچ کی وجہ گردانتے ہوئے شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔

"ارے بدھو ہو تم، تمہاری وجہ سے زائد رقم تھوڑی رکھی ہے میں نے۔ یہ جو میرے خبیث دوستوں کا ٹولہ ہے ان کو شادی کی ٹریٹ دینی ہے، وہ بھی شہر کے سب سے مہنگے ریسٹورنٹ میں۔"

فائق کے کہنے پر رامین نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں وہ بلاوجہ ساس کے سامنے خود کو چور محسوس کر رہی تھی یہاں تو معاملہ ہی الگ تھا۔

"اور اب میں نے سوچ لیا ہے ہر مہینے کچھ پیسے الگ کر کے رکھوں گا۔"

اس کی اگلی بات پر رامین کے دل کو کچھ تسلی ہوئی شاید وہ کہے گا کہ اب ہم دونوں اپنے بہتر مستقبل کے لیے کچھ بچت ایک سائیڈ پر رکھیں گے آخر کل کو فیملی بڑھنی ہے، اس کے بارے میں بھی سوچنا ہے لیکن فائق نے فوراً ہی اس خوش فہمی کا خاتمہ کر دیا۔

"موبائل نیا لینا ہے یار۔ یہ موبائل تین سال سے چلا رہا ہوں۔ اب بس ہو گئی ہے میری سب دوستوں کے پاس نئے سے نیا ماڈل ہے۔ میں ابھی تک اسی پر ہوں۔"

وہ بیزاری سے موبائل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ رامین [illegible] ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گئی تھی۔

پڑوس والی آنٹی کی مسرت ملنے آئی تھیں۔ رامین پندرہ دنوں میں پڑوس کی سب ہی آنٹیوں سے بخوبی واقف ہو چکی تھی۔

وہ آتیں تو اس کی ساس کے پاس تھیں لیکن انہیں بھرپور بھی اس کے سسر صاحب دیتے تھے۔ شبیر بھائی شبیر بھائی سنتے ان خواتین کے منہ نہ سوکھتے تھے اور بے چاری نائلہ آنٹی کو تو ان عورتوں کے پاس دو گھڑی بیٹھنے کو فرصت نہ ملتی۔

"بھئی نائلہ! مسرت بہن آئی ہیں۔ چائے کے ساتھ کباب بھی ضرور فرمائی کرنا۔"

وہ بیوی کو مخاطب کرتے۔ نائلہ ٹھنڈا سانس بھر کر کچن کی راہ لیتیں۔

"مہنگائی کا یہ عالم ہے اپنا پورا نہیں پڑتا اور تمہارے ابو ان عورتوں کی آمد پر اتنا اہتمام کروا لیتے ہیں۔ یہ کباب اس لیے بنائے تھے کہ اس میں دال سبزی بنا کر گزارہ کر لوں گی۔ شام کو سبزی کے ساتھ تم لوگوں کو ایک ایک کباب فرمائی کر دوں گی خالی سبزی تمہارے حلق سے کب اترے گی۔"

نائلہ حفصہ سے مخاطب تھیں لیکن یہ گفتگو کچن کے باہر سے گزرتی رامین کے کانوں میں بھی پڑ رہی تھی۔

"اُفوہ امی! سبحان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔ آپ دل چھوٹا نہ کیا کریں۔ ابو کی طرح بڑے دل والی بنیں۔" حفصہ ایک کباب پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے ماں کو مفت مشورے سے نوازنے چلی تھی۔

"اس عمر میں سب ہی بچی ہیں۔ ایک میں ہی ہوں چھوٹے دل اور چھوٹے ظرف والی۔" وہ تپ کر بولیں۔

حفصہ جا چکی تھی یہ تکرار کچن میں داخل ہوتی رامین کی سماعت سے ٹکرایا تھا۔ وہ سب کو دیکھ کر کچھ خفیف ہوئیں۔

"آنٹی! آپ جا کر ڈرائنگ روم میں بیٹھیں۔ میں چائے لاتی ہوں۔" اس نے نرمی سے انہیں مخاطب کیا۔

"بیٹا! نمکو اور بسکٹ بھی رکھ لینا پھر بولیں گے تمہارے ابو" وہ دھیمے سے کہتی کچن اسے سونپ کر

باہر نکل گئیں۔

رامین نے پرسوچ انداز میں انہیں دیکھا۔ اسے لگا کہ اب اسے اپنی ساس کی مدد کے لیے میدان میں آنا ہی ہوگا۔

☆☆☆

رات کے کسی پہر نائلہ کے زور زور سے ہلانے پر رامین کی آنکھ کھلی۔ رامین گھبرا کر اٹھی تھی۔ فائق کو بھی کندھا ہلا کر جگایا۔

"جا کر دیکھیں آنٹی کس پر بگڑ رہی ہیں۔"

فائق نے کان لگا کر بات سننے کی کوشش کی۔

"ارے کچھ نہیں یار! امی شارق پر غصے ہو رہی ہیں۔ دیر سے گھر آتا ہے امی کو اس کے انتظار میں جاگنا پڑتا ہے۔"

فائق اسے بتا کر پھر کروٹ بدل کر سو گیا۔ رامین نے بھی آوازوں پر کان دھرنے کی کوشش کی۔ اب شبیر صاحب بیوی پر برس رہے تھے۔ جوان اولاد کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے پر اولاد کے باغی ہونے کا ڈراوا دے رہے تھے۔

رامین کو تاسف نے آن گھیرا۔ اولاد کو ساری شان کے والد صاحب کی طرف سے ہی ملی ہوئی تھی وہ ماں کو غلط اور اپنی ہر غلط حرکت پر خود کو حق بجانب سمجھتے تھے۔ اب اسے اپنی بے چاری ساس کی مدد کے لیے کچھ کرنا ہی تھا۔

☆☆☆

"فائق بیٹا! میری پنشن آ گئی ہے۔ اے ٹی ایم کارڈ لیتے جانا دفتر سے واپسی پر پیسے نکلوا لینا۔"

نائلہ ناشتے کی میز پر بیٹے سے مخاطب تھیں۔

فائق نے ٹھیک ہے امی کہہ دیا تھا۔ دن میں جب ساس بہو اکیلی تھیں تب رامین موبائل فون لیے ساس کے پاس آئی۔

"آنٹی! دیکھیے۔ ایک معروف برینڈ نے زبردست سیل آفر کی ہے اور دھڑا دھڑ سوٹ بک رہے ہیں۔ میں نے اپنے لیے ایک سوٹ ڈن کر دیا ہے، اب آپ بھی جلدی سے اپنے ایک دو سوٹ سلیکٹ کر لیں۔" اس نے موبائل ساس کی طرف بڑھایا۔

"ارے نہیں بیٹا! میں فی الحال نہیں لے سکتی۔" انہوں نے موبائل تھامنا تک نہیں۔

"آنٹی سیزن بدل رہا ہے۔ آپ دو ہی دو، تین جوڑے اول بدل کر پہنے جا رہی ہیں۔ بہت مناسب قیمت میں کپڑے مل رہے ہیں تو موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ کم از کم دو سوٹ تو لے لیں۔" اس نے انہیں ترغیب دلائی۔

"کہا ناں رامین! فی الحال گنجائش نہیں۔" وہ ذرا بیزاری سے بولیں۔

"گنجائش نکالنے سے نکلتی ہے آنٹی اور آج تو آپ کے ہاتھ میں آپ کی پنشن بھی آ رہی ہے۔ ٹھیک ٹھاک اماؤنٹ ہوتی ہے۔ آپ دو جوڑے چار سوٹ بھی لے سکتی ہیں۔" وہ جوش بھرے انداز میں بولی۔

"چار سوٹ بنوالوں تو مہینے کا خرچہ کون چلائے گا بیٹا جی!" وہ پھیکی سی ہنستے ہوئے بولیں۔ رامین موبائل سائیڈ پر رکھتے ہوئے ان کے پاس آن بیٹھی۔

"آنٹی! آپ میری ساس ہیں اور دنیا کی نظر میں ساس، بہو کا رشتہ بہت نازک سا ہوتا ہے لیکن کیا میں ہمت کر کے آپ سے چند دل کی باتیں کر سکتی ہوں۔"

وہ کچھ جھجکتے ہوئے ان سے مخاطب تھی۔ نائلہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ایسی کیا بات ہے بیٹا؟ کہو، میں سن رہی ہوں۔"

"صرف سنتا نہیں ہے میری باتوں پر عمل بھی کرنا ہے۔ میں بہت دنوں سے آپ سے بات کرنے کی ہمت جمع کر رہی تھی کبھی سوچتی کہ آپ میری نیت پر شک نہ کریں کبھی ڈرتی کہ گھر میں کسی اور کو میرے ارادوں کا علم ہو گیا تو سب میرے بارے میں کیا سوچیں گے۔ مجھے ابھی اس گھر کا حصہ بنے زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے۔ آپ سمیت ہر کوئی میرے بارے میں غلط گمان کر سکتا ہے لیکن پھر میں نے یہ سوچ کر ہمت کی کہ کم از کم آپ میرے خلوص کو غلط معانی نہیں پہنائیں گی۔ اتنے سے عرصے میں میں آپ کو اتنا تو جان ہی گئی ہوں۔"

ALIFADAB.COM
Watermarkly

رامین نے طویل تمہید باندھی۔ اس بار ناظمہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"اچھا تو میری بہو اپنی ساس کو کن مشوروں سے نوازنے لگی ہے۔"

وہ دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ رامین کو ان کے انداز سے حوصلہ ہوا۔

"اس بار آپ گھر کا خرچا ابو کے سپرد کردیں۔" اس نے جی کڑا کرکے کہہ دیا۔

"تمہیں بھی لگتا ہے میں گھر کا خرچا چلانے میں کنجوسی سے کام لیتی ہوں۔" وہ فوری طور پر یہ ہی نتیجہ اخذ کرپائیں۔

"بالکل نہیں۔ مجھے ایسا قطعی نہیں لگتا بلکہ مجھے یہ لگتا ہے کہ سب گھر والے آپ کا بہت استحصال کرتے ہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

چند لمحوں کے لیے ناظمہ کچھ نہ بول پائیں جو بات کبھی ان کی اولاد نے ان کے لیے محسوس نہ کی وہ کوئی خونی رشتہ نہ ہونے کے باوجود ان کی بہو نے محسوس کرلی تھی۔

"آپ اس مہنگائی کے عالم میں جس طرح گھر کے اخراجات اور آمدنی میں توازن قائم رکھنے کی کوشش میں ہلکان رہتی ہیں۔ گھر کے کسی فرد کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ہر کوئی شاہانہ انداز میں اپنا لائف اسٹائل مین ٹین رکھے ہوئے ہے اور آپ ایک معقول پنشن رکھتے ہوئے بھی اپنی ذات پر ایک پائی تک خرچ نہیں کرپاتیں۔

اس کے باوجود کسی کو آپ کی قربانی کا احساس تک نہیں۔ اس بار آپ اس جھنجھٹ سے جان چھڑائیں جس طرح ابو اور فائق اپنی تنخواہوں میں سے اپنا بھاری جیب خرچ رکھنے کے بعد آپ کو باقی رقم احسان کرکے تھماتے ہیں اس بار آپ ان کے ساتھ یہ ہی کریں۔ اپنی پنشن میں سے اپنے خرچ کی رقم الگ کریں اور باقی پنشن ابو کے ہاتھ پر رکھیں۔ اب ابو جانیں اور فائق۔ گھر چلانا ان کی ذمہ داری ہے آپ کی دوسری نہیں۔"

وہ بولنے پر آئی تو بولتی ہی گئی۔ ایک تکان بھری مسکراہٹ ناظمہ کے لبوں پر بکھر گئی۔

"تمہارے ابو کا ہاتھ بہت کھلا ہے وہ چند روز میں رقم برابر کردیں گے۔"

"تو کردیں۔ آخر کار تسلیم تو کرنا پڑے گا ان کو کہ یہ آپ کی ہی ہمت ہے جو ان پیسوں میں کھینچ تان کر مہینہ پورا کرتی ہیں پھر بھی سب آپ سے ہی شاکی رہتے ہیں۔" وہ اپنی بات پر ڈٹی ہوئی تھی۔ ناظمہ پھیکا سا ہنس دی تھیں۔

"آنٹی آپ کو میری نیت پر شک تو نہیں؟" سب کچھ کہنے کے بعد اس نے قدرے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"نیت پر شک کیوں کرنے لگی بس حیران ہوں کہ کوئی بہو ساس کے لیے اتنا حساس ہوسکتی ہے۔" انہوں نے اسے محبت سے دیکھا تھا۔

"حیران مت ہوں بس کچھ عرصے کے لیے بہو کے مشوروں پر عمل کرکے دیکھیں افاقہ نہ ہوا تو پرانی روٹین اپنا لیجیے گا۔" وہ مسکرا کر مخاطب ہوئی۔

"چلو دیکھتے ہیں۔" ناظمہ نے اس کا دل رکھنے کے لیے ہی اس کی بات مان لی تھی۔

☆☆☆

"یہ لیں امی آپ کی پنشن۔" فائق نے نوٹ گن کر ماں کو تھمائے۔ ناظمہ نے چند نوٹ نکال کر پیسے واپس فائق کو دیے۔

"یہ لو بیٹا! اپنے ابو کے حوالے کردو۔"

"مطلب؟" وہ حیرانی سے ماں کو دیکھنے لگا۔

شبیر صاحب نے بھی بیوی کی بات سن کر ناسمجھی سے بھنویں اچکائیں۔

"اس ماہ سے خرچا تمہارے ابو چلائیں گے۔ میں نے اپنی چند ضرورتوں کے لیے تھوڑی سی رقم رکھ لی ہے باقی کے پیسے تمہارے ابو کے حوالے۔" وہ مسکرا کر بولی تھیں۔

"یعنی ہمارے گھر کا فنانس منسٹر تبدیل ہوگیا۔ گریٹ بھئی یہ لیجیے ابو پیسے سنبھالیے۔" فائق نے

مسکرا کر پیسے باپ کے حوالے کیے۔

"مذاق کررہی ہے تمہاری ماں۔ اتنی آسانی سے اپنے اختیارات مجھے کیوں سونپنے لگی۔ دو پیسے ماں کو۔" انہوں نے نوٹ واپس بیٹے کو تھمانے چاہے۔

"نہیں بھئی، یہ میرا قطعی فیصلہ ہے اور میں بخوشی اپنے اختیارات آپ کو سونپ رہی ہوں۔ اب آپ اس گھر کے مالی معاملات کے کرتا دھرتا ہیں۔ چاہے کریں یا سفید، روز دال روٹی کھلائیں یا مرغ مجنجن میں کوئی اعتراض نہیں کروں گی۔"

وہ مطمئن مسکراہٹ چہرے پر سجا کر شوہر سے مخاطب ہوئیں۔

"ابو کیوں کھلانے لگے روز دال روٹی۔ اب تو ہمارے مزہ کرنے کے دن آگئے۔ فار گاڈ سیک ابو! امی کی آفر سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ پیشکش رد نہ کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔" حفصہ نے باپ سے التجا کی۔

سومیہ اور شارق نے بھی "مان جائیں ابو!" کا شور بلند کردیا۔

"ارے بیٹا! امی ماں کو کیوں پریشان کررہے ہو۔ آج گھر کے مالی اختیارات مجھے سونپ رہی ہے کل چھوٹی چھوٹی باتوں پر مجھ سے حساب کتاب لے گی۔ میں اس کا کڑا آڈٹ کیسے بھگت پاؤں گا۔" وہ مسکین شکل بنا کر بولے۔

"کہاں ماں کوئی حساب کتاب نہیں لوں گی۔ آپ اپنے حساب سے گھر کا خرچا چلائیں۔ میری طرف سے کوئی دخل اندازی نہیں ہوگی۔ ویسے بھی میں یہ ذمہ داری نبھا کر تھکنے لگی ہوں۔ میرے ڈاکٹر نے بھی اس بار مجھے یہ ہی نصیحت کی ہے کہ بڑھتے ہوئے بلڈ پریشر اور اینزائٹی سے جان چھڑوانی ہے تو ذہن کو ہر طرح کی فکروں سے جھٹک دیں لیکن مجھے لگ رہا ہے کہ آپ خود بھی یہ ذمہ داری قبول کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں۔" انہوں نے شوہر کو مسکرا کر دیکھا۔

"میں کیوں ہچکچاؤں گا۔ یہ کون سا مشکل کام ہے۔ بس تم عورتوں کو شوق ہوتا ہے گھر کی تجوری پر کیسے قبضہ برقرار رکھا جائے ہم تو تمہاری خاطر ہی تمہیں اس گھر کا مختار کل بنائے ہوئے تھے۔" شبیر صاحب نے اب بھی اپنے پروں پر پانی نہ پڑنے دیا۔

"تو ٹھیک ہے ناں، اب میری خاطر ہی مجھے مختار کل کے عہدے سے رخصت عنایت کریں۔ فائق بیٹا! جب تمہاری تنخواہ آئے تو تم نے بھی اپنی ضرورت کا خرچا رکھ کر تنخواہ اپنے ابو کو ہی دینی ہے۔"

ناظمہ نے شوہر کو جواب دے کر بیٹے کو مخاطب کیا۔ اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ رامین کو اب بھی اپنے سسر کے چہرے پر تذبذب بھرے تاثرات نظر آئے تو اس نے کھانا لگنے کا اعلان کرکے موضوع ہی بدل دیا۔

اگلے دو تین دن تک شبیر صاحب بیوی پر احسان دھرتے ہوئے انہیں پھر سے مالی نظم و نسق واپس سنبھالنے کی پیشکش کرتے رہے لیکن ناظمہ ان کی چکڑائی میں نہ آکر دیں۔ رامین ساس کی کارکردگی سے سو فی صد مطمئن تھی اور موقع پا کر اس نے انہیں چند مزید مشوروں سے نواز دیا تھا۔

☆☆☆

شارق کی رات دیر سے آنے کی روٹین اب بھی برقرار تھی وہ بلا کا غیر ذمہ دار اور لاپرواہ لڑکا تھا۔ گھر کے مین گیٹ کی کئی چابیاں گم کرچکا تھا اس لیے اب خود ہی چابی ساتھ لے جانے کا تردد نہ کرتا اس کے انتظار میں ماں جو جاگ رہی ہوتی جو پہلی بیل پر گیٹ کھل جاتا دو چار صلواتیں تو ضرور سناتی مگر کھانا بھی گرم کرکے دیتیں۔

اب ناظمہ نے اس کے انتظار میں جاگنا ترک کردیا تھا۔ وہ مقررہ وقت پر منہ لپیٹ کر سوتی بنیں اور اپنے کانوں کے ساتھ موبائل بھی بند کردیتیں۔

شارق ایک دو بار گھر کی اطلاعی گھنٹی بجاتا پھر ناظمہ کے موبائل پر کال کرتا۔ کوئی رسپانس نہ ملنے پر وہ باپ کو کال کرتا۔

ایک دن، دو دن، تین دن اور بس چوتھے دن تو شبیر صاحب کی بس ہوگئی وہ جو پہلے بیوی کو جوان اولاد پر بگڑنے سے منع کرتے تھے اب خود شارق کو

ALIFADAB.COM
Watermarkly

سخت سست سنانے لگے۔

"گھر آنے کا ٹائم مقرر کرو صاحبزادے! کل سے اتنی دیر سے گھر لوٹے تو ماں خود دروازہ کھولوں گا نہ کسی کو کھولنے دوں گا۔"

وہ اسے تنبیہ کر رہے تھے۔ اپنے کمرے میں دروازے سے کان لگائے کھڑی رامین کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆☆☆

پڑوس سے دو آنٹیاں ملنے آئیں۔ دروازہ رامین نے کھولا۔ خواتین کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر اس نے ساس کو اطلاع دی۔

"آنٹی! وہ جو آپ کا نیا سوٹ سل کر آیا ہے ناں۔ وہی پہن کر آیئے گا۔ اتنے میں انہیں کمپنی دیتی ہوں۔" وہ جلدی سے کہہ کر پھر سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔

نائلہ مسکرائی تھیں ذرا دیر بعد وہ بھی ڈرائنگ روم میں تھیں۔

ہر بار کی طرح آج ان کا حلیہ اول جلول سا نہ تھا۔ سوبر رنگ کا نیا لان کا جوڑا، سلیقے سے بنے ہوئے بال اور ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک۔ اس گرم موسم میں وہ خاصی "کول" لگ رہی تھیں۔

"واہ نائلہ بھابھی! انہیں جانے کی تیاری ہے۔" نگہت آنٹی نے انہیں سراہتے ہوئے بے ساختہ پوچھا۔

"اس گرم موسم میں کہاں نکلنا ہے نگہت بھابھی!" وہ مسکرائی تھیں۔ چند لمحوں بعد شبیر صاحب بھی آ گئے تھے۔ وہ کسی کام سے باہر گئے تھے۔ پسینے میں قمیص تر بتر ہو رہی تھی۔ پڑوسن آنٹیوں سے سلام دعا کا تبادلہ ہوا۔

"بھئی نائلہ! مسرت بھابھی اور نگہت بھابھی کی خاطر کا کوئی اہتمام کرو۔" وہ معمول کے مطابق انہیں کمپنی دینے بیٹھ چکے تھے۔

"چائے تو رامین بنا رہی ہے۔ بس آپ کا انتظار تھا۔ [illegible] نگہت بھابھی! آپ سے کب سے گپ شپ لگانے کا آج بہت مدت بعد آئی ہیں۔ میں [illegible] سے گپ شپ لگالوں۔"

نائلہ کا آج اٹھنے کا کوئی موڈ نہ تھا۔ پر خواتین کے سامنے وہ انکار کی پوزیشن میں نہ رہے بڑبڑ ہوتے اٹھے۔

"ارے رہنے دیں شبیر بھائی! اس گرمی میں [illegible] سے کہاں بازار جائیں گے۔" نگہت نے انہیں روکا۔

"گرمی تو واقعی بلا کی ہے۔ آپ رامین بیٹی سے کہیں چائے رہنے دے۔ شربت بنا لائے۔"

شبیر صاحب واقعی باہر جانے کے موڈ میں نہ تھے۔ اس لمحے رامین جگ بھر کے مینگو اسکوائش بنا لائی تھی۔ شبیر صاحب نے سکون کا سانس لیا۔ مہمان خواتین کے جانے کے بعد بیوی پر ضرور برسے۔

"آپ نے تو صرف زبان ہلا دی۔ چکن رول اور سموسے لے آیئے مہنگائی کا عالم دیکھیے۔ گھر کا پورا نہیں پڑتا سینکڑوں روپے فضول کی مہمان داری میں پھونک دیں۔" وہ بڑبڑ کر رہے تھے۔

"مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں شبیر صاحب! اپنے حصے کا رزق لاتے ہیں بس ہمیں اپنا ظرف بڑا کرنے کی ضرورت ہے۔"

انہوں نے بردباری سے شوہر کو سمجھایا۔ وہ بنا کچھ کہے بیوی کو فقط گھور ہی پائے۔ رامین مسکراہٹ دبائی وہاں سے کھسک لی تھی۔

☆☆☆

"ابھی پچھلے ہفتے تم لوگوں نے ڈیل منگوائی تھی آج پھر کس خوشی میں باہر سے کھانا منگوایا جا رہا ہے۔" وہ آج بچوں کو لائن حاضر کیے ہوئے تھے۔

"یار ابو! کیا ہو گیا ہے آج کل آپ میں امی کی روح گھسی ہوئی ہے۔ ان کی طرح ہر وقت روک ٹوک کرتے رہتے ہیں۔"

"بیٹا جی! بات نہ تمہاری ماں کی ہے نہ میری۔ بات ہے بڑھتی ہوئی مہنگائی اور تمہاری بگڑی ہوئی عادتوں کی۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ جب تک خرچا تمہاری امی کے ہاتھ میں تھا مجھے خود اندازہ نہیں تھا کہ

ایک جنت کس طرح جوڑ توڑ کر کے خرچا پورا کرتی تھی اب یہ عالم ہے کہ میں تمہاری امی کی پنشن اور اپنی اور فائق کی تنخواہ کے علاوہ دفتر کے ساتھی سے بھی پندرہ ہزار ادھار پکڑ چکا ہوں اور [illegible] مہینہ ختم ہونے میں پانچ دن پھر بھی باقی ہیں۔"

وہ اولاد کو ہوش دلا رہا مہنگائی کا احساس دلاتے دلاتے سچائی بیان کر بیٹھے۔

نائلہ کی پلکیں پل بھر کو نم ہوئیں۔ جانے آج ہماری خدا کس موڈ میں تھے جو یوں انہیں اولاد کے سامنے طراح تحسین پیش کر ڈالا۔

رامین بھی دل میں یہ سوچ رہی تھی کہ کوئی بھی انسان سو فی صد اچھا یا سو فی صد برا نہیں ہوتا۔ شبیر صاحب بھی بیوی بچوں سے محبت کرتے ہی ہوں گے بس ان کی کچھ عادتیں صحیح طلب تھیں اور رامین کی حکمت عملی کی وجہ سے ان عادتوں میں سدھار آنے لگا تھا۔

ساس بہو کی نظریں ملیں اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دی تھیں۔

"آپ ٹینشن نہ لیں۔ ابھی تو کمیٹی کی وجہ سے ایک بڑی رقم دینی پڑی ہے۔ چھے، سات مہینے کی تنگی ہے کمیٹی ختم ہو جائے گی تو ان شاء اللہ حالات بہتر ہو جائیں گے۔" نائلہ نے اب شوہر کو تسلی دی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اب سب کو احساس ذمہ داری سے کام لینا ہوگا ہمارا قومی مزاج ہی یہ بن چکا ہے کہ مقروض ہونے کے باوجود اپنے اللے تللوں پر قابو نہیں پاتے۔ اپنی ذات میں سدھار لائیں گے تو بحیثیت قوم بھی ترقی کر پائیں گے اور اس حوالے سے اپنی اولاد کی تربیت کرنا ہم دونوں کی ذمہ داری ہے بیگم!" وہ از حد سنجیدہ تھے۔

"اپنے تین بچوں کی تربیت آپ دونوں کریں میری تربیت کی ذمہ داری تو میری بیگم نے اٹھا رکھی ہے۔ دن رات لیکچر ملتے ہیں کہ میں کس طرح ایک ذمہ دار اور محب وطن پاکستانی، سعادت مند اولاد، نیک سیرت مسلمان اور فرماں بردار شوہر بن سکتا ہوں۔" فائق مسکین شکل بنا کر بولا تھا۔

"تو یہ فائق الفرماں بردار شوہر بننے کا سب کہا۔" رامین پل بھر میں سرخ ہوئی تھی۔

"میری بہو لاکھوں میں ایک ہے خوش قسمت ہو بیٹا! جو رامین جیسی لڑکی کا ساتھ ملا۔" نائلہ بیگم اس پر محبت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے بولیں۔

رامین جھینپ کر ہنس پڑی تھی۔ خوش قسمت تو وہ خود بھی تھی جو روایتی سسرال کے برعکس ایک روشن خیال سسرال ملا۔ خاص طور پر اس کی کم گو ساس کے متعلق اس کی ماں کے سارے خدشات یکسر غلط ثابت ہوئے۔

انہوں نے اس کی زبردستی کی ماں بننے کے بجائے اچھی ساس بننا پسند کیا تھا تو رامین بھی بہترین بہو ثابت ہوئی۔ ان دونوں کے باہمی تعلق نے عورت، عورت کی دشمن ہوتی ہے والے محاورے کو یکسر غلط ثابت کر دیا تھا۔

اس بار میکے جا کر اس نے ماں کے سامنے ساس کی تعریفوں کے پل باندھے تو وہ خوش ہونے کے ساتھ ساتھ حیران بھی ہوئیں۔

"اس دور میں ایسی ساسیں بھی ہوتی ہیں۔" ہاجرہ نے اپنی حیرت کا برملا اظہار کیا۔

"تعلیم یافتہ اور باشعور عورت مثالی ساس بھی ہوگی اور بہترین بہو بھی بلکہ وہ خود سے وابستہ ہر رشتے کو ہی مثالی انداز میں نبھائے گی۔" رامین نے مسکرا کر ماں کو مخاطب کیا۔

"دیکھ لیں امی! آپی اپنی ساس کی تعریف کے ساتھ ساتھ بالواسطہ اپنی تعریف بھی کر رہی ہیں۔" افشین نے مسکرا کر بہن کو چھیڑا۔

"تو میری بیٹی ہے ہی تعریف کے قابل۔ شکر ہے کہ اس نے میری باتوں میں گھر روایتی تعصب کی عینک لگا کر اپنی ساس کو نہیں جانچا بلکہ عقل مندی سے کام لے کر اس گھر میں اور سب کے دل میں اپنی جگہ بنائی۔" ہاجرہ نے بیٹی پر پیار بھری نگاہ ڈالی۔

رامین کے لبوں پر بھی آسودہ سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

☆☆

ALIFADAB.COM
Watermarkly

مکمل ناول

ماحول کو سحر انگیز بنا رکھا تھا۔ مگر اس وقت اس ڈرائنگ روم میں موجود کوئی بھی نفوس کسی بھی چیز کی

عنبرین آبدار

سرخ روشنی سے محبت

سرما کی پہلی برف باری کا آغاز ہو چکا تھا۔ وہ جانے کب بار سے نکل کر دھیرے دھیرے چلتا سڑک کنارے موجود اس سنگی بنچ پہ آ بیٹھا تھا۔

اس سے کچھ فاصلے پہ نصب پول کی مدھم روشنی بمشکل اس کے پاس پہنچ رہی تھی۔ لو، لو بھیگتی رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ اور باہر پھیلے گمبھیر سناٹے کی مانند اس کے اندر بھی پھیلتا جا رہا تھا۔

پچھتاوے کے ناگ بار، بار اسے ڈس رہے تھے۔ یادوں کا شور اتنی تیزی سے اٹھا کہ وہ بے اختیار ہی اپنے دونوں گھٹنوں کو جوڑے اپنی کہنیوں کو ان پہ لگائے کانوں پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔

کوئی ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔ اور یہ ہنسی کسی اور کی نہیں بلکہ اس کی اپنی تھی۔ وہ خود پہ ہنس رہا تھا۔

"آر یو میڈ؟" (کیا تم پاگل ہو) اس کے قریب سے گزرتے اس پہل نے حیرانی سے سنگی بنچ پہ بیٹھے شخص کے قریب سے گزرتے ہوئے کہا۔ بنچ پہ بیٹھے شخص نے تیزی سے سر اٹھایا۔ وہ افریقین جوڑا تھا۔ جو آنکھوں میں حیرت لیے اسے اتنے اطمینان سے کھلے آسمان تلے بیٹھے دیکھ کر اس کے قریب رکا تھا۔ اور پھر اگلے ہی لمحے وہ دونوں لڑکا، لڑکی لاپروائی سے کندھے اچکاتے آگے بڑھ گئے۔

"آر یو میڈ؟" وہ زیر لب بولا۔

"یس آئی ایم میڈ۔ ہاں میں پاگل ہوں۔" اخروٹ کے خول کی مانند اس کا مضبوط وجود چٹخنے لگا تھا۔ صحرائی آنکھوں کی زمین پہ نامحسوس سی نمی ابھرنے لگی تھی۔ چہرے کے سرد تاثرات میں حدت [illegible]

"ہاں میں پاگل ہوں۔ میں پاگل تھا۔ اور شاید مزید پاگل ہو جاؤں گا۔" اس نے کہتے ہوئے اپنے سر کو اٹھایا۔ اور گردن کو پیچھے کی طرف گرا دیا۔ آنکھوں کے گوشے نم ہوئے۔ درد اتنا بڑھا کہ آنکھوں سے گرم سیال مادہ نکل کر اس کی کنپٹیوں سے ہوتا ہوا بالوں میں گم ہو گیا۔

"اس کی یاد مجھے مار ڈالے گی۔ میں اسے یاد کرنا نہیں چاہتا۔ تو پھر وہ مجھے کیوں یاد آتی ہے۔ جو ہونا تھا۔ ہو چکا یہ اول روز سے طے تھا۔ مگر پھر یہ جو میرے ساتھ ہو رہا ہے۔ یہ تو طے نہیں تھا۔ مجھے جو چاہیے تھا۔ میں نے وہ سب حاصل کر لیا۔ تو پھر میں خوش کیوں نہیں ہوں۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے سیدھا ہو کر بیٹھا۔ اپنے چہرے پہ موجود برف کو دونوں ہاتھوں سے صاف کرنے لگا۔ اس کے ہاتھ تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔ کہ یکدم رک گئے۔

بھوری دو آنکھوں سے موجود لانبی پلکوں کو اٹھایا گیا تھا۔ جن میں نمی نہیں تھی۔ حیرت تھی۔ استعجاب تھا۔

وہ خود بھلا یہاں کب تھا؟ اس کی روح تو ہزاروں میلوں دور اس عالی شان گھر کے تعیش ڈرائنگ روم میں تھی۔ جہاں قیمتی فرنیچر بڑی شان سے رکھا ہوا تھا۔ دنیا بھر کے نایاب ڈیکوریشن پیس بڑی شان سے سجائے گئے تھے۔ دیواروں پہ بھاری پردے گرے ہوئے تھے۔ اور اس کے سر کے عین اوپر سلور اور گولڈن امتزاج سے مزید بارہ سنگھے کے سینگ کی مانند فانوس بڑی رعونت سے آویزاں تھا۔ جس میں لگے ننھے بلبوں کی روشنی نے پورے

ALIFADAB.COM
Watermarkly

طرف متوجہ نہیں تھا۔ کسی ایک کے چہرے پہ فاتحانہ مسکراہٹ آویزاں تھی۔ تو دوسرے کے چہرے پہ سب کچھ پالینے کی چمک۔ جب کہ ان دونوں کے بیچ دو تیسرا چہرہ حیرت سے فاتحانہ چہرے کی طرف مڑتا تو کبھی اپنے پاس کھڑے شخص کی طرف۔۔۔۔ وہ دونوں شخص مطمئن تھے۔ جو چاہا۔ جیسے چاہا ویسا ہی تو ہوا تھا۔

اور وہ تیسرا جس کے چہرے کا رنگ بار، بار بدل رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ کبھی تاریکی بڑھ جاتی۔ تو کبھی حیرت سر اٹھانے لگتی۔ کبھی چہرے پہ کرب کے اثرات بکھر جاتے۔

"ایم سوری" اس نے اس کے چہرے پہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ اور جھک کر ٹیبل سے ان چیزوں کو سمیٹنے لگا۔ جو اسے اس کی خدمات کے عوض ملی تھیں۔ بلینک چیک اور پاسپورٹ ٹکٹ اٹھا کر اس نے اپنی جیب میں رکھا۔ سر کو ہلکا سا خم دے کر سامنے کھڑی عورت سے اجازت طلب کی۔

غرور سے تنی گردن اسی طرح تنی رہی۔ فقط ابرو کے اشارے سے اسے جانے کا اشارہ کیا گیا۔

اس بار اس نے حیرت زدہ پتھر بنی لڑکی کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔ اور بیرونی دروازے کی سمت بڑھ گیا تھا۔

اسے امید نہیں تھی۔ وہ اتنی آسانی سے اس بنگلے سے نکل آئے گا۔ مگر وہ نکل آیا تھا۔ اس بنگلے سے بھی، اس کی زندگی سے بھی۔ مگر..... سرد ہوا کی لہر چلی اور سوچوں میں گھرے شخص کو کپکپانے پہ مجبور کر گئی۔

"میں تو آ گیا تھا۔ مگر میرا دل۔" بے اختیار ہی اس کا ایک ہاتھ اپنے سینے کے بائیں جانب آن ٹھہرا۔ اس نے اپنے دل کی دھڑکن کو سننے کی کوشش کی۔ محسوس کرنے کی کوشش کی۔ مگر اسے یوں لگا۔ وہ بنا دل کے ہے۔ اس کے پہلو میں دل تو تھا ہی نہیں۔ [illegible]

"مم، مجھے اسے یاد نہیں کرنا۔ مجھے کچھ بھی یاد نہیں کرنا۔ وہ ماضی تھا۔ وہ بیت چکا ہے۔ میں سب کچھ بھلا چکا ہوں۔ میں اسے بھی بھول چکا ہوں۔ میں اب کبھی بھی کچھ بھی یاد نہیں کروں گا۔ میں نے کبھی اس سے محبت نہیں کی تھی۔" وہ بڑبڑاتا ہوا اپنی ہڈی کی کیپ کو سر پہ لینے لگا۔

"محبت نہیں کی تھی۔ کیا واقعی تم نے اس سے محبت نہیں کی تھی۔" کوئی اس کے قریب چلایا۔ اس نے سراسیمگی نظروں سے اپنے اردگرد دیکھا۔

وہاں کوئی نہیں تھا۔ اگر کوئی نہیں تھا۔ تو پھر یہ آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں۔ اس نے گردن کو گھما کر اپنے عقب میں دیکھا تو اسے لگا۔ وہ اب سانس نہیں لے پائے گا۔ وہ جو بھی تھا بالکل اس کے جیسا تھا۔ ایک جیسی قد و قامت، نقش و نگار، یہاں تک کہ وہ اسی کے جیسے لباس میں ملبوس تھا۔

غور سے دیکھنے پہ اسے محسوس ہوا۔ وہ اور کوئی نہیں بلکہ یہ تو وہ خود ہے۔ "تم نے مجھے مارنے کی بہت کوشش کی۔ مگر شاید یہ تمہارے باپ کی حلال کمائی کا اثر تھا۔ تم بہت چاہ کر بھی مجھے مار نہیں سکے۔ ضمیر کو مردہ نہیں کر پائے۔ یہ رزق حلال کی برکت ہے۔ جو تمہیں ضمیر کی خلش میں مبتلا کیے ہوئے ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے تم ساری دنیا سے چھپ جاؤ گے۔ تو تمہارا اصل چہرہ بھی دنیا سے چھپ جائے گا بھی نہیں۔ دنیا اصل کو پہچان پائے یا نہ پہچان پائے۔ مگر اپنے دل اور ضمیر سے تم اپنا اصل کبھی نہیں چھپا سکتے۔ ہاں تم نے اس سے محبت نہیں کی تھی۔ یہ تو تمہارے پلان میں تھا ہی نہیں۔ لیکن دیکھو۔ "تم، اسے محبت ہو گئی۔ محبت کی کیپ جاتی ہے یہ تو ہو جاتی ہے۔ اور محبت عفریت بن کر تم سے لپٹ گئی۔" وہ کہہ کر ہنسا تو پھر ہنستا چلا گیا۔

"چپ کر جاؤ۔ چپ کر جاؤ۔" وہ پوری قوت سے چلایا تھا۔

"میرے چپ کر جانے سے سچ چھپ نہ

جائے گا۔" اس کا استہزائیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔ طنزیہ مسکراہٹ اس کے لبوں پہ ابھری۔ اور پھر وہ پلٹ گیا۔

"سنو، میری بات سنو۔" وہ دور جاتے سائے کے عقب میں لپکا۔

"آج کے بعد مجھے یہ مت کہنا مجھے اس سے محبت ہو گئی۔ نہیں مجھے اس سے محبت نہیں ہوئی۔ مجھے کبھی بھی اس سے محبت نہیں ہو سکتی۔"

وہ کہتے ہوئے رکوع کی حالت میں جھکا۔ اور پھر سڑک کے وسط میں بیٹھ کر رونے لگا۔ اور اب وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ اور پھر جب وہ روتے روتے تھک گیا۔ تو خود ہی خاموش ہو کر اٹھا۔ وہ میکانکی انداز میں چلتا ہوا۔ ذیلی سڑک سے نکل کر مین سڑک پر آیا۔ اور سڑک کنارے کھڑی کیب میں بیٹھ کر ڈرائیور کو ایڈریس بتا کر آنکھیں موند لیں۔ اس کے اندر مزید سوچنے، مزید رونے کی ہمت نہیں تھی۔ اسے گھر جانا تھا اور گاڑی کا رخ اس کے بتائے ہوئے راستے کی طرف تھا۔ اگلے بیس منٹ میں وہ اپنے اپارٹمنٹ کے باہر کھڑا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے ڈپلی کیٹ چابی نکالی اور لاک کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

☆☆☆

"سناور!" کوئی ہولے ہولے اس کے رخسار کو تھپتھپا رہا تھا۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ مگر اس کے باوجود اس کی پوروں کی نرمی کو محسوس کر گیا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں کو کھولا اور خود پہ جھکی لڑکی کی سمت دیکھا۔ اگلے ہی لمحے نہ چاہنے کے باوجود وہ اٹھ کر بیٹھ چکا تھا۔

"کیا بات ہے۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ فکرمندی سے استفسار کرتی اس کے پاس آ بیٹھی۔

"ہاں ٹھیک ہوں۔ میں فریش ہو کر آتا ہوں۔ تم مجھے ایک کپ کافی لا دو۔" وہ خود پہ پڑے کمبل کو پرے کرتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اور فریش ہونے کے لیے چل پڑا۔ جس وقت وہ تولیہ سے سر کو رگڑتا ہوا باتھ روم سے نکلا۔ اہل ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کے لبوں پہ سناور کو دیکھتے ہی ایک خوبصورت سی مسکراہٹ ابھری۔ سناور کے حرکت کرتے ہاتھ لمحہ بھر کے لیے رکے۔ بدقت اس نے اپنے ہونٹوں کو پھیلایا اور اگلے لمحے سمیٹ بھی لیا۔

"امی کہاں ہیں؟" اس نے تولیہ کو کرسی کی پشت پہ رکھتے ہوئے ماں کے بارے میں استفسار کیا۔

"وہ مسز جاوید کے گھر گئی ہوئی ہیں۔" اہل نے ہاتھ میں پکڑی ٹرے کو ٹیبل پہ رکھتے ہوئے اسے مطلع کیا۔ تو وہ "ہوں" کہہ کر آئینے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ جانے کیا بات تھی۔ وہ اب آئینے میں نظر ڈال کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

وہ صوفے پہ آ بیٹھا۔ سامنے ہی اس کا فیورٹ چیز آملیٹ اور خستہ پراٹھا ٹرے میں موجود تھا۔ اس نے بمشکل چند نوالے کھائے۔ اور ٹرے کو پرے سرکا کر چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔

"سناور!" اہل نے اسے پکارا۔ اس نے سر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑی اہل کی جانب دیکھا۔ یہ چہرہ، ہاں یہ چہرہ اسے کائنات میں سب سے زیادہ خوبصورت لگتا تھا۔ اتنی بڑی کائنات میں اس کی کائنات اس چہرے پہ آ ٹھہری تھی۔ جی چاہتا گھنٹوں اس چہرے پہ اپنی نظریں جمائے رکھے۔ اور اب۔۔۔ اب چند سیکنڈ کے بعد ہی اس نے اپنی نظروں کا زاویہ پھیر لیا تھا۔

"کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟" وہ بے تابی سے استفسار کرتی کاؤچ کے دوسرے سرے پہ آ بیٹھی۔

"میں تم سے کیوں ناراض ہوں گا اہل۔" سناور نے الٹا اس سے سوال کیا۔ تو اہل اپنے لب کچل کر رہ گئی۔

"تم بہت بدل گئے ہو سناور۔" تھک کر اہل نے شکوہ کر ہی دیا۔ تو سناور کے لبوں پہ خزاں رسیدہ

ALIFADAB.COM
Watermarkly

مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ پتا نہیں امی اور تمہیں کیوں وہم ہو گیا ہے۔ میں بدل گیا ہوں۔"

"وہم بلا وجہ نہیں ہوتے سناور۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔ تو اس کے لبوں پہ بکھری خزاں رسیدہ مسکراہٹ بھی دم توڑ گئی۔ وہ فقط اس کو دیکھ کر گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

"وہم کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ اگر تمہیں اور امی کو یہ لگتا ہے تو میں کیسے اس وہم کو دور کر سکتا ہوں۔" اس نے کہہ کر اپنی توجہ چائے کی طرف مبذول کی۔ اس نے شکوہ بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اور پھر اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

"کیا یہ غلط نہیں تم مجھے اور خالہ کو اتنی دور انجان شہر، انجان ملک اور انجان لوگوں میں لے آئے۔ اور پھر یہاں آ کر خود بھی انجان بن بیٹھے ہو۔" وہ ناراضگی بھرے لہجے میں بولی اور کمرے کا دروازہ پار کر گئی۔

سناور نے غصے سے ہاتھ میں پکڑا کپ ٹرے میں رکھا۔ اور اٹھ کر کمرے سے نکل کر اس کے کمرے میں آیا۔

"کیا غلط کیا ہے میں نے۔ تمہیں اور امی کو اچھی زندگی دینے کے لیے میں نے کیا نہیں کیا۔ مگر تم دونوں کبھی مجھ سے خوش نہیں ہو سکتیں۔ انجان لوگوں، انجان ملک کیا یہ سب میرے لیے انجان نہیں ہیں۔ لیکن تم اور امی۔۔۔"

سناور نے غصے سے اپنی مٹھیوں کو بند کیا۔ اور پلٹ کر اس کے کمرے سے ہی نہیں۔ بلکہ اپارٹمنٹ سے ہی نکل آیا۔ اس اسے آوازیں دیتی، روکتی ہی رہ گئی تھی۔ مگر وہ تو کب کا وہاں سے جا چکا تھا۔

"کب تم ایسے کرتے تھے۔ اور پھر کہتے ہو مجھے اور خالہ کو وہم کی بیماری نے گھیر لیا ہے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ اور وہ وہیں صوفے پہ بیٹھ کر رونے لگی تھی۔

☆☆☆

سردی کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ سرد ہوائے مزید ٹھنڈ میں اضافہ کر رکھا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اپنے کمرے سے نکلی۔ اور ٹیرس پہ آ کر کھڑی ہوئی۔ کمرے میں چلتے ہیٹر نے کمرے کے درجہ حرارت میں کمی کر رکھی تھی۔

باہر نکلتے ہی سردی کی شدت نے مہروسہ کو کپکپانے پہ مجبور کر دیا تھا۔ اس نے اپنے گرد کی گئی نرم شال کو اور بھی مضبوطی سے لپیٹا۔ اور سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھنے لگی۔

"زندگی بہت خوبصورت ہے۔ زندگی کا ہر رنگ بہت دل کش ہے۔ تم نے کبھی زندگی کے ان رنگوں کو محسوس کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔" کسی کی سرگوشی اس کے کانوں میں گونجی۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھری۔

"شاید ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔" اس نے بنا بحث کیے اس کی بات کو مان لیا۔

"شاید نہیں یقیناً۔ کیا کچھ نہیں ہے تمہارے پاس۔ تم کیا کچھ نہیں خرید سکتیں۔ لیکن دیکھو اس کے باوجود بھی تم ہمیشہ افسردہ نظر آتی ہو۔" اس نے کہا۔

"پیسے سے سب کچھ خریدا جا سکتا ہے؟"

مہروسہ اب مکمل طور پر اس کی طرف مڑی تھی۔

"تو کیا پیسے سے سب کچھ نہیں خریدا جا سکتا۔" اس نے الٹا اس سے سوال کیا۔

"نہیں خریدا جا سکتا۔ یہ غلط فہمی ہے۔ جانے کیوں لوگوں کو لگتا ہے، پیسہ ہی طاقت ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ پیسے سے ہم بہت کچھ نہیں خرید سکتے۔ خلوص نہیں خرید سکتے۔ خوشیاں نہیں خرید سکتے۔ پیسے سے ایک شخص کو خریدا تو جا سکتا ہے۔ مگر اس کا دل، اس دل میں اپنے لیے محبت نہیں خرید سکتے۔ پتا نہیں تم کیوں ایسی باتیں کرتے ہو۔" وہ ناراض ہوئی۔

"رہنے دو مہرو۔ تمہارے پاس پیسے ہیں۔ اسی لیے تم ایسی باتیں کرتی ہو۔" مقابل نے کہا تو اس کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔ ایسی ہی جیسے کسی نادان بچے کی بات پہ ہنس دیا جائے۔ وہ چڑ گیا

تھا۔ اور بری طرح چڑا تھا۔ اسی لیے وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔

مہروسہ نے گہری سانس لی۔

☆☆☆

وہ کچھ دیر پہلے ہی اسٹور سے واپس آیا تھا۔ اور بلا زما اسکرین پہ نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ کوئی بھی شخص دیکھ کر بتا سکتا تھا۔ وہ یہاں ہو کر بھی یہاں موجود نہیں تھا۔

"سناور!" اس کی ماں نے اسے پکارا۔ لیکن اس کے وجود میں رتی بھر بھی فرق نہیں آیا تھا۔

"سناور!" اب کے عالیہ بیگم ذرا اونچی آواز میں بولیں۔ تو سناور نے چونک کر اپنی نظروں کو اسکرین سے ہٹایا۔ اور ماں کے چہرے کی سمت دیکھا۔

"تم کہاں گم ہو؟" عالیہ نے فکر مندی سے اکلوتے بیٹے کے قریب ہوتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ کہیں نہیں۔ آپ بتائیں کیا کہہ رہی تھیں۔" سناور نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے صوفے پہ پڑا کشن اٹھا کر اپنے بازوؤں کے نیچے رکھا۔

"وہ میں یہ کہہ رہی تھی۔ کہ اب تو ماشاء اللہ سے سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ اب تو ہمارے حالات بھی پہلے سے زیادہ ٹھیک ہو گئے ہیں۔ تمہارا اسٹور بھی اچھا جا رہا ہے۔ تو کیوں نہ اب تمہاری اور اس کی شادی کر دی جائے۔"

عالیہ بیگم نے کہتے ہوئے محبت پاش نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ جو ان کے اور سناور کے لیے کھانا ٹیبل پر چن رہی تھی۔ سناور نے بے اختیار ہی اس کی طرف دیکھا۔ جو نظریں جھکائے پلیٹ ٹیبل پہ رکھ رہی تھی۔ کتنے ہی قوس قزح کے رنگ اس کے صبیح چہرے پہ بکھرے تھے۔

لیکن سناور کی خاموشی کا دورانیہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اتنا کہ اس نے پلکوں کی گھنیری جھالر کو اٹھایا۔ اور لب بھینچ کر بیٹھے سناور کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پہ کوئی بھی تاثر نہیں تھا۔ سپاٹ چہرہ، خاموش آنکھیں کسی نے تیز دھار خنجر جیسے اس کے سینے میں اتار دیا تھا۔ اسے تو خوشی سے پاگل ہو جانا چاہیے تھا۔ محبت لٹاتی نظروں سے اس کی طرف دیکھنا چاہیے تھا۔ مگر ایسا کچھ نہیں تھا۔ کتنے ہی کانچ کے ٹکڑے اس کے دل میں پیوست ہو گئے تھے۔

"سناور!" اس کی خاموشی سے گھبرا کر عالیہ بیگم نے اسے پکارا۔ وہ کچھ بھی کہے بنا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دو بھوری آنکھیں اس کے تصور میں چلی آئی تھیں۔ اس کی آنکھیں اب دل میں موجود کانچ کے ٹکڑوں کی اذیت برداشت نہیں کر پا رہی تھیں۔ بے بسی سے وہ رونے لگی۔ سناور جو وہاں سے جانا چاہتا تھا۔ اس کو روتا دیکھ کر واپس اپنی جگہ پہ بیٹھ گیا۔

"تم کیوں رو رہی ہو اس؟" اس کے سوال پہ اس نے جھٹکے سے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔ اور کچھ بھی کہے بنا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ سناور نے نا سمجھی سے ماں کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کوئی پریشانی ہے تو ماں سے شیئر کر لو۔ لیکن اس طرح مت کرو۔" عالیہ بیگم کے لہجے میں منت تھی۔

"کچھ نہیں ہوا امی۔ آپ کو اور اس کو جانے کیوں یہ وہم ہو گیا ہے۔ کہ مجھے کچھ ہو گیا ہے۔" وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں بولا۔ تو عالیہ بیگم اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"امی! میں چاہتا ہوں ابھی ـــــ مزید سیٹ ہو جاؤں۔" سناور نے ماں کی طرف دیکھا۔

"کتنا سیٹ ہونا ہے تمہیں۔ مجھے بہلاؤ مت سناور۔ یہ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی۔ اس سے شادی کے بعد نہ تو کوئی خرچا بڑھنے والا ہے۔ اور نہ ہی کچھ اور۔ جو بھی بات ہے تم وہ کرو۔ یہ چوہے بلی کا کھیل ختم کرو۔ میں جب بھی تم سے اس سے شادی کی بات کرتی ہوں۔ تم اسی طرح ٹال دیتے ہو۔ اگر تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتے تو مجھے صاف بتا دو۔ تاکہ میں اس کے لیے نہیں اور۔۔۔"

ALIFADAB.COM
Watermarkly

"امی!" سناور ان کی بات پہ ششدر رہ گیا۔

"کس نے کہا ہے میں اہل سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ آپ نے یہ سوچ بھی کیسے لیا۔" وہ اب آ کھڑے ہوئے لہجے میں بولا۔

"تو پھر تم شادی کی بات پہ خاموش کیوں ہو جاتے ہو۔ کیوں ٹال رہے ہو؟" عالیہ بیگم نے غصے سے پوچھا۔ تو سناور کوئی بھی جواب دیے بنا اپنے کمرے میں آ گیا۔ وہ سخت مضطرب تھا۔ پریشان تھا۔ اہل روتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی تھی۔ اسے اس کے پاس جانا چاہیے تھا۔ لیکن وہ۔۔۔۔ سناور نے تھک کر خود کو بیڈ پہ گرا دیا۔

"آہ! وہ دو بھوری آنکھیں پھر سے اس کے سامنے چلی آئی تھیں۔

"آخر تم میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتیں۔" سناور نے غصے سے کہا۔ اور اسے قریب پڑے کشن کو اٹھا کر زمین پہ دے مارا۔ اور تکیہ اٹھا کر اپنے منہ پہ رکھ لیا۔ وہ اسے یاد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی تمام تر شدتوں سے یاد آ رہی تھی۔ سناور نے جھنجھلا کر کروٹ بدل لی۔

☆☆☆

"السلام علیکم!" وہ ڈائننگ ٹیبل کے قریب آئی۔ اور سب کو مشترکہ سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" حسان صاحب نے کانٹے کی مدد سے کباب کا ٹکڑا منہ میں رکھا۔ اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مہر بادل ناخواستہ کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی قریب کھڑے ملازم نے آگے بڑھ کر اس کے سامنے پلیٹ رکھی۔ اور اسے کھانا سرو کرنے لگا۔

"اٹس اوکے۔ میں خود لے لوں گی۔" مہر نے اس کے ہاتھ سے شیشے کی ٹرے تھامتے ہوئے کہا۔ اور اپنی پلیٹ میں چاول نکالنے لگی۔

"میں کل رات کا گھر آیا ہوں۔ تم مجھ سے ملنے نہیں آئیں۔" حسان نے بیٹی سے جیسے شکوہ کیا تھا۔ مہر نے [illegible] طرف [illegible] کیا۔ اور پھر ان کے ساتھ کرسی پہ براجمان زمرد بیگم کو دیکھا۔ جو ہمیشہ کی طرح نک سک سے تیار کھلے ہوئے سرخ گلاب کی مانند لگ رہی تھیں۔ انہوں نے مسکرا کر مہر کی طرف دیکھا۔ اور ہلکے سے ابرو کو جنبش دی۔

"میں رات جلدی سو گئی تھی۔" مہر نے آہستگی سے کہا۔ اور چمچے کی مدد سے چاولوں کو ادھر ادھر کرنے لگی۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" حسان چودھری نے فکرمندی سے بیٹی سے دریافت کیا۔

"جی ٹھیک ہوں۔"

"گڈ مارننگ ایوری ون۔" نک سک سے تیار بازل مسکراتے ہوئے مہر کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھ چکا تھا۔ بازل جیسے ہی بیٹھا مہر اپنی جگہ سے فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہو چکی تھی۔

"او آئی ایم سوری۔" بازل کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوا۔ مہروسہ کو جانے کیوں اس پہ غصہ آ رہا تھا۔ زمرد بیگم کے ساتھ ساتھ حسان صاحب بھی مہروسہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"میں نے کھانا کھا لیا ہے۔" مہر نے کہا اور بنا کسی کی بات سنے سیڑھیوں کی سمت بڑھ گئی۔

"مہروسہ تو دن بہ دن تنہائی پسند ہوتی جا رہی ہے زمرد۔ تم اسے اپنے ساتھ کیوں نہیں لے کر جاتیں۔ اسے آفس جوائن کروا دو۔ یا پھر کسی کلب وغیرہ کی ممبر شپ دلوا دو۔" حسان صاحب نے اپنی بیوی سے کہا۔ اور بازل کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میں نے تو بہت بار کہا ہے حسان۔ آپ جانتے ہیں مہر کس قدر ضدی لڑکی ہے۔ اور من موجی بھی۔ میری نہیں سنتی۔ آپ کہہ کر دیکھ لیجیے۔ اگر وہ آپ کی بات مانتی ہے۔ تو بہت اچھی بات ہے۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہوگا۔"

زمرد بیگم نے اکڑی ہوئی گردن کے ساتھ مسکراتے ہوئے حسان صاحب سے کہا۔ اور پھر ہاتھ میں موجود جوس کا گلاس رکھ کر بازل کی سمت متوجہ ہوئی۔

"بازل میری جان! ٹھیک سے کھانا کھاؤ۔" زمرد نے شیرینی بھرے لہجے میں کہا۔ اور عقب میں کھڑی ملازمہ کو اشارہ کیا۔ جو ان کا اشارہ پاتے ہی مستعدی سے آگے بڑھی اور بازل کو کھانا سرو کرنے لگی۔

ٹیبل کا ماحول بازل کے آنے سے خوش گوار ہو گیا تھا۔ تینوں نفوس کھانے سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ حالات حاضرہ پہ سیر حاصل گفتگو میں مصروف ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ حسان صاحب اپنی اکلوتی بیٹی کو بھی فراموش کر چکے تھے۔

☆☆☆

موسم سرما کی برفیلی کہر میں ڈوبی شام اب رات میں ڈھل چکی تھی۔ اہل جب سے اپنے کمرے میں آئی تھی۔ روئے چلی جا رہی تھی۔ اسے یقین تھا اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ہمیشہ کی طرح اس کی محبت میں پاگل سناور ضرور اس کے پیچھے آئے گا۔ لیکن پچھلے چھ ماہ میں ہر بار کچھ ایسا ہو رہا تھا۔ جو وہ کبھی خواب میں بھی سوچ نہیں سکتی تھی۔

سناور کے یوں نظر انداز کرنے کا، اس کا بات بات پہ چڑ جانے کا۔ کب سوچا تھا وہ روئے گی۔ اور سناور اس کے آنسو صاف نہیں کرے گا۔ غیر متوقع رویے اور چیزیں بہت تکلیف دیتی ہیں۔ اسے بھی تکلیف ہو رہی تھی۔ درد بھی ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا سر گھٹنوں سے اٹھایا۔ اور اپنے قریب آ کر بیٹھی عالیہ بیگم کی طرف دیکھا۔ آنسو قطار در قطار رخساروں پہ پھسلنے لگے۔

"کیوں خود کو تکلیف دیتی ہو۔" وہ جیسے بے بسی سے بول رہی تھیں۔

"میں نہیں خالہ آپ کا بیٹا تکلیف دینے لگا ہے۔ وہ ایسا نہیں تھا خالہ۔ ہم جب سے یہاں آئے ہیں۔ سناور بدل گیا ہے خالہ۔ ہم واپس اپنے ملک، اپنے گھر چلتے ہیں۔ جہاں محبت تھی، اپنائیت تھی۔ جہاں ہمارا سناور تھا۔"

اس نے روتے ہوئے عالیہ بیگم کے ہاتھوں کو تھاما تو عالیہ بیگم نے خود کو مشکل اس کے سامنے بکھرنے سے روکا۔

"مجھے یہاں نہیں رہنا خالہ! آپ سناور سے کہیں نا ہم واپس چلتے ہیں۔"

اہل نے جیسے ان کی منت کی۔ اس سے پہلے کہ عالیہ بیگم اسے کوئی جواب دیتیں۔ دروازے پہ سناور کا سایا ابھرا۔ اسے دیکھتے ہی اہل کے رونے میں شدت آ چکی تھی۔ عالیہ بیگم نے گردن گھما کر دروازے میں کھڑے سناور کی سمت دیکھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ عالیہ کو سناور کے چہرے سے الجھن ہونے لگی تھی۔ اس لیے وہ اور خاموشی سے سناور کے پاس سے گزر کر دروازہ پار کر گئی تھیں۔ سناور نے گہرا سانس بھرا اور دھیرے دھیرے چلتا ہوا اہل کے پاس کرسی کھینچ کر اس پہ بیٹھ گیا۔ وہ ابھی بھی رونے میں مصروف تھی۔

"تمہارا رونا مجھے تکلیف دیتا ہے اہل۔" وہ جیسے ہارے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اور مجھے تمہارا بدلنا درد دیتا ہے۔ یہ مت کہنا وہم ہے۔ وہم نہیں ہے سناور۔ اب وہم نہیں رہا۔" اہل نے سر اٹھا کر سناور کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ اس سے نظریں چرا گیا۔

"میں خود بھی خود کو سمجھ نہیں پا رہا ہوں اہل۔ میں بس تمہیں سوچنا چاہتا ہوں۔ تمہاری اور اپنی زندگی کے بارے میں۔ یہ زندگی میرا خواب تھی۔ تم سے شادی کرنا میری اولین ترین خواہشوں میں سے ایک۔ لیکن۔" سناور نے حسب عادت اپنی انگلی سے انگوٹھی کو گھمایا۔

"تو کیا اب تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے۔" سارے آنسو ٹوٹ کر دامن میں گم ہوئے۔ اور سامنے بیٹھے سناور کا چہرہ صاف دکھائی دینے لگا۔

"میں نے ایسا کب کہا اہل۔" وہ بے قراری سے بولا۔ اس کی بے قراری اہل کی بے چین روح کو قرار دے گئی تھی۔ اس کے ڈوبتے دل کو ذرا سا چین

ALIFADAB.COM
Watermarkly

آیا تھا۔

"تو پھر جیسے خالہ کہہ رہی ہیں، تم مان کیوں نہیں جاتے۔" اس کی کالی سیاہ آنکھوں میں امید کے کتنے ہی جگنو روشن ہوئے۔ وہ خاموشی سے لب بھینچے اسے دیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ امید کے جگنو مر گئے۔ اور اس کی جگہ آنسوؤں نے لے لی۔

"اہل۔" اس بار سناور خود کو روک نہیں پایا تھا۔ اس نے اہل کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔ اور اٹھ کر اس کے پاس بیڈ پہ آ بیٹھا۔

"تمہارے آنسو مجھے بہت تکلیف دیتے ہیں اہل۔ تم رویا مت کرو۔ وہی ہوگا جو تم چاہتی ہو۔ میں ابھی امی سے کہتا ہوں، وہ جلد از جلد ہماری شادی کی تاریخ طے کر دیں۔" سناور کی باتیں اہل کو خوشی سے ہم کنار کر رہی تھیں۔

سناور اس سے محبت کرتا ہے۔ اور بہت محبت کرتا ہے۔ یہ احساس کتنا خوبصورت تھا۔ وہ مسکرائی اور پھر شرما کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا گئی۔ سناور دھیرے سے ہنسا۔ اور پھر اٹھ کر عالیہ بیگم کے پاس چلا آیا۔ جو تسبیح میں مصروف تھیں۔

"امی مجھے آپ دونوں کی خوشی کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔ جیسے آپ خوش ہیں۔ ویسے ہی میں۔" اس نے ماں کے گھٹنوں پہ سر رکھتے ہوئے کہا۔ اور آنکھیں موند لیں۔ جانے کیوں اسے اپنی آنکھوں کی زمین پہ نمی سی محسوس ہو رہی تھی۔ عالیہ بیگم جانے کیا کہہ رہی تھیں۔ اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے تو وہ دو بھوری آنکھیں یاد آ رہی تھیں۔ جس سے اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ۔۔۔۔۔۔ سناور نے اپنی بند آنکھوں کو کھولا۔ اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ اب ماں کے لبوں سے نکلنے والے لفظوں کو سن رہا تھا۔ اور ان کا ہر لفظ اس کی خوشیوں کے سدا قائم رہنے پہ مبنی تھا۔ ان کی دعائیں سن کر سناور کو جانے کیوں اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ سب کچھ بھلا کر مسکراتے ہوئے کبھی ماں کی باتیں سن رہا تھا [illegible] اہل

کو اونچی آواز میں چھیڑنے لگتا۔

کتنے عرصے کے بعد وہ پرانے سناور کے روپ میں آیا تھا۔ اہل اور عالیہ بیگم بہت خوش تھیں۔ بے انتہا بے تحاشہ۔ اور خود سناور بھی خوش تھا۔ لیکن یہ خوشی ان تینوں کے لیے عارضی ثابت ہونے والی تھی فقط چند دن پہ محیط۔

☆☆☆

کمرے میں لپٹی شام سیاہ رنگ کی چادر اوڑھ چکی تھی۔ وہ بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھی اپنے سامنے لگی پڑی بڑی سی ایل سی ڈی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسکرین تو روشن تھی مگر آواز اس نے ریموٹ کے بٹن سے بند کر رکھی تھی۔ وہ بظاہر یہاں تھی۔ مگر ذہنی طور پر جانے کون سے دیس کی مسافر تھی۔ وہ دیس جو اس کا ماضی تھا۔ ابھی چند ماہ پہلے ہی تو اس کی زندگی میں سب ٹھیک تھا۔ مگر حقیقت۔۔۔۔۔۔ اس کی آنکھ میں ٹھہرا آنسو اس کے دل میں موجود اس درد کو برداشت نہیں کر پایا تھا۔ ٹوٹ کر اس کی گود میں دھرے موی ہاتھوں پہ آ ٹھہرا۔

آنکھوں کی رگیں درد کی شدت سے سرخ ہوئیں۔ اس کے کمرے کے دروازے پہ دستک دے کر بازل کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔

"مہروسہ اپنے خیالوں میں اس قدر مگن تھی کہ اسے بازل کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔

"مہر!" بازل نے اسے پکارا۔ مگر وہ ہنوز اسکرین پہ نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"مہر!" اب کے بازل نے ذرا اونچی آواز سے پکارا۔ تو وہ چونکی اور نظروں کا زاویہ موڑ کر بازل کی طرف دیکھنے لگی اسے دیکھتے ہی اس کی پیشانی ان گنت لکیروں سے بھر گئی۔ نظروں میں اجنبیت کے ساتھ غصہ بھی تھا۔ وہ فوراً ہی ہاتھ میں پکڑا ریموٹ اپنی جگہ چھوڑ چکی تھی۔

"آپ میرے روم میں کیوں آئے ہیں۔" وہ نروٹھے پن سے کہتی اس سے استفسار کر رہی تھی۔ مگر مقابل پہ نہ تو اس کے غصے کا اثر تھا۔ اور نہ ہی

ناراضی سے کوئی فرق پڑا تھا۔ ہمیشہ کی طرح تک تک سے تیار بازل دھیرے دھیرے چلتا اس کے عین سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے کلون کی بھینی بھینی سی خوشبو مہر کے چاروں اور پھیل چکی تھی۔ بلیک جینز اور گرے شرٹ کے اوپر اس نے کالی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ بڑی بڑی چھ فٹ قد کے ساتھ متناسب کسرتی جسم اسے جو بھی دیکھتا۔ پلٹ کر دوسری بار ضرور دیکھتا تھا۔ پہلی نظر لاشعوری ہوتی تو دوسری نظر بے اختیار ہی اس پر پڑتی تھی۔ مگر ان سب میں مہروسہ شامل نہیں تھی۔ بازل حیدر کو خاطر میں لانے والی دنیا میں مہروسہ نہیں تھی۔ بازل نے گہرا سانس لیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"موسم بہت اچھا ہو رہا ہے۔ میں نے سوچا کافی پینے چلتے ہیں۔" اس نے کہتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو جیکٹ کی جیب میں گھسایا۔ غصے کی تیز لہر نے مہر کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔ لیکن اسے خود پہ کنٹرول رکھنا تھا۔ آخر کچھ بھی سہی وہ زمرد بیگم کا لاڈلا بھتیجا تھا۔ اور ان کے ہاں مہمان تھا۔

"سوری۔ مجھے نہیں جانا۔ میرا موڈ نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ اور ٹی وی کی طرف دیکھنے لگی مطلب وہ اب یہاں سے جا سکتا ہے۔ بازل نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

"واؤ فنٹاسٹک۔ وائٹ ہاؤس موی دیکھ رہی ہو۔ مجھے یہ موی بہت پسند ہے۔ بہت بار دیکھی ہے میں نے۔ ہر بار دیکھنے پہ۔" اس سے پہلے کہ بازل اپنی بات مکمل کرتا۔ وہ ریموٹ اٹھا کر چینل تبدیل کر چکی تھی۔

"مجھے نہیں پسند یہ موی۔" وہ کہہ کر بازل کے سامنے سے ہٹ کر صوفے پہ جا بیٹھی تھی۔

"تمہیں تو میں بھی پسند نہیں۔" بازل اس کی سمت گھوما۔ مہر نے سر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے بازل کی سمت دیکھا اور پھر سر جھٹک دیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بازل صاحب۔ آپ ممی کے مہمان ہیں۔ اسی لیے میں۔

"ہاں میں پھوپھو کا مہمان ہوں۔ تو تم میرا لحاظ کر رہی ہو۔ ورنہ کوئی بعید نہیں تھا۔ تم مجھے دھکے دے کر نہ صرف اپنے کمرے سے بلکہ گھر سے بھی نکال دیتیں۔" اس نے خفگی سے کہا۔ اور مہروسہ کے پاس صوفے کے دوسرے کنارے پہ آ بیٹھا۔ مہروسہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے منع کر دیا۔

"میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔" تو مجبوراً مہر کو اپنا کھلا منہ بند کرنا پڑا۔

"لیکن تمہیں جو کرنا ہے کر لو۔ تم خود کو میرے دل سے نہیں نکال سکتیں۔ اگر تمہیں یہ لگتا ہے تمہارا یہ رویہ دیکھ کر میں پیچھے ہٹ جاؤں گا۔ تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں بازل حیدر ہوں۔ اور ایک دن تمہیں اپنی محبت پہ یقین کرنے پہ مجبور کر دوں گا۔" بازل نے مضبوط لہجے میں کہا۔ اور جھٹکے سے اٹھ کر اس کے کمرے سے جا چکا تھا۔ اور مہر وہیں دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی تھی۔

یہ لفظ محبت اسے تیزاب کی مانند لگتا تھا۔ جو اس کی سماعتوں کو جلا کر خاکستر کر ڈالتا تھا۔ اس کی ذات پہ کچوکے لگاتا تھا۔ اسے درد دیتا تھا۔ اذیت میں مبتلا کرتا تھا۔ وہ اب بھی اس محبت نامی شے پہ یقین نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اور بازل حیدر اسے "محبت" نام کے اس جال میں جکڑنا چاہتا تھا۔

"نفرت ہے مجھے اس لفظ محبت سے۔ نفرت ہے۔ میں کبھی تم سے محبت نہیں کروں گی۔ میں کبھی تمہارا ہاتھ نہیں تھاموں گی۔" وہ روتے ہوئے مسلسل نفی میں سر ہلاتے ہوئے خود سے کہہ رہی تھی۔ اور رات دھیرے دھیرے گزرتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

اہل اور سناور کی شادی کی تاریخ ہفتے بعد کی رکھ دی گئی تھی۔ اس دیار غیر میں کون سے رشتے دار تھے۔ جنہیں مدعو کرنا تھا۔ چند ایک دوست احباب تھے۔ جنہیں فون کر کے مطلع کر دیا تھا۔ اور پھر جیسے یہ ہفتہ پلک جھپکتے میں گزر گیا تھا۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

سناور خوش تھا بے حد خوش۔ اس نے اس لمحے کا انتظار کیا تھا۔ جب وہ ہمیشہ کے لیے اپنے دل کی رانی امل مشتاق کو امل سناور بنا کر اپنی زندگی میں شامل کرتا۔ وہ وقت آن ٹھہرا تھا۔ اس کے سامنے نکاح کے پیپر موجود تھے۔ لیکن جانے کیوں ہاتھ میں تھاما ہوا قلم ان پیپرز پہ رواں نہیں ہو سکا تھا۔

"زندگی بھی کتنی عجیب شے ہے نا۔ ساری زندگی خوشیوں کے تعاقب میں بھاگتے رہنے سے خوشیاں حاصل نہیں ہوتیں۔ اور پھر جب وہی خوشیاں گھر اپنائے ہمارے گرد رقص کرتی ہیں۔ تب محسوس کرنے کے لیے وہ دل نہیں ہوتا۔ لیکن میرے معاملے میں ایسا نہیں ہے۔

زندگی کی خوشیوں کے تعاقب میں میں اتنا تھکی نہیں تھی۔ کہ زندگی اور تقدیر نے مجھے تم سے ملا دیا۔" وہ کہہ کر مسکرائی تھی۔ ایسی مسکراہٹ جس میں سب کچھ تھا۔ مان، بھروسا، اعتبار اور بہت سارا تشکر بھی۔

"کیا ہوا سناور؟" وہ جو نکاح کے پیپرز پہ نظریں جمائے ماضی کے کسی لمحے کی قید میں تھا۔ اس کی آواز پہ چونک گیا تھا۔ اس نے ایک نظر اپنے دائیں جانب بیٹھی عالیہ بیگم کی کو دیکھا اور دوسری نظر اپنے سامنے بیٹھی امل پہ ڈالی جو سانس روکے اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ک، ک کچھ نہیں۔" وہ بہت مشکل سے مسکرایا تھا۔ اور پھر گہرا سانس لے کر اپنے سر کو جھکایا اور نکاح نامے پہ سائن کر دیے۔ اس کے سائن کرتے ہی اس کے گرد مبارک باد کا شور اٹھا تھا۔ سب سے مبارک وصول کرنے کے بعد اس نے اپنی گردن کو گھما کر بائیں سمت دیکھا۔ جہاں امل فاخرانہ انداز میں سر اٹھائے اس کے پہلو میں تان کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

وہ جیسے ہی آخری مہمان کو رخصت کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آیا۔ تو فریش پھولوں کی خوشبو [illegible] نے

دروازے پہ رک کر اس خوشبو کو اپنے اندر اتارا اور سامنے بیڈ پہ بیٹھی امل کی طرف دیکھا۔ امل، اس کی محبت، اس کا جنون، اس کا عشق تھی۔

خالہ اور خالو کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ہونے والی ناگہانی موت نے جہاں سب کچھ بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ وہیں سب سے بڑا مسئلہ امل کے رہنے کا تھا۔ دودھیال والوں نے صاف لفظوں میں اسے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کیا۔ تب عالیہ بیگم نے آگے بڑھ کر روتی ہوئی امل کو اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

"میرے گھر میں اللہ کی رحمت نہیں تھی۔ لیکن اب تمہاری صورت میں مجھے بیٹی مل گئی۔"

انہوں نے کہتے ہوئے امل کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ اور یوں سناور کے ہمراہ ایسے کھاریاں سے لاہور اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئی تھیں۔ خالہ پہلے ہی بیوگی کی زندگی اپنے اکلوتے بیٹے کے اچھے مستقبل کے انتظار میں گزار رہی تھیں۔ خالو کی محدود پنشن میں گزارا ناممکن تھا۔ اور ایسے میں گھر کے اخراجات اور سناور کی پڑھائی کے خرچ کو پورا کرنے کے لیے عالیہ بیگم کپڑے سلائی کیا کرتی تھیں۔

لیکن عالیہ بیگم نے جو کہا تھا۔ اسے ہر ممکن طور پر پورا کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ سناور کے ساتھ ساتھ امل کی پڑھائی کا خرچا بھی بڑھا تھا۔ لیکن نہ تو عالیہ بیگم نے اور نہ ہی سناور نے اسے پڑھائی چھوڑنے کا کہا۔ وہ الگ بات تھی کہ گھر کے حالات کو دیکھ کر اس نے خود ہی بی اے کے بعد پڑھائی کو خیر باد کہہ دیا تھا۔

سناور ان دنوں اپنے ایم۔ کام [illegible] کے آخری مرحلے سے گزر رہا تھا۔

زندگی میں بہت پیسہ نہیں تھا۔ لیکن لاہور کے اس لوئر ایریا میں موجود ڈھائی مرلے کے اس مکان میں محبت کی فراوانی ضرور تھی۔ احساس تھا۔ لگاؤ تھا۔ اور پھر جب پہلی بار امل کے لیے بوا رشتہ لے کر

آئیں۔ جہاں عالیہ بیگم سوچ میں پڑ گئی تھیں۔ وہیں امل روہانسی اور سناور غصے میں آ گیا تھا۔

"آپ فوراً انکار کر دیں بوا کو۔" کھانے کی ٹرے کو پرے سرکاتے ہوئے سناور نے خفگی سے کہا۔

"ارے ایسے کیسے انکار کر دوں۔ اتنا اچھا ہے لڑکا۔ سرکاری نوکری کرتا ہے۔ پانچ مرلے کا اپنا ذاتی ڈبل اسٹوری مکان ہے۔ اور پھر ایک بہن اور ماں کا ساتھ۔ ایسا رشتہ تو کبھی ہمارے پورے خاندان میں نہیں آیا جیسا میری امل کے لیے آیا ہے۔" عالیہ بیگم نے بیٹے کو تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"امی آپ میری بات..... اس سے پہلے کہ سناور اپنی بات مکمل کرتا۔ امل بول پڑی تھی۔

"خالہ! مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔ آپ جلدی سے میری شادی کر کے مجھے اس گھر سے بھیجنا چاہتی ہیں۔ لیکن مجھے نہیں جانا تب تک تو بالکل بھی نہیں۔ جب تک سناور کی شادی نہیں ہو جاتی۔" عمر میں بڑا ہونے کے باوجود امل اسے سناور ہی کہتی تھی۔ نام کے آگے بھائی لگانے کا مطلب اس نے کبھی نہیں پالا تھا۔

"میری شادی سے تمہاری شادی کا کیا تعلق ہے۔" سناور نے دلچسپی سے امل کی بھیگی پلکوں کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ تعلق ہے کہ خالہ اب زیادہ کام نہیں کر سکتیں۔ اور ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی۔ تمہاری بیوی کے آنے اور گھر سنبھالنے کے بعد ہی میں شادی کروں گی۔ خالہ میں آپ کو بتا رہی ہوں۔" اب کہ امل نے انگلی اٹھا کر عالیہ بیگم سے کہا۔ اور اپنی چھوٹی سی ناک کو سکیڑا تھا۔ جہاں عالیہ بیگم اس کی محبت اور خلوص پہ نثار ہوئی تھیں۔ وہیں سناور کے لبوں پہ گہری مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

"اچھا تو تم یہ چاہتی ہو جلدی سے میری شادی ہو۔ اور میری بیوی کام کرے اور تم امی کے ساتھ مزے سے ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھو۔ لیکن میں ایسا کچھ بھی نہیں کرنے والا۔ میری بیوی کام کرنے کے لیے تھوڑی ہو گی۔ وہ تو راج کرنے کے لیے ہو گی۔ راج کرنے کے لیے۔" سناور نے ہاتھوں کو فضا میں لہراتے ہوئے کہا۔ اور چمکتی نگاہوں سے حیرت سے منہ کھولے اپنی جانب دیکھتی امل کی طرف دیکھا۔

"خالہ، خالہ دیکھ رہی ہیں آپ؟" اس نے پاس بیٹھی عالیہ بیگم کا گھٹنا ہلاتے ہوئے انہیں متوجہ کیا۔ جو سر جھکائے جانے کون سے جوڑ توڑ میں مصروف تھیں۔

"خالہ ابھی تو شادی نہیں ہوئی۔ بیوی نہیں آئی۔ تب یہ حال ہے۔ جب وہ آ گئی تو....."

"جب وہ آئے گی تو زندگی میں بہار آئے گی..... پھول راہوں میں اور خوشبو ہر سو بکھری ہو گی۔ آفت کی گھڑی میں میرے چین، میرے سکون کا لمحہ ہو گی۔" سناور اب امل کے چہرے کو اپنی نظروں کے حصار میں جکڑے جذب کے عالم میں بول رہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے؟" امل نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو سکیڑتے ہوئے اس سے مشکوک انداز میں دریافت کیا۔

"کیوں کیا مجھے کوئی لڑکی پسند نہیں ہو سکتی۔" سناور اس کی حالت سے حظ اٹھا رہا تھا۔

"کون ہے وہ؟" اب کے امل کے لہجے میں تجسس تھا۔

"بس ہے تمہیں کیوں بتاؤں۔ امی کو بتاؤں گا۔" سناور نے اب کے اسے ہری جھنڈی دکھلائی تھی۔

"خالہ۔" امل نے مدد کے لیے عالیہ بیگم کو پکارا۔ جو شاید اپنا حساب کتاب مکمل کر چکی تھیں۔ اور اب گہری طمانیت بھری سانس بھر کر سناور کی سمت دیکھ رہی تھیں۔

"خالہ آپ کو پتا ہے نا سب۔ سناور کو کون سی لڑکی پسند ہے؟" خود ہی قیاس [illegible] عالیہ بیگم سے مخاطب [illegible]

ALIFADAB.COM
Watermarkly

"تو مجھے کیا پتا اگر مجھے پتا ہوتا تو کیا تم سے ذکر نہ کرتی۔ یہ سناور ویسے ہی تمہیں تنگ کر رہا ہے۔" امل کو تسلی دینے کے بعد انہوں نے بیٹے کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔ مقصد تو ان کا یہ تھا کہ امل کو مزید تنگ نہ کرو۔

"دیکھ لو امی مجھے منع کر رہی ہیں کہ امل کے سامنے بات نہ کرو۔" سناور اس وقت کل مستی میں تھا۔ سناور کے یہ کہنے کی دیر تھی امل کی آنکھوں سے برسات شروع ہونے میں ذرا بھر بھی دیر نہیں لگی تھی۔

"ہائے ہائے سناور کے بچے! کیوں بچی کو تنگ کیے جا رہے ہو؟" عالیہ نے بیٹے کو گھرکا۔ اس سے پہلے کہ وہ امل سے کچھ کہتیں۔ وہ سوں سوں کرتی اٹھی اور سرعت سے کمرہ پار کر کے چھت پہ چلی گئی تھی۔

"سناور!" عالیہ بیگم نے تیکھی انداز میں بیٹے کی طرف دیکھا۔ اور پھر اس کے لبوں پہ مسکراہٹ دیکھ کر بہت کچھ سمجھتے ہوئے خود بھی مسکرا دی تھیں۔

"اس سے اچھی بات تو کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔ میرے دونوں بچے ہمیشہ کے لیے میرے پاس رہ جائیں۔" عالیہ بیگم بیٹے کی دل کی خواہش سمجھ چکی تھیں۔ سناور اٹھ کر ماں کے قدموں میں آن بیٹھا۔

"میں چاہتا تھا پڑھائی مکمل کرنے اور اچھی سی جاب کے بعد ہی آپ سے یہ بات کروں گا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا امی۔ امل کے دل میں یہ بات رہتی۔ ہم نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ میرا شان دار اکیڈمک ریکارڈ، میرے شاندار مستقبل کی ضمانت ہے، پلیز امی امل کو کہیں نہیں جانے دینا وہ یہیں رہے گی۔ ہمارے پاس، ہمارے ساتھ۔" سناور نے کہتے ہوئے ماں کے قدموں کو تھام لیا۔

"میں تو خود یہی چاہتی تھی سناور۔ کہ امل ہمیشہ میرے پاس رہے۔ تم نے مجھے آج بہت بڑی خوشی دی ہے۔ بہت بڑی۔" کہتے ہوئے عالیہ بیگم نے بیٹے کے ہاتھوں کو چوم لیا تھا۔

"اب امل [illegible] کی خوشی اور رضامندی سب سے اہم ہے۔" سناور نے اٹھتے ہوئے ماں سے کہا تو عالیہ بیگم نے زور زور سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"ہنسی تو میں اس کی بعد میں پوچھوں گی پہلے میری بیٹی کو منا کر لے آؤ۔" انہوں نے سناور سے کہا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" اپنے بھاری کامدار لہنگے کو سنبھالتی امل سوچوں میں گم سے سناور کے قریب آ ٹھہری۔ سناور چونکا اور پھر سامنے کھڑی امل کی جانب دیکھ کر مسکرا دیا۔

"سوچ رہا ہوں وقت اتنی جلدی گزر گیا۔ کل کی بات لگتی ہے جب تم ہمارے گھر آئی تھیں۔ روتی، ڈرتی، سہمی ہوئی۔ اور اب۔"

"اور اب کیسے شیرنی بنی تمہارے سامنے کھڑی ہوں نا۔" امل نے سناور کی بات کو درمیان سے اچکا۔ اور جلدی سے بات مکمل کی۔ تو سناور کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"سناور تم میرے لیے سب کچھ ہو۔ سب کچھ۔ تم بدل تو نہیں جاؤ گے۔" امل کی آنکھوں میں سوال تھے۔ وہ کہہ نہیں سکی تھی۔ وہ ایک سال سے جانے کیوں بدلا ہوا۔ الجھا ہوا سا لگتا ہے۔

"کبھی نہیں۔ کبھی نہیں امل۔" سناور نے کہتے ہوئے امل کے ہاتھ کو تھاما تھا۔ اور پھر دھیرے سے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

"سناور دنیا کے لیے بدل سکتا ہے۔ لیکن اپنی امل کے لیے نہیں۔" سناور نے زیر لب کہا۔ اور گردن موڑ کر گہری نیند سوئی ہوئی امل کی سمت دیکھ کر خود بھی کروٹ بدل گیا۔

دو بھوری آنکھیں اس کی نظروں کے سامنے آئیں۔ تو اگلے لمحے سناور اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ تیز تیز سانس لیتے ہوئے اس نے پانی کے دو گلاس اپنے اندر انڈیلے اور اٹھ کر کھڑکی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ بھاری پردوں کو پرے کرتے ہوئے باہر گہری اور بھید بھری رات کو دیکھتے ہوئے وہ کتنی ہی دیر وہاں

کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ تھک کر کھڑکی کے پٹ سے ٹیک لگا کر وہ ایک بار پھر خود کو ماضی کے عفریت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ جو ایک بار پھر اسے اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ یوں لگتا تھا یہ عفریت اس کی جان لے کر چھوڑے گا۔

لیکن کون جانتا تھا جان تو جائے گی۔ اس کی نہیں بلکہ کسی اور کی۔ آہ یہ تقدیر کے انجانے وار اور ہم انجان سے لوگ۔

☆☆☆

جیسے ہی بازل نے ہاتھ میں پکڑے نازک شیشے کے گلاس کو اپنے سامنے موجود ٹیبل پہ رکھا۔ اور سیدھا ہو کر اپنے سامنے موجود زمرد بیگم کو دیکھا۔ جو اس کی بات پہ حیران تھیں۔

"ویسے جہاں تک میں تمہیں جانتی ہوں۔ تمہارا یہ ٹیسٹ تو نہیں ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لیکن اب میرا یہی ٹیسٹ ہے۔" صوفے کی بیک سے ٹیک لگاتے ہوئے بازل نے اعتماد سے کہا۔

"جلد بازی کے فیصلے اکثر غلط ہو جاتے ہیں۔" انہوں نے ایک ابرو اچکا کر کہا۔

"جلد بازی میں نہیں۔ بلکہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ اور میں اپنے اس فیصلے سے مام، ڈیڈ کو آگاہ کر چکا ہوں۔ انہیں میرے اس فیصلے سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ مدد کریں۔" بازل نے اپنا فون آن کرتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"اوڈیٹس مین۔ تم فائنل بات کرنا چاہتے ہو؟ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں حسان سے بات کروں گی۔"

"اوسو سویٹ پھپھو۔" بازل اپنا فون ہولڈ پہ رکھ کر اٹھ کر ان کے ساتھ آ بیٹھا۔ اور اپنے بازو کو ان کے کندھے کے گرد پھیلا دیا۔

"لیکن مجھے نہیں لگتا۔ وہ ہاں کرے گی۔ جانتے تو ہو تم اسے۔ کتنی عجیب سی ہے۔"

"وہ عجیب ہے۔ تب ہی تو مجھے اچھی لگتی ہے۔ اور جہاں تک بات اس کے ہاں کرنے کی ہے۔ جب حسان انکل اس سے بات کریں گے۔ وہ مان جائے گی۔ اور اگر وہ پھر بھی نہ مانی تو میں خود اس سے بات کر لوں گا۔ اسے منا لوں گا۔ پلیز پھپھو آپ انکل سے بات تو کریں۔" بازل کا لہجہ منت بھرا ہوا تو زمرد بیگم نے حیرت سے اپنی آنکھوں کو پٹکا۔ بازل اور یہ آپ حیرت در حیرت ہی تو تھی۔

وہ بے اختیار ہی بازل کو دیکھتی چلی گئی تھیں تو وہیں بازل کھسیانی ہنسی ہنس پڑا۔ اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔ جانے کیوں انہیں غصہ آیا تھا۔ محبتوں کے معاملے میں کچھ لوگ بہت امیر ہوتے ہیں۔ محبتیں رستہ بدل بھی جائیں تو پہلے سے کہیں بڑھ کر چاہنے والا راستہ میں مل جاتا ہے۔

تیر جو بھی تھا سامنے بازل تھا۔ بازل حیدران کا لاڈلا بھتیجا اور وہ بنا کسی لحاظ کے بازل کے اس پرپوزل کو انکار کرنے والی تھی۔ یوں پہ کراہت لیے انہوں نے بازل کی سمت دیکھا۔

☆☆☆

زندگی اتنی خوب صورت لگ رہی تھی۔ جیسے کوئی فیری لینڈ ہو۔ وہ جو پچھلے ایک سال سے عجیب سا ہو گیا تھا۔ پھر سے اپنے پرانے انداز میں واپس آ چکا تھا۔ گھر، کچن، زندگی، رشتے اور پھر دولت کی بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ کوئی خواہش باقی نہیں تھی۔ سناور نی وی لاؤنج میں بیٹھا عالیہ بیگم کے ساتھ اپنی شادی کی تصویریں دیکھ رہا تھا۔ امل کچن میں ڈنر کی تیاری میں مصروف تھی۔

جب اس کے پاس بیٹھی عالیہ بیگم نے اپنی تسبیح کو روکا۔ اور اسے پکارا۔

"جی امی۔"

"مجھے بی بی صاحب بہت یاد آتی ہیں۔ ان کے لیے تو میرے دل سے ہر وقت دعائیں نکلتی ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتیں تو ہم یہاں نہ ہوتے۔ پتا نہیں کیوں تم نے یہاں آنے کے بعد ان کی کمپنی میں کام

ALIFADAB.COM
Watermarkly

کرنا چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ....."

"آپ کو کہاں سے ان کی یاد آ گئی۔ آخر آپ پچھلی زندگی کو بھول کیوں نہیں جاتیں۔ کتنی بار کہا ہے۔ پرانی زندگی، پرانے لوگوں کو بھول جائیں۔ لیکن آپ....." وہ ماں کی بات کاٹ کر غصے سے اونچی آواز میں بولا۔ اس کے یوں بولنے پہ کچن میں موجود اہل بھی باہر آ چکی تھی۔

"بھول جائیں سب کچھ۔ سب انسانوں کو، سب لوگوں کو، زندگی آگے بڑھنے کا نام ہے۔ اور ہم آگے بڑھ چکے ہیں۔ لیکن آپ....." وہ غصے میں کہتا ہوا کھڑا ہوا تھا۔

"یہ آپ خالہ سے کیسے بات کر رہے ہیں؟" خاموش کھڑی اہل عالیہ بیگم کے پاس آن کر کھڑی ہوگئی۔

"تم چپ کرو۔ بیچ میں مت بولو۔" اب کے سناور نے انگلی اٹھا کر شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر اگلے ہی لمحے راستے آنے میں والی ہر شے کو ٹھوکر سے پرے کرتا ان دونوں کو حق دق چھوڑ کر فلیٹ سے باہر نکل گیا تھا۔

"اس نے کبھی اس طرح بات نہیں کی تھی۔ وہ کبھی اس لہجے میں اور اس انداز میں نہیں بولا تھا۔ اور اب۔" جہاں عالیہ بیگم یہ بات کر کے جی بھر کے پچھتائی تھیں۔ وہیں اہل ایک بار پھر الجھ گئی تھی۔ آخر سناور کیوں پرانی باتوں کو سنتے ہی مجھے سے اکھڑ جاتا ہے؟ کیوں وہ کوئی بھی پرانی بات کرنے پہ یوں ہی بھڑک جاتا ہے۔ "کتنے ہی کیوں؟" منہ کھولے اہل کی جانب دیکھ رہے تھے۔ اور اس کے پاس کسی بھی سوال کا جواب نہیں تھا۔

☆☆☆

اس نے ہولے سے دروازے کو بجایا کیا۔ اور اندر چلی آئی۔ سامنے صوفے پہ حسان صاحب گرے کلر کا سوٹ زیب تن کیے۔ انگلیوں میں سگار سلگائے ٹانگ پہ ٹانگ دھرے اپنے سامنے اخبار پھیلائے [illegible]

سامنے اپنے میک اپ کو آخری ٹچ دینے میں مصروف تھیں۔ دونوں کی نظریں چند ثانیے کے لیے ملیں۔ گہرا سانس لے کر حسان صاحب کی طرف متوجہ ہوگئی۔ جو اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کر رہے تھے۔

وہ اسی لیے خاموشی سے دھیرے دھیرے چلتی ان سے کچھ فاصلے پہ آ کر بیٹھ گئی۔

حسان صاحب نے چونک کر اس کے گریز کو دیکھا اور ہمیشہ کی طرح ان کا دل تاسف سے بھر گیا۔ مہروسہ اور عامر کی ماں کے گزر جانے کے بعد انہوں نے اپنے تئیں اپنے بچوں کو خوش رکھنے کی بہت کوشش کی تھی۔ عامر تو گزرتے وقت کے ساتھ ان کے مزید قریب آ گیا تھا۔ لیکن مہروسہ، ہر گزرتے دن کے ساتھ انہیں خود سے دور ہوتی محسوس ہوتی تھی۔

حالانکہ جب انہوں نے زمرد سے دوسری شادی کی تھی تب مہروسہ دل سے راضی تھی۔ بہت خوش بھی تھی لیکن۔

"ارے اب کیا سوچوں میں ہی گم بیٹھے رہیں گے۔ یا پھر مہرو سے بات بھی کریں گے۔ اور پھر اس کے بعد ہمیں مسٹر اینڈ مسز جمیل کے ہاں پارٹی میں بھی تو جانا ہے۔" زمرد بیگم انہیں خاموش دیکھ کر ان کے قریب آتے ہوئے بولیں۔

"میں نے تمہارے بابا سے کہا تھا۔ ہم گھر واپسی پہ تم سے بات کر لیں گے۔ لیکن تمہارے بابا۔" زمرد بیگم نے حسان صاحب کے ساتھ بیٹھتے ہوئے مسکراتے ہوئے مہروسہ کو مخاطب کیا۔

جس کا دل جانے کیوں بیٹھ گیا تھا۔ وہ سخت مضطرب نظر آ رہی تھی۔

"بات ہی اتنی اچھی اور خوشی کی ہے۔ کہ میں خود پہ قابو نہیں پا سکا۔ ہر ماں باپ کی طرح میری بھی خواہش ہے۔ میری بیٹی کا ہونے والا لائف پارٹنر پرفیکٹ ہو۔ اور پھر جب بات بازل جیسے لڑکے کی ہے تو وقت کو ضائع کرنا بے وقوفی ہے۔"

حسان صاحب نے زمرد بیگم کی جانب جھکتے

ہوئے کہا۔ تو زمرد بیگم کی نقرئی ہنسی پورے کمرے میں گونج اٹھی تھی۔ مہروسہ جواب ہونقوں کی مانند منہ کھولے حسان صاحب کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بات کی تہہ تک پہنچتے ہی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

"ارے تم بیٹھو مہروسہ۔ مجھے تم سے بازل کے سلسلے میں بات کرنی ہے۔ اصل میں تمہاری مما نے مجھ سے بازل کے پرپوزل کے بارے میں....."

"مجھے شادی نہیں کرنی۔ اس لیے آپ فوراً ہی اس رشتے کو انکار کر دیں۔ اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" مہروسہ کے مضبوط لہجے نے جہاں زمرد بیگم کے لبوں پہ بکھری مسکراہٹ کا گلا گھونٹا تھا۔ وہیں ایک لمحے کے لیے حسان صاحب کو بھی خاموش کروا دیا تھا۔

"تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو؟" حسان صاحب نے ناگواری سے بیٹی کو دیکھا۔

"پاپا میں....." مہروسہ نے کچھ کہنا چاہا۔ حسان صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کچھ بھی بولنے سے منع کر دیا۔

"اچھی طرح سوچ لو۔ سمجھ لو۔ پھر کوئی جواب دینا۔ مجھے اور تمہاری مما کو بازل بہت پسند ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھ کر فیصلہ کرنا۔ ابھی ہمیں پارٹی میں جانا ہے۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ ابھی تم اپنے کمرے میں جا سکتی ہو۔"

حسان صاحب نے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد مہرو کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ اور زمرد بیگم کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مہروسہ اپنے دھواں دھواں لے کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ اور اب وہ تکیے میں منہ دیے دھواں دھار رونے میں مصروف تھی۔

"کچھ بھی ہو جائے میں بازل سے شادی نہیں کروں گی۔ بلکہ میں کسی سے بھی شادی نہیں کروں گی۔ کسی سے بھی نہیں۔" وہ بڑبڑائی اور ایک بار پھر شدت سے رو پڑی تھی۔

☆☆☆

وہ اپنے ذہن کو ماضی کی ہر یاد سے چھڑانے کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس کی ہر کوشش بے سود ٹھہری تھی۔ ماضی کے دریچے سے جھانکتا اس کا چہرہ اسے کرب میں مبتلا کر رہا تھا۔ ایسا درد جو اس کی رگوں کو چیر رہا تھا۔

اہل اسے پچھلے دو گھنٹوں میں لاتعداد فون کال کر چکی تھی۔ لیکن وہ سنگی بینچ پہ بیٹھا اپنے اردگرد سے بے خبر ماضی کی گلیوں میں سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ تب جب وہ اس ڈھائی مرلے کے مکان کی چھت پہ اہل کو خاموش کروانے آیا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے مجھ سے بات کرنے کی۔" اسے دیکھتے ہی اہل نے دوپٹے کے پلو سے اپنی سرخ ناک کو صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ارے اب تم سے بات نہیں کروں گا۔ تو پھر کس سے کروں گا۔" وہ اس کے قریب دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اس سے جو آپ کی اور خالہ کی زیادہ سگی ہے۔ میں تو جیسے آپ کی کچھ لگتی نہیں ہوں۔ اور خالہ مجھے تو یقین نہیں آ رہا۔ خالہ میرے ساتھ ایسے کیسے کر سکتی ہیں آپ دونوں چوری چوری ساری باتیں کر لیتے ہو۔ اور مجھے کچھ نہیں بتاتے۔" کہتے ہوئے کتنے ہی آنسو اس کی پلکوں پہ آن ٹھہرے تھے۔

"ایسی بات نہیں ہے اہل۔ اصل میں۔"

"ایسی ہی بات ہے۔ میں بھی تو بوجھ ہوں نا آپ پہ۔ ترس کھا کر اپنے گھر میں جگہ دی۔ سر چھپانے کو چھت اور....." "اہل۔" سناور کے لہجے میں سختی در آئی تھی۔ وہ بیٹھے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"تم ہمارے بارے میں ایسا سوچتی ہو؟" اس کے لہجے میں بے یقینی اور آنکھوں میں تاسف تھا۔ اہل نے سر اٹھا کر سناور کی طرف دیکھا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اسے اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ بھی سرعت سے اپنی جگہ سے کھڑی ہو چکی تھی۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا، میں تو۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتی۔ سناور جانے کے لیے پلٹ چکا تھا۔ اس کے ارادے کو بھانپتے ہوئے امل تیزی سے اس کے عقب سے نکل کر اس کے راستے میں آن کھڑی ہوئی۔

"اچھا سوری پتا نہیں کیوں میں ایسا کہہ گئی۔ مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔" کہتے ہوئے امل نے اپنے دونوں کانوں کو پکڑ لیا تھا۔ سناور بے اختیار دو قدم آگے بڑھا۔

"پلیز نہ جائیں نا۔ میں سوری کر رہی ہوں نا۔" امل بھی سناور نیچے جانے کے لیے آگے بڑھا ہے۔

"اور آئندہ اگر تم نے ایسی بات کی تو۔" اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے سناور نے استفسار کیا۔ امل کا ہاتھ بے اختیار ہی اس کے ہاتھ میں کانپا تھا۔

"کون ہے وہ لڑکی جسے تم پسند کرتے ہو۔ کہاں رہتی ہے؟" اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے امل نے اس سے پوچھا۔

"ملنا چاہتی ہو اس؟" سناور نے اس کے چہرے کو اپنی نظروں کے حصار میں جکڑتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں نا، دیکھنا چاہتی ہوں۔ آخر وہ کون خوش نصیب لڑکی ہے۔ جسے تم نے پسند کیا۔" امل نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"پسند نہیں۔ میں صرف اسے پسند نہیں کرتا۔ بلکہ بہت محبت کرتا ہوں اس سے۔ اگر مجھے وہ نظر نہ آئے تو لگتا ہے ہر منظر پھیکا ہے۔ اس سے بات نہ کروں تو لگتا ہے۔ ہر سر بے سرا ہے۔" وہ جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ اور امل سانس روکے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

امل نے سر جھکایا۔ اور اپنی آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو واپس اندر کی جانب دھکیلا۔

"میں اس قابل نہیں کہ کیا کہہ سناور مجھ سے ایسی محبت کرتا؟" اس کے دل نے شکوہ کیا۔

"تم ملو گی اس سے۔" سناور اب جھک کر اس کی جھکی ہوئی گردن کو دیکھ رہا تھا۔ امل نے جلدی سے اپنے شکوہ کرتے دل کو ڈپٹا۔

اور سر اٹھا کر سناور کی طرف دیکھا۔

"ہاں کیوں نہیں۔" وہ مشکل سے ہی سہی لیکن مسکرا دی تھی۔

"تو پھر میری آنکھوں میں دیکھو۔" سناور نے اپنا چہرہ امل کے چہرے کے عین سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"میں کیوں، میں کیوں تمہاری آنکھوں میں دیکھوں۔" امل اپنی نظروں کو ادھر ادھر گھماتی کہہ رہی تھی۔

وہ نہیں چاہتی تھی دل کے نہاں خانوں میں کسی قیمتی موتی کے مانند چھپا کر رکھی ہوئی اس کی محبت سناور پہ آشکار ہو جائے۔ اب محبت نہ ملنے کا غم الگ تھا۔ لیکن بھرم رہ جانے کی فکر سب سے زیادہ تھی۔

"جب اسے گھر لے کر آئیں گے۔ تو میں خود ہی دیکھ لوں گی۔ ابھی میں جا رہی ہوں۔" اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کی گرفت سے نکالتے ہوئے اس نے عجلت بھرے لہجے میں کہا۔ اور سیڑھیوں کی سمت بڑھ گئی۔ چند قدم چلنے کے بعد ہی اسے رکنا پڑا تھا۔ اس کے دوپٹے کا پلو سناور کے ہاتھ کی قید میں تھا۔ "میری زندگی کی خوشی تم ہو امل۔ میری محبتوں کے آغاز کا اختتام تم ہو۔ تم سے دور جانے کا خیال ہی سوہان روح ہے۔"

"سناور!" امل گھبرا گئی تھی۔

"میں چاہتا تھا، مجھے جاب مل جائے۔ اس کے بعد ہی میں امی سے تمہارے بارے میں بات کروں گا۔ میں چاہتا ہوں، میں تمہیں اپنے دل کی ہی نہیں۔ بلکہ گھر کی رانی بنا کر رکھوں۔ اور میرا تم سے یہ وعدہ ہے۔ میں تمہیں وہ سب دوں گا جو تمہیں چاہیے۔" وہ اس کی سماعتوں میں شیرینی گھول رہا تھا۔

امل کا جی چاہا وہ ان لمحوں کو ہمیشہ کے لیے

روک لے۔ وقت کی طنابوں کو کھینچ کر اس وقت کو مدہوش کر دے۔ زندگی میں اس سے زیادہ کی چاہ کس کافر کو تھی۔ اس کے لیے تو سناور اور اس کی محبت ہی کسی قارون کے خزانے سے کم نہیں تھی۔

وہ دن سناور اور امل کی زندگی میں سب سے خوب صورت ترین دن تھا اور ان دونوں کو یقین تھا۔ آنے والا ہر دن ان کے لیے خوب صورت ہونے والا تھا۔

لیکن ایسا نہیں ہو سکا تھا۔ ہلکا ہی سہی لیکن زلزلہ آیا تھا۔ جس نے سناور کو وہ سناور کب رہنے دیا تھا۔ آنکھوں کے کنارے بھیگے تھے۔ اور وہ آج پھر سردی کی شدت سے بے خبر کتنی دیر تک وہاں بیٹھا رہا تھا۔ پھر جس وقت وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے اپارٹمنٹ کی جانب بڑھا تھا۔ رات کا آخری ستارہ ڈوبنے کی تیاری میں تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد وہ اپنے اپارٹمنٹ کے باہر کھڑا بیل بجا رہا تھا۔ اور دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

☆☆☆

مہرو نے آخری نظر اپنے حلیے پہ ڈالی۔ پھر مطمئن ہونے کے بعد اپنا پرس اٹھایا اور سیڑھیاں اتر آئی۔

"میں تھوڑی دیر میں آ جاؤں گی۔" اس نے لاؤنج میں موجود ملازمہ سے کہا۔ اور بیرونی دروازے کی سمت بڑھی ہی تھی کہ جانے کہاں سے بازل اس کے راستے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے دیکھتے ہی مہرو کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" بازل نے سنجیدگی سے کہا۔

"اور مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔" مہرو نے بے اعتنائی سے کہا۔ اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

"تم ایسے کیوں کر رہی ہو مہرو؟" بازل کہتے ہوئے اس کے عقب میں لپکا۔

"میں نے کیا کرنا ہے۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔" مہرو نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرے پرپوزل کو کیوں انکار کیا؟" اس کے سوال پہ وہ رکی۔ اور پنجوں کے بل بازل کی سمت پلٹی۔

"مجھے ٹھیک نہیں لگا تھا۔ اس لیے انکار کر دیا۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک نہ لگنے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" وہ بھی بازل تھا۔

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔ پلیز میرا راستہ چھوڑو۔" اسے اپنے سامنے ایستادہ دیکھ کر اس نے قدرے درشتی سے کہا۔

"مجھے اپنے سوال کا جواب چاہیے مہرو۔" وہ پھر سے ضدی لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"جب سب بخوشی اس رشتے کے لیے راضی ہیں۔ تو پھر تم کیوں شادی نہیں کرنا چاہتی ہو مجھ سے۔ اور پلیز یہ مت کہنا میں تمہاری اسٹیپ مدر کا بھیجا ہوں۔ اس لیے کیونکہ ہم سب جانتے ہیں پھپھو اور تمہارے بیچ کبھی بھی روایتی سوتیلی ماں والا کوئی ایشو نہیں رہا۔ تم نے اور عامر نے ہمیشہ انہیں عزت دی۔ اور پھپھو نے ہمیشہ تم دونوں سے اپنے بچوں کی طرح پیار کیا۔ اس لیے مجھے یقین ہے۔ یہ عذر پیش نہیں کرو گی تم۔ پھر دوسری کیا وجہ ہے؟"

وہ بے تابانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"ضروری تو نہیں جو حقیقت لگتی ہو۔ وہ ویسی بھی ہو۔" اس کے کہنے پہ بازل نے چونک کر اس کی اور دیکھا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی سوال کرتا مہرو اس کے پاس سے نکل کر تیز تیز قدموں سے بیرونی گیٹ کی سمت بڑھ چکی تھی۔ اور بازل وہیں الجھ کر کھڑا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

تیسری بیل پہ دروازہ کھل چکا تھا۔ سناور امل کو پرے کرتا اپارٹمنٹ میں داخل ہوا۔ اور بنا کوئی بات کیے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی چال میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ سی تھی۔ ایک لمحہ تھا جو امل کو اپنے

ALIFADAB.COM
Watermarkly

دل میں اترتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے اپارٹمنٹ کا دروازہ بند کیا۔ اور تیزی سے سناور کے عقب میں لپکی۔

"تم نے ڈرنک کی ہے؟" وہ اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے تیز لہجے میں بولی۔ سناور نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"اس وقت مجھے تنگ مت کرو۔" وہ اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھتے ہوئے بولا تھا۔

"مجھے اپنے سوالات کا جواب چاہیے سناور؟" وہ غصے سے اس کے چوڑے سینے پہ ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ سناور لڑکھڑا سا گیا تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ۔" اب کے اس نے غصے سے اہل کے بازو کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔

"بدتمیزی اور بکواس تو یہ میری زندگی ہے۔ جو میں تمہارے ساتھ گزار رہی ہوں۔ تم نے آخر ایسا کیا کیا ہے جس کا بوجھ تم اٹھا نہیں پا رہے۔ مجرموں کی طرح تم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دنیا کے اس انجان کونے میں آ بیٹھے۔ اور ساتھ میں مجھے اور خالہ کو بھی لے آئے۔"

ایک سال بہت ہوتا ہے برداشت کرنے کے لیے۔ اب اہل کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ رات اس نے عالیہ بیگم کے ساتھ جو کچھ کیا تھا۔ اہل برداشت نہیں کر سکی تھی۔ عالیہ بیگم کتنی ہی دیر روتی رہی تھیں۔

"اپنی حد میں رہو اہل!" سناور نے غصے سے انگلی اٹھا کر اسے متنبہ کیا۔

"اب حد میں، میں اور خالہ نہیں تم رہو گے۔ ہم سب سے بات کریں گے۔ سب رشتہ داروں، محلے والوں سے رابطہ رکھیں گے۔

ہم تمہارے غلام نہیں ہیں۔ جو....." اہل ابھی بات مکمل بھی نہیں کر پائی تھی۔ کہ سناور کا ہاتھ اٹھا اور اس کے چہرے پہ ثبت ہو گیا۔ اہل اس سب کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ لڑکھڑا کر زمین پہ گرتی سناور اس کا بازو اپنے ہاتھ کے آہنی شکنجے میں جکڑ چکا تھا۔

"ایک بھی لفظ نہیں۔ اگر تم نے میری مرضی کے خلاف کچھ بھی کیا۔ تو میں تمہیں زمین میں گاڑ دوں گا۔" اس کے لہجے میں سفاکیت تھی۔ عالیہ بیگم جوان دونوں کی لڑائی کی آواز سن کر دروازے تک آئی تھیں۔ ٹھٹک کر وہیں رک گئی تھیں۔

"سب کچھ میں نے تمہارے لیے کیا ہے۔ تمہیں زمین سے آسمان پہ بٹھانے کے لیے میں نے اپنے ضمیر تک کو بیچ ڈالا۔ میں نے خود کو اور کسی دوسرے کی زندگی کو برباد کر دیا ہے۔ اور اس کی وجہ تم ہو۔ اگر تم نے میرے سامنے اونچی آواز میں بولنے کی جرأت کی۔ یا میری مرضی کے خلاف کچھ بھی کرنے کی کوشش کی۔ تو یاد رکھنا میں تمہارا لحاظ نہیں کروں گا۔" کہتے ہوئے سناور نے اس کے بازو کو ایک جھٹکے سے چھوڑا۔ اہل ابھی تک چہرے پہ ہاتھ رکھے پھٹی پھٹی نظروں سے سناور کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا کیا ہے تم نے سناور؟" اہل کی سرسراتی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"پیچھے ہٹو۔" سناور نے اسے اپنے سامنے سے ہٹانا چاہا۔

"میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔ تم نے کیا کیا؟" اہل چلائی تھی۔ اور پھر سناور کے بولتے لب اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہ سب سناور نے کیا۔ وہ بھی چند پیسوں کے لیے۔

بوجھل دل کے ساتھ عالیہ بیگم دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی تھیں اور اندر کھڑی اہل کو سانس لینا محال ہو رہا تھا۔ اس نے کیسے چند پیسوں کے لیے ایک جیتی جاگتی زندگی کو زندہ درگور کیا تھا۔ سناور کا بت پاش پاش ہو گیا تھا۔

☆☆☆

ان کے گرد پھولوں کی دھیمی دھیمی خوشبو بکھری ہوئی تھی۔ اس کے قریب دوسرے سرے پہ بیٹھا شخص اب بالکل خاموش تھا۔

"محبت کی نہیں جاتی، ہو جاتی ہے۔ محسوس کرلو

نہیں پڑتی، محسوس ہو جاتی ہے۔ لیکن شاید میں اس معاملے میں بڑی اناڑی نکلی۔ محبت کرتی چلی گئی اس کی باتوں سے، اس کی کیئر سے، اس سے۔ میں نے بہت محبت کی۔" کہتے ہوئے اس کا لہجہ بھرایا تھا۔ آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے تھے۔

"کتنا بدقسمت شخص تھا وہ۔ جو تمہاری محبت کو ٹھکرا گیا۔" دوسرے شخص کے لہجے میں تاسف تھا۔

"محبت ٹھکرا جاتا۔ بے وفائی کر جاتا تو بھی اتنا برا نہ لگتا۔ وہ تو بس مجھے پھنسا رہا تھا۔ اور اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ٹھہرا تھا۔" درد مسکراہٹ بن کر اس کے لبوں پہ آن ٹھہرا تھا۔

"بھول جاؤ۔ کیونکہ بھول جانے میں ہی عافیت ہے۔ ماضی کی یادوں میں رہو گی تو درد کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔" کہتے ہوئے بازل نے اپنی گردن کو مہر کی سمت موڑا۔

"مہر! میں مانتا ہوں۔ جو ہوا غلط ہوا۔ لیکن....." دفعتاً بازل بری طرح چونکا تھا۔ اس نے استفہامیہ نظروں سے مہر کے چہرے کو دیکھا۔

"لیکن تم نے مجھے یہ نہیں بتایا۔ اس نے تمہارے ساتھ یہ سب کیوں کیا تھا؟ آخر اس کے اس طرح کرنے کی کوئی تو وجہ ہو گی۔" وہ اب مکمل طور پہ مہر کی جانب رخ کر کے بیٹھ چکا تھا۔ "پتا نہیں۔ مجھے اس بات کا نہیں پتا۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو چکی تھی۔

"یہ کیسے ممکن ہے کہ تمہیں معلوم نہ ہو۔" بازل خفگی سے کہتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"مجھے تم سے شادی نہیں کرنی۔ اس لیے کہ مجھے کسی سے بھی شادی نہیں کرنی۔ سو بہتر ہے تم پاپا کو خود سمجھا دو۔ میری تو وہ کوئی بھی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور میں چاہتی ہوں یہ بات بنا کسی بدمزگی کے ختم ہو جائے۔" مہر نے کندھے پہ پرس ڈالتے ہوئے مدبرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں تو اگر تم یہ بات بنا کسی بدمزگی کے ختم کرنا چاہتی ہو۔ تو آرام سے انکل کی بات مان لو۔ کیونکہ میں تو اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔" بازل کے لہجے میں چٹانوں سی سختی تھی۔ مہر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ مہر وہ پلٹی اور تیز تیز قدموں سے بیرونی گیٹ کی سمت چل پڑی تھی۔

☆☆☆

سرد مہری کا موسم ان دونوں کے بیچ آن ٹھہرا تھا۔

"اہل! میں پہلے ہی پریشان ہوں۔ تم مجھے مزید پریشان مت کرو۔" سناور نے کمرے سے باہر نکلتی اہل کا بازو تھام کر اسے اپنے سامنے کھڑا کرتے ہوئے کہا۔ اہل کچھ بھی بولے بنا اپنے ہونٹ کاٹتی رہی۔

"اہل!" سناور نے اس کی ٹھوڑی اوپر کی "میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اہل۔ تمہارا یہ رویہ مجھے اذیت دے رہا ہے۔ بس کرو اہل۔" سناور نے اس کی منت کی تھی۔ اہل کی آنکھوں میں پانی کا سیلاب جمع ہونے لگا تھا۔

اس کے کس سے اذیت ہو رہی تھی۔ اس اذیت سے گھبرا کر اس نے سناور کے ہاتھ میں جکڑے اپنے بازو کو اپنی پوری قوت کے ساتھ چھڑانے کی سعی کی۔

"ایسے مت کرو اہل پلیز۔ مجھ سے اس طرح دور مت جاؤ۔ میں پہلے ہی خود سے، تم سے، اپنے ضمیر سے بہت شرمندہ ہوں۔" سناور بھرائے ہوئے لہجے میں کہتا اہل کے قریب ہوا۔

"مجھے چند دن میرے حال پہ چھوڑ دو سناور۔ مجھے یقین کر لینے دو سناور علی نے خوشی خوشی ایک معصوم لڑکی کو برباد کیا۔ چند پیسوں کے لیے تمہیں یہ سب ڈرامہ کرنے کے کتنے لاکھ ملے تھے۔ پچاس لاکھ، اسی لاکھ یا ایک کروڑ۔۔۔

مجھے بے ایمانی کے پیسے نہیں چاہیے تھے سناور۔ کب میں نے تم سے سونے اور قیمتی پتھروں کی فرمائش کی تھی۔ ایک گجرا میرے لیے سونے سے کہیں زیادہ قیمتی تھا۔ کب میں نے تم سے گاڑی میں

ALIFADAB.COM
Watermarkly

پھرنے کی خواہش کی تھی۔ میں تو تمہارے ساتھ ٹوٹی ہوئی بائیک پہ بیٹھ کے بھی خود کو کسی ملکہ سے کم نہیں سمجھتی تھی۔

ایک بار بھی، ایک بار بھی تمہیں خیال نہیں آیا تم کیا کر رہے ہو۔ تم نے کچھ نہیں سوچا۔" "تم" وہ بے تحاشا روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اور سناور سناور اب نم آنکھوں سے اسے روتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

اس کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ وہ بولنا چاہتا تھا۔ روتی ہوئی اہل کو خاموش کروانا چاہتا تھا۔ وہ اس سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ لیکن اس وقت وہ کچھ بھی نہیں کر پایا تھا۔ وہ روتے ہوئے کمرے کا دروازہ پار کر گئی تھی۔ اور سناور پاس پڑی کرسی پہ گرنے کے انداز میں بیٹھ کر اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے یاد آ رہا تھا اس سے محبت کے ڈرامے کرنے اور پھر انکار کرنے کے لیے سامنے پڑے پیپر پہ سائن کرنے کا کہا جا رہا تھا۔ یہ انگیجمنٹ تھا۔ جو اس کے اور سامنے کرسی پہ بیٹھی خاتون کے درمیان طے پا رہا تھا۔ پیسہ اور ساتھ میں اہل اور ماں کے ساتھ بیرون ملک چلے جانے کی آفر دولت کی دیوی اس کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی۔

اور وہ اتنا بھی ایمان دار نہیں تھا۔ جو دولت کی دیوی کے لیے بند کواڑ نہ کو کھولتا۔ اور وہ بھی اس صورت میں جب وہ پچھلے آٹھ ماہ سے اچھی نوکری کی تلاش میں در در کی ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ اس نے تیزی سے اپنے ذہن میں سود و زیاں کا حساب لگایا۔ اس کے حصے میں تو سب ٹھیک ہے کا سائن روشن ہوا۔ اور پھر، اس نے ٹیبل پہ پڑے پیپر کو اپنی طرف موڑا۔

☆☆☆

ایک سرد جنگ تھی جو حسان صاحب اور مہرو سہ کے بیچ چھڑ گئی تھی۔ بیٹی کی ہر خواہش کو پورا کرنے، اسے زندگی میں ہمیشہ سپورٹ کرنے والے حسان صاحب نے اس کی چوبیس سالہ زندگی میں پہلی بار اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ اس کے ساتھ کھڑے ہونے کے بجائے وہ اس کے مقابل آن کھڑے ہوئے تھے۔ زمرد بیگم اس سارے قصے میں خاموش تھیں۔ اور ان کی خاموشی مہرو کو ہلا رہی تھی۔ آخر اس نے زمرد بیگم سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس دن حسان صاحب آفیشل میٹنگ کے لیے باہر گئے تھے۔

وہ اس وقت فون پہ بات کر رہی تھیں۔ انہوں نے قریب کھڑی مہرو کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کال ختم کرنے کے بعد بولیں۔

"گھما پھرا کر بات کرنا تو آتی نہیں مجھے۔ ان فیکٹ میرے پاس اتنا ٹائم بھی نہیں۔ بازل میرا ایمرا بھیجا ہے۔ لاڈلا اور چہیتا اب قسمت کی تو تم پہ ہی دھنی رہی ہو۔ دیکھو، کیسے تاش کے بکھرے پتوں کی مانند کھیل تمہاری مٹھی میں آ گیا۔" ان کے لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

مہرو نے سر اٹھایا اور ان کی طرف دیکھا۔

"میں۔" اس نے کچھ کہنے کے لیے اپنے لبوں کو کھولا۔ لیکن اسی لمحے زمرد بیگم نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے منع کر دیا۔

"میں نے تمہاری سننے کے لیے نہیں۔ بلکہ اپنی سنانے کے لیے تمہیں یہاں بلوایا ہے۔ کبھی بھی میرے مقابل مت آنا۔ میں اپنے راستے میں آنے والی ہر شے کو چیونٹی کی طرح پاؤں تلے روندنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگاتی۔" انہوں نے کہتے ہوئے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو مسلا تھا۔

"اپنی زندگی کو انجوائے کرو۔ لیکن اپنی اوقات میں رہ کر۔ ورنہ۔۔۔" دھمکی آمیز لہجے میں انہوں نے اپنی بات کو چھوڑا۔ مہرو تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

"میں۔۔۔" گلے میں اٹکے آنسوؤں کے گولے کو حلق سے نیچے اتارتے ہوئے بامشکل ایک لفظ بول پائی تھی۔

"تمہاری ایک بھی غلطی تمہارے سب راز افشاں کرنے میں دیر نہیں لگائے گی۔ یاد ہے نا وہ

تمہیں دکھاؤں۔" انہوں نے کہتے ہوئے ریموٹ پکڑا۔ اپنے فون کو اٹھایا۔

"نہیں نہیں پلیز نہیں۔" آنسو ٹوٹ کر اس کے گالوں پہ آ بکھرے۔ وہ بے اختیار ہی ان کے قدموں میں آ بیٹھی۔

"مجھے جینے دیں خدا کے لیے۔ مجھے جینے دیں۔ مجھے نہیں پتا آپ کو کیوں ایسا لگا تھا۔ لیکن ایسا کچھ بھی نہیں تھا سچ میں ایسا کچھ نہیں تھا۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے مسلسل رو رہی تھی۔ جب اچانک ہی حسان صاحب دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

مہرو کو یوں فرش پہ زمرد بیگم کے قدموں کے پاس بیٹھا دیکھ کر وہ ٹھٹک کر اپنی جگہ رکے تھے۔ زمرد بیگم تیزی سے سیدھی ہو کر بیٹھیں اور مہرو کو دونوں شانوں سے تھام لیا۔

"تم بھی نا۔ ہم کون سا اپنی اولاد کو خود سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن دنیا کی ریت یہی ہے بیٹیوں کو رخصت کرنا ہی ہوتا ہے۔ پھر چاہے بیٹی کسی بادشاہ کی ہو یا پھر کسی فقیر کی۔ چہرے پہ افسردگی، آنکھوں میں آنسو اور لہجے میں اداسی سموئے زمرد بیگم مہرو کو اپنے سینے سے لگا چکی تھیں۔ حسان صاحب افسردگی سے مسکراتے ہوئے مہرو کے قریب آ گئے۔ جو اب اپنے آنسوؤں کو صاف کرتی۔ قالین سے اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔

"مہرو۔ میری جان، میری بچی۔" حسان صاحب اسے اپنے سینے سے لگا چکے تھے۔

باپ کی مہربان بانہوں میں وہ کتنے عرصے کے بعد سمائی تھی۔ مہرو یاد کرنے کی کوشش میں اپنی پوری شدت سے رو دی تھی۔

"والدین ہمیشہ اپنے بچوں کے لیے اچھا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں نے بھی اپنی بیٹی کے لیے بازل جیسے انسان کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔"

"پاپا!" مہرو نے ان کے چوڑے سینے سے سر اٹھا کر کچھ کہنا چاہا۔

"آپ بس فکر نہیں کریں۔ ہماری بیٹی دنیا کی بیسٹ بیٹی ہے۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے اور ہمیشہ کی طرح وہ سمجھ گئی ہے۔ اب تو آپ بس تیاریاں شروع کر دیں۔" زمرد بیگم نے حسان صاحب کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر سرعت سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

"ارے واہ کیا واقعی۔" مہرو کو دونوں شانوں سے اپنے سامنے کرتے ہوئے حسان صاحب نے بے یقینی سے استفسار کیا۔ زمرد بیگم ایک بار پھر بول پڑی تھیں۔

"لو آپ ایسے حیران ہو رہے ہیں۔ جیسے مہرو نے پہلے آپ کی کبھی کوئی بات نہیں مانی۔ ارے بھئی ہماری بیٹی ہے ہی اتنی فرماں بردار اور سعادت مند کہ اس نے کبھی ہمیں ناامید نہیں کیا۔ میں تو بھائی اور بھابھی کے ساتھ ساتھ بازل کو بھی یہ خوش خبری سنانے لگی ہوں۔ جلدی سے دبئی کی سرزمین چھوڑ کر دھوم دھام سے ہمارے بیٹی کو بیاہنے کے لیے آ جائیں۔" پرجوش لہجے میں کہتے زمرد بیگم اب اپنا فون اٹھائے کمرے سے باہر جا چکی تھیں۔ مہرو نے حواس باختہ ہو کر حسان صاحب کی طرف دیکھا۔

"پاپا میں۔۔۔" وہ اپنے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش میں بے حال ہو رہی تھی۔

"پتا نہیں زمرد میری کون سی نیکی کا صلہ ہے۔ تمہاری ماں کے بعد اس نے جس طرح تمہیں اور عامر کو اپنی اولاد کی طرح سمجھا۔ میں تو قیامت تک اس کا یہ احسان نہیں اتار پاؤں گا۔" حسان صاحب کے لفظ مہرو کی تمام تر ہمت کو ختم کرتے جا رہے تھے۔

"سب اسے خوش ہیں اور بازل تو۔" زمرد بیگم آگے نہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھیں۔ اور مہرو ایک بار پھر ان سے ہار کر مرے ہوئے قدموں سے ان کے کمرے سے نکل آئی تھی۔ اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے سینے سے امڈتی چیخوں کا گلا منہ پہ ہاتھ رکھ کر گھونٹا۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

"وہ اچھی نہیں ہیں پاپا۔ وہ اچھی نہیں۔" دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے وہ زمین پہ بیٹھتی جا رہی تھی۔ اور اپنی تمام تر شدتوں کے ساتھ رو دی تھی۔

☆☆☆

امل کی بے رُخی، کہیں اس کی بے اعتنائی ہر گزرتے دن کے ساتھ سناور کو موت کے قریب کر رہی تھی۔ اور اب تو جانے کیوں امی بھی پہلے سے کہیں زیادہ خاموش رہنے لگی تھیں۔

"ایسے مت کرو امل۔ بہت محبت کرتا ہوں میں تم سے۔" سناور جانے کیوں یہ کہتے ہوئے خود پہ ضبط نہیں کر پایا تھا۔ وجہ ان دنوں میں امل کی حالت تھی۔ جانے کیوں دن بدن اس کے چہرے پہ زردیاں پھیلتی جا رہی تھیں۔ آنکھیں اندر کو دھنستی اور ہونٹ تو، مسکرانا بھی بھول گئے تھے۔

اس وقت بھی وہ اپنے سامنے بیٹھے روتے ہوئے سناور کو خالی خالی نظروں سے دیکھتی جا رہی تھی۔

"معاف کر دو امل۔ میں نے بنا محنت کے جلدی سب حاصل کرنے کے چکر میں یہ سب کر دیا۔ میں نے غلطی کی گناہ کیا۔ میں مانتا ہوں لیکن تم تو میرے ساتھ ایسے مت کرو۔"

"میں کیا کر رہی ہوں تمہارے ساتھ سناور۔ میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ میرے اندر کچھ کرنے کی طاقت ہی نہیں۔ اتنی ہمت نہیں تمہیں چھوڑ کر چلی جاؤں۔" کہتے ہوئے اس کے لبوں پہ مسکراہٹ نے چھب دکھلائی اور اگلے ہی لمحے گم ہو گئی۔

"امل میں۔۔۔" سناور نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا جسے اس نے اگلے ہی لمحے جھٹک دیا۔

"میرے ضبط سے زیادہ مت آزماؤ سناور۔ بہت چاہ کر بھی میں تم سے نفرت نہیں کر پا رہی۔ پتا نہیں کیوں تم سے محبت کے سوا کوئی دوسرا رشتہ بنا ہی نہیں پا رہی۔" وہ رو پڑی تھی۔

"لیکن تمہیں معاف کرنے کا حوصلہ بھی نہیں۔ [illegible] محبت کو رسوا کرنے چل پڑے۔ لمحے بھر کے لیے اس محبت کے ڈھونگ کو ایک جانب رکھ بھی دیا جائے۔ کبھی تو سوچتے اس معصوم اور پیاری لڑکی کے دل پہ کیا گزری ہوگی۔ کیا گزری ہوگی جب تم نے اس کے سامنے چیک کو اٹھایا ہوگا۔ نہیں سناور تم نہیں سمجھ سکے۔ کیونکہ تم اس کی جگہ پہ نہیں تمہارے ضمیر کا یہ بوجھ یونہی منوں بھاری نہیں ہوا سناور۔ میں بد دعاؤں کی زد میں آئے تمہارے وجود کے ساتھ کیسے خود کو رکھ پاؤں گی۔ سمجھ نہیں آ رہا مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا۔" وہ کہتے ہوئے اٹھی۔ ابھی دو قدم بھی چل نہیں پائی تھی کہ چکرا کر گری اور بے ہوش ہو گئی۔

سناور پاگلوں کی طرح اس کی سمت لپکا تھا۔ اور پھر اگلے چند منٹوں کے بعد وہ امل کے بے ہوش وجود کو ایمبولنس میں ڈالے جلدی سے ہاسپٹل کے قریب پہنچنے کی دعائیں مانگ رہا تھا۔

☆☆☆

چیزیں کتنی غیر متوقع ہوتی ہیں۔ اور حالات کتنے عجیب۔ وہ آج بازل کے نام کا عروسی جوڑا پہنے لپستے ہندی زدہ ہاتھوں کو گود میں رکھے ان پہ نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

"آپ اداس مت ہوا کریں۔ اداس ہوتی ہیں تو لگتا ہے ہر شے پہ اداسی کا رنگ چڑھ گیا ہے۔ زندگی خوش رہنے کا نام ہے۔ خوش رہا کریں نا۔ جب آپ خوش ہوتی ہیں تو یقین کریں سب سے زیادہ خوشی اس ناچیز کو ہوتی ہے۔" وہ اپنے سینے پہ ہاتھ رکھے اس کی جانب ذرا سا جھکتے ہوئے بولا تھا۔ اور وہ جو اس سے ڈھیروں ناراض تھی۔ اس کی بات پہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"کیا آپ کو قبول ہے؟" مولوی صاحب کی آواز اسے ماضی سے حال میں کھینچ لائی تھی۔ آنسو ستارے کی مانند اس کی آنکھ سے ٹوٹ کر گرا تھا۔

"قبول ہے۔" اس کے سوا اس کے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔

"محبت ہو گئی ہے مجھے تم سے۔ جانتا ہوں تمہارے اور میرے بیچ بہت فرق ہے۔ لیکن اس دل کا کیا کروں۔ جو تمہیں نہ دیکھے تو دھڑکنے سے ہی انکار کر دیتا ہے۔ ان سانسوں کا کیا کروں جو تمہارے نام کی مالا جپنے لگتی ہیں۔ انہیں روکوں تو مجھے رک جانے کی دھمکی دینے لگتی ہیں۔"

مہرو کو اپنا وجود ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے بے اختیار ہی اپنا نازک ہاتھ اس ٹیبل پہ رکھے ہاتھ پہ رکھ دیا تھا۔

محبت کے اس سفر میں وہ اکیلا کب تھا۔ وہ بھی تو اس کی ہم راہی بن بیٹھی تھی۔

"کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟" مولوی صاحب کی آواز ایک بار پھر اسے ماضی کی یاد سے ساتھ چھڑانے پہ مجبور کر گئی تھی۔

"قبول ہے۔"

"محبت نہیں کرتا میں تم سے۔ سوری مہرو! مجھے یہ کام کرنے کا آرڈر ملا تھا۔ اور میں نے اس کام کو ایمان داری سے کرنے کی کوشش کی۔ اس سے زیادہ کا تعلق نہیں تھا۔" وہ انجان بنا اسے بتا رہا تھا۔ چیک ہوئے اور پتا نہیں کیا کیا اس کے سامنے پڑا تھا۔

اس کا وجود کرچی کرچی ہوا تھا۔ یا پھر اس کی روح لہولہان اس بات سے وہاں پہ موجود دونوں نفوس کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ اور نہ ہی پڑنے والا تھا۔

"آپ کو یہ نکاح قبول ہے۔" مولوی صاحب کی آواز پہ وہ چونکی۔ گہری سانس بھری اور پھر "قبول ہے۔" کہہ دیا۔

نکاح کی مبارک باد کے شور میں اس نے آخری بار اس ظالم انسان کا نام لیا جسے اس نے اپنی تمام تر چاہتوں سے چاہا تھا۔ لیکن وہ اس کے نصیب میں نہیں تھا۔ اس کا نصیب تو ساتھ بیٹھا بازل حیدر تھا۔ جو اب اپنے فون سے سیلفی لینے میں مصروف تھا۔

"اسمائل پلیز۔" اس نے مہرو کو کندھا مارتے ہوئے کہا۔ اور کلک کر کے دونوں کی تصویر کو ہمیشہ کے لیے کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر لیا تھا۔ وہ الگ بات تھی مہرو نے اسمائل تو کیا۔ اپنا چہرہ بھی اس کی سمت نہیں موڑا تھا۔

لیکن جانے کیوں بازل حیدر کو یقین تھا۔ وہ اپنی خوب صورت اور نک چڑھی بیوی کو جلد ہی ٹھیک کر لے گا۔ محبت ہو جانے میں صدیاں تھوڑی لگتی ہیں۔ یہ تو لمحوں میں ہو جاتی ہے۔ اور پھر صدیوں پہ محیط ہو جاتی ہے۔ امر ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

اسے ڈاکٹر کارلس نے اپنے کمرے میں بلایا تھا۔ جانے کیوں سناور کا جی چاہ رہا تھا۔ وہ ڈاکٹر کے کیبن میں جانے کے بجائے مشینوں میں جکڑی امل کو اور اس کے قریب بیٹھی اپنی ماں کو اپنے ساتھ لے۔ اور ہاسپٹل سے باہر نکل آئے۔ وہ ان دونوں کے ہمراہ اتنی دور چلا جائے۔ جہاں کوئی دکھ نہ ہو، کوئی ماضی کی بات نہ ہو۔ بس امل اور وہ ہوں۔ اور وہ اسی طرح خوش رہ سکے جس طرح اس ڈھائی مرلے کے مکان میں رہتے تھے۔

ڈاکٹر کارلس اپنے پانچ افراد پہ مشتمل پینل کے ہمراہ موجود تھے۔ جانے کیوں سناور کو کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن مدہم ہو رہی تھی۔ کسی انہونی کا احساس اس سرد موسم میں بھی پیشانی پہ پسینہ لے آیا تھا۔

"پانچ دن کے مختلف ٹیسٹ کے بعد آپ کی مسز کی فائنل رپورٹ ہمارے پاس آ چکی ہے۔" بالآخر ڈاکٹر کارلس نے بولنا شروع کیا تھا۔

"جی مجھے پتا ہے۔ امل شروع سے ہی ایسی ہی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو سر پہ سوار کر لینے والی۔ اور اگر بات میری ذات کی ہو۔ وہ ایسے ہی کرتی ہے مطلب پیار پڑ جاتی ہے۔ اصل میں مجھ سے محبت بھی تو بہت کرتی ہے۔ نہیں محبت نہیں بلکہ عشق کرتی ہے۔" سناور نے بے اختیار بولنا شروع کیا۔

"مسٹر سناور! پلیز خود کو مضبوط کریں۔ آپ کو خود کو مضبوط کرنا ہوگا۔" ڈاکٹر کارلس نے کہتے ہوئے

ALIFADAB.COM
Watermarkly

پانی کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"آپ پانی پئیں۔" ڈاکٹر کارلس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تو سناور نے بادل ناخواستہ دو گھونٹ پانی کو حلق سے نیچے اتار لیا۔

"مجھے پتا ہے اہل کو ٹینشن ہے۔ اور اس کی ٹینشن کا ذمہ دار میں ہوں۔ میں....." سناور بول رہا تھا۔ جب ڈاکٹر کارلس نے اس کی بات کاٹی۔

"آپ ہمارے پاس بہت لیٹ آئے ہیں۔ آپ کی مسز کو....." ڈاکٹر کارلس رکے۔ اور پھر ٹیبل پہ پڑی رپورٹس اٹھا کر اپنی نظروں کے سامنے کیا۔ چند صفحوں کو پڑھنے کے بعد ڈاکٹر کارلس نے دم سادھ کر بیٹھے سناور کی طرف دیکھا۔

"آپ کی وائف کو جگر کا کینسر ہے۔ اور بات لاسٹ اسٹیج سے بھی کہیں زیادہ گمبھیر ہے۔ ایم سوری مسٹر سناور۔ چند دن..... آپ کی وائف چند دن کی مہمان ہیں۔" کوئی صور تھا۔ جو ڈاکٹر کارلس، سناور کی سماعتوں پہ پھونک رہے تھے۔ یا پھر کوئی تیزاب جو اس کی سماعتوں کو جھلسا رہا تھا۔

کتنی ہی دیر اس کے دل نے دھڑکنے سے انکار کر دیا تھا۔

"نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ کی رپورٹ ٹھیک نہیں۔ اہل بالکل ٹھیک ہے ایک دم ٹھیک۔ ابھی ڈیڑھ ماہ پہلے ہی تو ہماری شادی ہوئی ہے۔ بالکل ٹھیک تھی وہ۔ بالکل ٹھیک....." سناور کہتا ہوا بیٹھے سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"ہم نے پوری احتیاط اور باریک بینی سے آپ کی بیگم کی فائل پڑھی ہے۔"

"آپ کو ہمت کرنی ہوگی۔" ڈاکٹر کارلس نے اسے تسلی دی۔

"کچھ کیجیے ڈاکٹر۔ کچھ بھی کر کے میری اہل کو بچا لیں۔ میں اپنے پاس موجود ہر چیز کو اس پہ وار دوں گا۔ میں اپنا آپ تک اس کے لیے بیچ ڈالوں گا۔ لیکن پلیز میری اہل کو ٹھیک کر دیں۔" ان کی منتیں کرتا ہوا۔

"ہم اپنی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ آپ پلیز خود کو سنبھالیں۔" ڈاکٹر کارلس نے اس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ اور پھر ایک موہوم امید سے سناور کے عقب میں کھڑے ڈاکٹر زکو دیکھا۔ جن کے چہرے پہ ناامیدی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

"آہ پیاری اہل!" ڈاکٹر کارلس کے لبوں سے نکلا۔ اور وہ پھر سے سناور کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

☆☆☆

تازے سرخ پھولوں سے سجا کمرہ اس کا منتظر تھا۔ لیکن اسے اس وقت کسی بھی چیز میں دلچسپی نہیں تھی۔ وہ بازل کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اور تھکن سے انداز میں صوفے پہ جا بیٹھی۔

"ہائے اب ایسے تو مت کرو۔" بازل جو بیڈ کی سمت بڑھ رہا تھا۔ اسے صوفے پہ براجمان ہوتے دیکھ کر تیزی سے اس کے قریب آیا مہرو نے اپنی تھکی تھکی آنکھوں کو اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔ ہمیشہ کی طرح فریش چمکتا اور مہکتا بازل اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ اس لمحے جانے کیوں اسے بازل پہ بے انتہا رشک آیا تھا۔

"پیارا لگ رہا ہوں نا۔" بازل شوخ ہوتے ہوئے اس کے قریب صوفے پہ آ بیٹھا۔ اس کے یوں بیٹھتے ہی مہرو لاشعوری طور پر اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو چکی تھی۔

"دیکھو مجھے تم سے اپنے روایتی انداز میں استقبال کرنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ لیکن دیکھو پلیز ایسے تو مت کرو۔ کچھ تو خیال کرو یہ میری پہلی شادی ہے۔" چہرے پہ جہاں بھر کی معصومیت سجائے وہ مہرو سے کہہ رہا تھا۔ اور مہرو چند لمحے اس کی طرف دیکھنے کے بعد اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رو پڑی تھی۔

"ارے ارے مہرو!" بازل گھبرا گیا۔ اور بمشکل اس کے ہاتھوں کو اس کے چہرے سے ہٹانے میں کامیاب ہوا تھا۔

"مجھے بہت دعوے کرنے نہیں آتے۔ لیکن آج دو وعدے ضرور کروں گا۔ ایک ہمیشہ تم سے بے انتہا محبت ضرور کروں گا۔ اور دوسرا ہمیشہ تمہارا ساتھ دوں گا۔ اپنے دل سے ہر ڈر، ہر خوف کو نکال دو۔ دیکھو تاریخ بدلتی ہے تو وقت بھی بدل جاتا ہے محسوس کرنے کی کوشش کرو گی۔ تب ہی تو محسوس کر پاؤ گی نا۔ بھول جاؤ سب بھول جاؤ۔" بازل نے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ کو سہلایا تھا۔

"تمہیں عجیب نہیں لگتا۔ میں کسی اور سے محبت کرتی تھی۔ برا نہیں لگتا۔ سب جانتے بوجھتے بھی تم نے مجھ سے شادی کر لی۔" دل میں چھپی بات وہ ہونٹوں تک لے آئی تھی۔ بازل تو دھیرے سے مسکرایا۔

"برا تو لگتا ہے اور عجیب بھی لگتا ہے۔ یار میں تمہیں کیسے بتاؤں۔ یہ میری پہلی شادی ہے۔ اور تم نے پہلے دن ہی مجھے ہارٹ اٹیک کروانے کے سارے سامان اکٹھے کر لیے ہیں۔" بازل نے اپنی بائیں جانب ہاتھ رکھتے ہوئے پیچھے کی جانب جھکتے ہوئے دہائی دی۔ مہرو کے چہرے پہ ناسمجھی کے تاثرات ابھرے تھے۔

"ارے یہ دیکھو۔" وہ جلدی سے اٹھا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے شیشے کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔ مہرو ابھی بھی شیشے میں دیکھنے کے بجائے بازل کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ارے یہاں دیکھو۔" اس نے کہتے ہوئے مہرو کے چہرے کو ٹھوڑی سے پکڑ کر شیشے کی سمت کیا۔ رونے کی وجہ سے اس کا سارا میک اپ بکھر چکا تھا۔ کاجل آنکھوں کی بجائے گالوں پہ محو سفر تھا۔ تو وہیں اس کی ایک مصنوعی پلک ٹوٹ کر اس کی بائیں آنکھ کے کنارے ذرا سی اٹکی ہوئی تھی۔ لپ اسٹک ہونٹوں کے کنارے سے نکل کر ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھی۔ یعنی وہ اچھی خاصی مضحکہ خیز لگ رہی تھی۔

مہرو نے جلدی سے بازل کی طرف دیکھا۔ اس کے یوں دیکھنے پہ بازل بے اختیار ہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"بدتمیز۔" مہرو نے اس کے بازو پہ تھپڑ رسید کرتے ہوئے خفگی سے کہا۔ اور پھر جانے کیوں وہ خود بھی ہنس پڑی تھی۔ رشتوں کی بنیاد سچائی اور خلوص پر ہو تو دل نہ ملنے کے باوجود رشتوں کی خوبصورتی کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ وقت کی مہربان پری نے چمک کر مسکراتی ہوئی مہرو کو دیکھا۔ اور پھر خود بھی مسکرا دی۔

☆☆☆

وہ دولت جسے حاصل کرنے کے لیے سناور علی نے دل کے مندر میں نقب لگائی تھی۔ وہی دولت اب وہ اہل کے مہنگے ترین علاج پہ خرچ کر رہا تھا۔ حالانکہ ڈاکٹرز نے اسے صاف بتا دیا تھا۔ جگر ٹرانسپلانٹ کرنے کے بعد بھی اہل کی زندگی کی کوئی گارنٹی نہیں۔ اور سب کچھ کرنے کے بعد بھی صرف اور صرف پانچ پرسنٹ کی امید ہے۔

"پانچ پرسنٹ۔" سناور نے زیر لب دوہرایا۔

"پانچ پرسنٹ بہت ہیں ڈاکٹر۔ بہت زیادہ۔ آپ بس میری اہل کا علاج کریں۔ مجھے یقین ہے وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔ میرے بغیر نہیں رہ سکتی۔" اس کے لہجے میں یقین تھا۔ ڈاکٹر کارلس گہرا سانس لے کر رہ گئے۔ اور اس کے سامنے پیپرز کو بڑھا دیا۔ "تم تھامے وہ کتنی ہی دیر سوچتا رہا اور پھر گہرا سانس لینے کے بعد بالآخر اس نے پیپر پہ سائن کر دیے تھے۔

"آپ کو مزید رقم جمع کروانی پڑے گی۔" ڈاکٹر کارلس نے اس کے سامنے سے وہ پیپرز اٹھاتے ہوئے اب کے پروفیشنل انداز میں کہا۔

"میں دوں گا۔ میں سارے پیسے دے دوں گا۔" وہ کہتا ہوا اٹھا اور ڈاکٹر کارلس کے کیبن سے باہر آ گیا۔ شیشے کے پار کھڑے سناور نے شیشے کی دوسری سمت دیکھا۔ اہل اس کی جان، اس کی زندگی آنکھیں موندے آکسیجن کا ماسک لگائے۔ اردگرد

ALIFADAB.COM
Waterminkly

سے بے خبر پڑی تھی۔ اور پاس بیٹھی عالیہ بیگم نم آنکھوں کے ساتھ قرآنی آیات کا ورد کر کے اس پہ پھونک مار رہی تھیں۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ماں کے پاس آ بیٹھا۔ بکھرتا وجود، آنکھیں لہو رنگ، شیو بڑھی ہوئی تھی۔ عالیہ بیگم نے بیٹے کا جائزہ لیا۔ اور پھر کچھ بھی کہے بنا سر جھکا لیا۔

"میں نے بہت برا کیا ہے امی! خود کے ساتھ، اہل کے ساتھ اور آپ کے ساتھ بھی۔" وہ اہل کے بے خبر وجود پہ نظریں ٹکائے ہوئے میکانکی انداز میں بولا۔

"اس ڈھائی مرلے کے مکان میں غربت تھی۔ لیکن زندگی مسکراتی تھی۔ اور اب رونے کے لیے آنسو بھی کم پڑ رہے ہیں۔ آپ نے ہمیشہ مجھے رزق حلال کھلایا۔ اپنی انگلیوں کو فگار کر کے مجھے پڑھانے کے لیے وہ سب کچھ کیا۔ جس دن میرے ہاتھ میں ڈگری آئی تھی۔ مجھے لگا تھا یہ قارون کا خزانہ ہے۔ لیکن جب یہی شاندار ڈگری لے کر میں نکلا۔ تو معاشرے میں موجود بے ایمان اور منافق لوگوں کے لیے میری ڈگری فقط کاغذ کا عام سا ٹکڑا تھی۔ نوکری کے حصول کے لیے مجھے یا تو سفارش کی ضرورت تھی۔ یا پھر پیسوں سے بھرے بیگ کی۔ جو میں سسٹم میں بیٹھے ہوئے گدھوں کے منہ میں ڈال کر نوکری حاصل کر لیتا۔ میرے پاس یہ دونوں چیزیں نہیں تھیں۔ میری منتوں کو، میری ڈگری سمیت میرے منہ پر مار دیا جاتا۔

اور پھر ان ہی دنوں آپ کو ہونے والے ہارٹ اٹیک نے میرے پیروں تلے زمین کھینچ لی تھی۔ آپ کو کھونے کا تصور محال تھا۔ اور ہاتھ میں علاج کے لیے پیسے ہونا ضروری اور میں نے قرض کی صورت میں ہر اس انسان سے پیسے لیے۔ جس سے میری ہلکی سی بھی شناسائی تھی۔ آپ کا علاج کروانے میں میں کامیاب تو ہو گیا تھا۔ لیکن اپنے معاشرے کے سسٹم سے انتہائی بددل ہو چکا تھا۔

اسی دوران میں نے سوچ لیا تھا آپ کو اور اہل کو دنیا کی ہر شے دینے کے لیے مجھے محنت سے کمانی زیادہ شارٹ کٹ راستے کی ضرورت ہے۔ اور پھر انہی دنوں مجھے احمد انڈسٹریز میں منیجر کی پوسٹ کی آفر ہوئی کمپنی بڑی تھی۔ لیکن میری قابلیت اور ڈگری کے سامنے کچھ نہیں۔ پھر بھی میں نے اس کمپنی کو جوائن کر لیا تھا۔ اور پھر انہوں نے مجھے میری شرط پہ اسے بزنس کرنے کا ذمہ دیا۔ تو میں شاندار مستقبل کے لیے سب کرتا چلا گیا۔

اس پیاری لڑکی کو دھوکا دیا۔ جو اتنے نرم دل کی مالک تھی۔ میری ذرا سی بے اعتنائی پہ گھنٹوں رو لی۔ آج مجھے یاد آتا ہے۔ جب میں آخری بار ان کے گھر گیا تھا۔ کھیل ختم ہو چکا تھا۔ میں اسے توڑ چکا تھا۔ اور جب میں نے چیک اور اپنی دوسری چیزیں اٹھایا۔ تب کیسی بے بسی، بے یقینی تھی اس کے چہرے پہ۔ اس کا گلابی چہرہ یوں زرد ہوا تھا۔ جیسے کسی نے مٹھی بھر مٹی اس کے چہرے پہ مل دی ہو۔"

وہ اب آنسوؤں سے رو رہا تھا۔ آج کل ایک یہی تو کام تھا۔ وہ جو بڑی دلجمعی سے کر رہا تھا۔ جوان اور مضبوط اعصاب کے مرد سناور کو روتے دیکھ کر عالیہ بیگم کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے اس سے ایک لفظ بھی نہیں بولی تھیں۔ لیکن اس وقت وہ خود پہ قابو نہیں رکھ سکی تھیں۔

"ہم تو خوش تھے۔ سناور میں اور اہل بے انتہا خوش تھے۔ ہمیں تو ہمیشہ سے کم ملا تھا۔ اور ہم اسی میں قناعت کرتے تھے تمہیں نوکری مل جاتی۔ یہی بہت تھا۔ ہم نے تو کبھی نہیں سوچا تھا۔ زیادہ کی چاہ نہیں کی تھی۔ جانے کیوں تم نے یہ سب کیا۔" ان کا لہجہ بھرایا تھا۔

اس سے معافی مانگ لو سناور۔ یہ نہ ہو۔ تمہارے اس گناہ کا کفارہ اہل کو ادا کرنا پڑے۔ آہیں اور اس کی سسکیاں اہل کو کھا نہ جائیں۔" عالیہ بیگم نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اور اگلے ہی لمحے وہ اپنا چہرہ دوپٹے کے پلو میں چھپا کر سسک پڑی تھیں۔ اور

سناور ... سناور بے جان جسم و جاں کے ساتھ ابھی بھی اہل کے چہرے کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جو کہ اس کی آنکھوں میں موجود نمی کی وجہ سے دھندلا ہو گیا تھا۔

"کیا وہ مجھے معاف کر دے گی؟" اس کے دل نے دھیمے سے سرگوشی کی تھی۔

"ہاں وہ مجھے معاف کر دے گی۔ میں اس سے تب تک معافی مانگتا رہوں گا۔ جب تک وہ مجھے معاف نہیں کرے گی۔ اسے تو مجھ سے محبت تھی نا۔ تو اس محبت کے صدقے میں مجھے معاف کرنے پہ مجبور ہو جائے گی۔" سناور نے سوچا۔ اور پھر اپنی پوری ہمت مجتمع کر کے وہاں سے نکل آیا۔

☆☆☆

وہ پائل گرین اور اسکن کلر کی خوبصورت کام دار فراک پہنے نفاست سے کیے گئے میک اپ میں انتہائی خوبصورت لگ رہی تھی۔ زمرد بیگم جب اس سے ملنے کے لیے اسپتال آئیں۔ بے شک اس کے چہرے پہ مسکراہٹ آویزاں نہیں تھی۔ لیکن وہ کل کی طرح مضطرب بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ان سے ملنے کے بعد وہ تیزی سے عامر کی سمت بڑھی تھی۔ عامر اس کا چھوٹا اور اکلوتا بھائی تھا۔ اس کا کتنا جی چاہتا تھا۔ عامر کو بورڈنگ میں داخل نہ کروایا جائے۔ لیکن اس کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہوتا تو وہی تھا جو زمرد بیگم چاہتی تھیں۔ اور حسان صاحب ان کی ہر بات پہ "ہاں" کہنا فرض سمجھتے تھے۔

"آج تو آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔ لگتا ہے بازل بھائی نے آپ پر اپنا اثر ڈال دیا ہے۔" عامر نے اسے چھیڑا۔ تو مہرو بے اختیار ہی شرما گئی۔

"یعنی مستقبل قریب میں میری میرڈ لائف دے دھنا دھن ہونے کا امکان ہے۔" بازل نے مہرو کے شرمائے چہرے کو نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا۔ تو مہرو اس پہ ایک عدد گھوری ڈالنے کے بعد پھر سے عامر کی سمت متوجہ ہو گئی تھی۔ جانے کیوں یہ منظر زمرد بیگم کو اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ فوراً سے بیشتر اسپتال سے نیچے اتر آئی تھیں۔ اور اپنے غصے کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرنے لگی تھیں۔

☆☆☆

سناور ہاسپٹل سے نکل کر آدھے گھنٹے کی مسافت پہ موجود مسجد میں چلا آیا تھا۔ وضو کرتے ہوئے اس کے ندامت زدہ آنسو پانی کے ساتھ بہتے ہوئے جا رہے تھے۔ اور پھر جب وہ دو نفل ادا کرنے کے بعد سجدے میں گیا۔ تو تڑپ تڑپ کر رو دیا تھا۔

"معاف کر دے اللہ مجھے۔ میرے گناہوں کا کفارہ میری اہل سے نہ لینا اللہ۔ اللہ تو معجزہ کر دے۔ میری اہل کو ٹھیک کر دے۔ اہل کے بنا میری زندگی موت سے کہیں بدتر ہو جائے گی۔ میں خطاکار ہوں۔ دل سے نادم ہوں۔ میری توبہ کو قبول فرما لے۔ مالک تو مجھے بخش دے۔ مجھے اس آزمائش سے نکال دے۔ میں اس سے معافی مانگ لوں گا۔ مجھے واپس پاکستان بھی جانا پڑا۔ میں چلا جاؤں گا۔ تو بس مجھ پہ اپنے کرم کی ایک نظر ڈال دے۔"

وہ کتنی دیر روتے ہوئے اللہ سے معافی مانگتا رہا۔ دل کو ذرا سا قرار آیا۔ اس نے اپنی جیب سے فون نکالا۔ اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنے فون کی لسٹ سے اس کے نمبر کو نکالنے لگا۔ نمبر مل جانے کے بعد اس نے اپنے آنسوؤں سے بھری آنکھوں کو اپنی شرٹ کی آستین سے صاف کیا۔ اور دھڑکتے دل کے ساتھ اس کا نمبر ڈائل کر لیا۔ وہ نمبر بند جا رہا تھا۔ سناور کو لگا کسی نے اس کے دل کو اپنے دونوں ہاتھوں سے مسل ڈالا ہو۔

"اگر اس سے بات نہ ہو پائی۔ اگر میں اسے معافی نہ مانگ سکا۔ آہ!" یہ خیال ہی کس قدر۔

وہ ایک بار اس سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ ایک بار اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ۔ بار، بار نمبر ڈائل کرنے کے بعد جب ہر بار اسے فون بند ہونے

ALIFADAB.COM
Watermarkly

کا پیغام وصول ہوتا۔ تو اس نے زمرد بیگم کا نمبر ڈائل کر لیا۔ اس نمبر پر بیل جا رہی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔ لمحوں میں اس نے اپنے جملوں کو ترتیب دیا۔ اور پھر پھر دوسری طرف سے اس کی کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"ہیلو!" اس کے کانوں میں یہ جملہ پڑا۔ یعنی عالم نزع میں اسے ایک گھونٹ پانی کو اس کے حلق سے نیچے اتار دیا گیا تھا۔ اس کا دل دھڑک گیا تھا۔ مردہ جسم میں جیسے جان سی آ گئی تھی۔

"میں سناور بات کر رہا ہوں۔" بالآخر وہ بولنے کی ہمت جٹا پا گیا تھا دوسری سمت چند لمحوں کے لیے مکمل خاموشی چھا چکی تھی۔ یہاں تک کہ اسے لگا اس کی کال ڈس کنیکٹ ہو گئی ہے۔ اس نے اپنے فون کو کان سے ہٹا کر اپنی نظروں کے سامنے کیا۔ کال ملی ہوئی تھی۔

"پلیز انکار مت کیجیے گا۔ میری بات سن لیں۔" اس نے منت کی اور پھر وہ بولنے لگا تھا۔

"سوری۔ تمہاری بات نہیں ہو سکتی۔ اس کی شادی ہو چکی ہے۔" زمرد بیگم کے کہنے پہ لگا جیسے کسی نے اس کے جسم سے جان نکال دی ہو۔

☆☆☆

دھندلا زدہ شام ڈھلنے ہی والی تھی۔ مہرو کچھ دیر پہلے ہی اپنے ساس، سسر کے پاس سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی۔

"تمہیں کیا لگا تھا۔ تم میرے مقابل آ جاؤ گی۔" بھاپ اڑاتے کافی کے کپ پہ نظریں جمائے اس کے کانوں میں بازگشت ہوئی تھی۔

"مقابل کیوں آنا تھا۔ میں نے کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھی اور سختی انداز میں چلتی۔ پردوں کو پرے کرتی ڈور اوپن کر کے ٹیرس پہ چلی آئی تھی۔ شام کا دھندلکا کر اب سیاہ رات سے گلے ملنے کے لیے بے تاب تھا۔ اس نے گہری سانس بھری۔ اور ذرا سا آگے ہو کر جھک کر لان میں [illegible] ہے داخل

ہوتی گاڑی پہ پڑی۔ گاڑی کے اندر آگے ہی ڈرائیونگ سیٹ پہ براجمان بازل حیدر اپنی گاڑی سے باہر آ چکا تھا۔ چند لمحے مزید سرکے اب وہ اپنے قریب آئے چوکیدار سے جانے کون سی باتوں میں مصروف ہو چکا تھا۔ مہرو بظاہر اسے دیکھ رہی تھی لیکن حقیقت میں وہ خیال کے لمحے میں جکڑی ہوئی تھی۔ جب وہ اسے آخری بار الوداع کرنے بلکہ اس ڈرامے کو دی اینڈ کرنے آیا تھا۔ اس کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ آ ٹھہری تھی۔ جب اچانک بازل اس کے بالکل قریب آ کر کھڑا ہوا۔ تو وہ بری طرح ڈر کر اچھلی تھی۔

"اب اتنی بھی بری شکل نہیں ہے میری۔" بازل نے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔

"تم اتنی جلدی آ بھی گئے۔ تم تو۔۔۔" مہرو نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ اور پھر نیچے دیکھا جہاں وہ کچھ دیر پہلے کھڑا تھا۔

"اچھا تو اس کا مطلب ہے تم مجھے چوری چوری دیکھتی ہو۔" بازل نے معنی خیز انداز میں اپنی آنکھوں کو گھمایا۔ تو مہرو شرمندہ ہوئی۔

"لو میں تو تمہارا ہی ہوں۔ چوری چوری کیوں دیکھتی ہو۔ حق سے دیکھو۔" بازل کہتے ہوئے اس کے عین مقابل کھڑا ہوا۔ تو مہرو بے طرح گھبرا گئی۔

"نہیں تو۔ وہ میں۔۔۔" وہ ہکلائی تھی۔ اس سے پہلے کہ بازل مزید کچھ کہتا۔ اس کی بلیک جیکٹ کی اندرونی جیب میں پڑا فون بول اٹھا تھا۔ بازل جی بھر کے بدمزہ ہوا۔

"اس فون کو بھی ابھی بولنا تھا۔ میں جب بھی تمہارے ساتھ رومینٹک ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔ کوئی نہ کوئی اسٹری مار دیتا ہے۔" بازل نے منہ بناتے ہوئے اپنا فون نکالا۔ تو مہرو بے اختیار مسکرا دی۔

"لو جی پھپھو کی کال ہے۔" بازل نے کہتے ہوئے فون آن کر کے اپنے کان سے لگایا۔ مہرو اسے بات کرتا دیکھ کر واپس اپنے کمرے میں آ چکی

تھی۔ چند منٹوں کے بعد بازل اس کے پاس چلا آیا۔ اور اپنا فون اس کی سمت بڑھا دیا۔

"پھپھو تم سے بات کرنا چاہتی ہیں۔" اس نے اس کی نظروں کے سوال کو سمجھتے ہوئے اسے مطلع کیا۔

بازل ناخواستہ مہرو نے اس کے ہاتھ سے فون تھام لیا۔ حال احوال پوچھنے کے بعد اس نے "جی ٹھیک ہے آ جاؤں گی۔" کہہ کر فون بند کر دیا۔

"کل مجھے اور تمہیں دعوت پہ بلا رہی ہیں۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے ہم آ جائیں گے۔" کہتے ہوئے مہرو نے فون بازل کی سمت بڑھایا۔

"لیکن میں نے تو پھپھو سے معذرت کر لی تھی۔" بازل کے جیکٹ اتارتے ہوئے ہاتھ رکے تھے۔ وہیں مہرو کے چہرے پہ سراسیمگی بھرے تاثرات ابھرے تھے۔

"میں انہیں انکار نہیں کر پائی تھی۔" وہ سخت شرمندگی کے بوجھ تلے اپنے سر کو جھکا گئی تھی۔

"اوہ مہرو۔ اس میں اتنا شرمندہ ہونے والی کون سی بات ہے۔ ہم چلے جائیں گے۔ میں نے پی سی میں ٹیبل ریزرو کروایا تھا۔ میں وہ کینسل کروا دیتا ہوں۔ وہاں ہم پرسوں چلیں گے۔" نئے سرے سے پروگرام ترتیب دیتے ہوئے بازل اس کے پاس آ بیٹھا۔ مہرو کا شدت سے جی چاہا۔ بازل سے کہہ دے۔ وہ اپنا پروگرام چینج نہ کرے۔ اسے زمرد بیگم سے ملنے کی نہ تو کوئی تمنا ہے۔ اور نہ ہی کوئی خواہش ہے۔ مگر ہمیشہ کی طرح وہ یہ سب سوچ ہی سکی تھی۔ ایک بھی لفظ کہہ نہیں سکی تھی۔ اس نے اپنے سر کو جھٹکا اور اپنے موبائل میں تصویریں دکھاتے بازل کی سمت متوجہ ہوئی تھی۔

☆☆☆

مزید ارڈنر کے بعد حسان صاحب معذرت کر کے اپنے ایک دوست کی عیادت کرنے کے لیے جا چکے تھے۔ یہ جائے کا دور چل رہا تھا۔ جب بازل اون سننے کے لیے باہر گیا۔ اور جب وہ واپس کمرے میں آنے لگا۔ ادھ کھلے دروازے سے آتی آواز پہ وہ ٹھٹک کر رکا تھا۔ مہرو اونچی آواز میں بول رہی تھی۔

"مجھے کسی سے بھی بات نہیں کرنی۔ آپ کو اسی وقت اسے منع کر دینا چاہیے تھا۔ یا پھر آپ ایک بار پھر میرے ساتھ کوئی ڈرامہ کری ایٹ کرنے والی ہیں۔" دکھ کی شدت سے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ زمرد بیگم کچھ بولتیں۔ مہرو ان کے قدموں میں آ بیٹھی تھی۔ اور ان کے دونوں پاؤں کو تھام لیا تھا۔

"مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ مزید آپ کی نفرت کی بھینٹ چڑھوں۔ میں بازل سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اب میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتی۔ کیا چاہتی ہیں، میں وہی کروں گی۔ میں اس پراپرٹی سے کوئی حصہ نہیں لوں گی۔ میں آپ کو لکھ کر دینے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن پلیز آپ ایک بار پھر سناور کے ساتھ مل کر مجھے ذلیل کرنے کا پروگرام مت بنائیں۔" وہ رو دی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو۔۔۔" اس سے پہلے کہ زمرد بیگم اپنی بات مکمل کرتیں۔ دروازے کے باہر کھڑے بازل کا فون بج گیا تھا۔ جہاں بازل گڑبڑایا تھا۔ وہیں کمرے میں موجود مہرو اور زمرد بیگم گھبرا کر کھڑی ہوئی تھیں۔

"ہاں ٹھیک ہے، میں تم سے کچھ دیر میں ملتا ہوں۔" بازل نے کال اٹینڈ کی۔ فون کو کان سے لگایا اور اندر چلا آیا تھا۔ مہرو کی بھیگی پلکوں اور سرخ ناک کو یکسر نظر انداز کیے۔ وہ یوں انجان بنا ہوا تھا۔ جیسے ان دونوں کی گفتگو نہیں پایا تھا۔

"یار مہرو! جلدی سے چلو۔ مجھے اپنے دوست سے ملنے کے لیے جانا ہے۔"

"ٹھیک ہے! پھپھو ہم پھر آئیں گے۔" وہ عجلت بھرے انداز میں زمرد بیگم سے مل کر مہرو کو اپنے عقب میں آنے کا اشارہ کر کے پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کی سمت بڑھ چکا تھا۔ چند منٹ کے بعد مہرو کے گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ زن سے گاڑی گیٹ سے

ALIFADAB.COM
Watermarkly

باہر نکال کر سڑک پہ لا چکا تھا۔ گھر جانے کے بجائے وہ مہرو کو اپنے ساتھ پارک میں لے آیا تھا۔ جہاں سردی کی شدت کی وجہ سے رش نہ ہونے کے برابر تھا۔

مہرو کوئی بھی سوال کیے بنا اضطراری انداز میں اس کے پیچھے چلتی سنگی بینچ پہ آ بیٹھی تھی۔ درختوں کے پتوں میں تھے منے جگنوؤں کو دیکھتے ہوئے وہ اپنی آنکھوں میں موجود جگنوؤں کو بھلا چکی تھی۔ کتنی دیر گزری تھی۔ دس منٹ، پندرہ منٹ اور پھر سولہواں منٹ شروع ہوا۔ بازل نے گردن گھما کر اپنے سے ذرا فاصلے پہ بیٹھی مہرو کو دیکھا۔ جواب اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے رو رہی تھی۔ پہلی بار تھا جب بازل نے اسے رونے سے منع نہیں کیا تھا۔ کتنی ہی دیر رونے کے بعد وہ خود ہی خاموش ہو گئی تھی۔ بازل اب رخ اس کی جانب موڑے اسے دیکھنے میں مصروف تھا۔

"پھپھو نے یہ سب کیوں کیا تمہارے ساتھ۔" بازل نے سوال کیا۔ وہ تھک گئی تھی بے حد، بے تحاشا۔ وہ چاہتی تھی وہ سب کہہ دے۔ جو آج تک کسی سے کہہ نہیں سکی تھی۔ اور پھر وہ بولنے لگی۔

"میں اینتھ سٹینڈرڈ میں تھی۔ جب میری مما اچانک ہی بیمار ہو کر چند ہی دنوں میں ہمیں روتا بلکتا چھوڑ گئی تھیں۔

تب عامر تھری کلاس میں تھا۔ ہمیں ایک ماں کی ضرورت تھی۔ جو پاپا نے زمرد بیگم کی شکل میں پوری کر دی تھی۔ بہت محبت کرتی تھی میں ان سے بازل۔ بالکل اپنی مما کی طرح۔ لیکن انہوں نے۔ یہ تب کی بات ہے جب میں نے ماس کمیونیکیشن کے ایگزامز کے بعد پاپا کے آفس کو جوائن کیا۔ وہاں کی ایم ڈی مما تھیں۔ جلد ہی میں نے سب کچھ سیکھ لیا تھا۔ یہ بات پاپا کے لیے تو باعث سکون تھی۔ لیکن مما کے لیے بے چین کر دینے والا کانٹا تھا۔ جو انہیں اپنی راہ میں میری صورت ملا تھا۔

شومئی قسمت ان ہی دنوں پاپا کو انجائنا کا اٹیک ہوا۔ مجھے نہیں پتا پاپا نے کیا سوچ کر اپنی دل تیار کروائی تھی۔ جس کے مطابق عامر کے بالغ ہو پہ کھڑے ہونے تک میں ساری پراپرٹی اور شیئرز کی اسی پرسنٹ کی مالک تھی۔ یہ بات زمرد مما کے لیے توہین تھی۔ اور اپنی اس توہین کا بدلہ لینے کے لیے انہوں نے آفس میں کام کرنے والے منیجر سناور کو خرید لیا۔ پتا ہے مجھے گرانے کے لیے انہوں نے سناور کو منہ مانگی قیمت دی۔

اور پھر سناور کے ذریعے میری ویڈیو بنا لی جہاں سناور میرے دوپٹے کو۔" وہ رو پڑی تھی

"حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ سناور کے کیبن میں میرا دوپٹا اس کے پاؤں میں اٹک کر نیچے گر گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اپنا دوپٹا اٹھاتی۔ سناور نے دوپٹا اٹھا کر میرے کندھے پہ رکھ دیا تھا۔ مجھے نہیں پتا کیسے ایڈٹ کر کے اس ویڈیو کو دوسرا رنگ دیا گیا۔ اور پھر مجھے بلیک میلر ثابت کرنے کے لیے اس ویڈیو کو پاپا تک اجنبی نمبر سے پہنچا دیا گیا تھا۔ پاپا کی نظروں سے گری، خود کی نظروں سے گری۔

کیوں کیا انہوں نے ایسا بازل۔ صرف پیسے اور پراپرٹی کے لیے۔ ایک بار وہ مجھے کہہ دیتیں۔ میں پاپا کو انکار کر دیتی لیکن اتنی پلاننگ اور وہ اپنی اس پلاننگ میں کامیاب رہی تھیں۔ وہ کامیاب ہو گئی تھیں۔ اور اب ایک بار پھر۔ ایک بار پھر مجھے برباد کر دینا چاہتی ہیں۔ تم سے دور کرنا چاہتی ہیں۔ کبھی وہ آج پھر مجھے سناور سے ایک بار بات کرنے کا کہہ رہی ہیں۔ تم مجھے چھوڑ دو گے نا بازل۔" اس کے لہجے اور آنکھوں میں خوف سمٹ آیا تھا۔

بازل جو بے حد خاموشی سے مہرو کی باتیں سن رہا تھا۔ سر اٹھا کر سامنے لگے پول کی جانب دیکھنے لگا۔ جس کے گرد پروانوں کی فوج جمع تھی۔

"مجھے پتا تھا بازل! میں اتنی خوش قسمت نہیں ہوں کہ کوئی میرے ساتھ تا عمر رہ سکے۔ میں نے بہت منع کیا تھا۔ پاپا کو بھی، تمہیں بھی۔ پتا نہیں کیوں کسی نے میری بات کو سنا کیوں نہیں۔" آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر آنکھوں سے گرتے رہے۔ بازل ابھی بھی

خاموش تھا۔

"لیکن تم بہت اچھے ہو بازل! بہت اچھے۔ میرے جیسی لڑکی تمہارے قابل نہیں تھی۔ جانے کیا سوچ کر تم نے مجھ سے شادی کی۔"

"میرے لیے کون سی لڑکی قابل اور پرفیکٹ ہو سکتی تھی۔" بازل نے اب کے پلٹ کر مہرو سے سوال کیا۔

"پتا نہیں لیکن میں بس یہ جانتی ہوں۔ میں تمہارے قابل نہیں تھی۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔ سنجیدہ چہرے پہ اب کہ مسکراہٹ نے چھب دکھلائی تھی۔

"کبھی میری نظر سے خود کو دیکھو مہرو! تو تمہیں پتا چلے تم میرے لیے کیا ہو۔ تم سے پہلے اور پھر بعد مجھے کوئی لڑکی اتنی اچھی لگی ہی نہیں تھی۔ جس سے میں شادی کرنے کا سوچتا۔" کہتے ہوئے مہرو کے سرد ہاتھوں کو اس نے اپنے ہاتھوں میں بھر لیا تھا۔

"پھپھو نے جو بھی تمہارے ساتھ کیا۔ انہیں اس کا حساب دینا ہوگا۔ پھپھو شروع سے ہی پیسے کی رہیں۔ انکل سے شادی بھی انہوں نے شان و شوکت کے لیے کی تھی۔ لیکن پلیز ڈونٹ مائنڈ اس میں غلطی انکل کی بھی تھی۔ پھپھو کی ہر بات پہ لبیک کہنا وہ اس طرح فرض سمجھتے ہیں۔ جیسے نعوذ باللہ حکم خداوندی ہو۔

لیکن تم فکر مت کرو۔ میں پھپھو سے خود بات کروں گا۔ انہیں وارن کروں گا۔ تم سے دور رہیں۔ اگر انہوں نے مجھے تم سے دور کرنے کی کوشش بھی کی۔ تو میں بھول جاؤں گا وہ میری پھپھو ہیں۔"

بازل کی باتیں مہرو کو پرسکون کرتی جا رہی تھیں۔ اس نے تشکر بھری نظروں سے بازل کی سمت دیکھا۔ محبت کی مہربان پری نے مہرو کے دامن کو ڈھیروں محبتوں اور مان کے ساتھ بھر دیا تھا۔ اور پھر سرشاری سے ان کے گرد محو رقص ہو گئی تھی۔ نیت صاف ہو تو ایک بار پھر سے انسان جی اٹھتا ہے۔ جیسے مہرو کو بازل کے سنگ یقین، محبت، عزت اور اپنا پن مل گیا تھا۔ بنت حوا کی اس سے زیادہ کی چاہ کچھ بھی نہیں۔

☆☆☆

اہل کے علاج کے لیے اس نے سب کچھ داؤ پہ لگا دالا تھا۔ یہاں تک کہ اپنا اپارٹمنٹ بھی۔ اسے بس اہل کی زندگی چاہیے تھی۔ اور پھر آپریشن کے لیے جانے سے پہلے کچھ دیر کے لیے اہل کو ہوش آیا تھا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے نرس کو اپنے قریب بلایا۔ اور آکسیجن ماسک اتارنے کی درخواست کی۔

"اہل! یہ تمہارے لیے ضروری ہے۔" پاس کھڑا سناور بے تابی سے اس کے قریب آیا۔

"بات کرنی ہے۔" اہل اتنی آہستہ بولی کہ سناور کو اپنا کان اس کے قریب لے جا کر سننا پڑا تھا۔ نرس نے آگے بڑھ کر ماسک اتارا اور پیچھے ہٹ گئی۔ روتی ہوئی عالیہ بیگم اس کے قریب آ گئیں۔

"خالہ میری پیاری خالہ!" اہل نے اپنا ہاتھ اٹھا کر عالیہ بیگم کی طرف بڑھایا۔ جسے انہوں نے تھام لیا۔

"ٹھیک ہو جاؤ اہل! میری بچی میری عمر تمہیں لگ جائے۔" عالیہ بیگم شدت سے رو پڑی تھیں۔ اہل کے لبوں پہ افسردہ مسکراہٹ ابھری اور پھر معدوم ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر کنپٹیوں سے گزر کر اس کے بالوں میں گم ہو رہے تھے۔

"میں تمہارے ساتھ جینا چاہتی تھی سناور!" وہ مشکل سے بولی تھی۔ اس کے لہجے کی حسرتیں سناور جیسے لمبے چوڑے انسان کو رلا رہی تھیں۔

"دیکھو ہم ساتھ ہو کر بھی ساتھ نہیں رہ سکے۔ اس کی آہ انہیں لگ گئی سناور! نہیں بلکہ مجھے لگ گئی۔ لیکن میں نے سوچ لیا ہے میں۔" اس کی سانس اکھڑی تھی۔

"میں اگلے جہان میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گی۔ تم میرے ساتھ رہو گے نا سناور؟" اس نے امید بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا اہل! اس جہان میں بھی، اس جہان میں بھی۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔"

ALIFADAB.COM
Watermarkly

"میں نے بہت محبت کی ہے تم سے سناور! لیکن میں اس محبت کے ساتھ جی نہیں پائی۔"

"ایسی باتیں نہیں کرو اہل پلیز۔ دیکھنا تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ بالکل ٹھیک۔" وہ روتے ہوئے اس کی منت کر رہا تھا۔

"پیچھے ہٹیں۔" ڈاکٹر کارلس، تیزی سے آگے بڑھے۔ سناور اور عالیہ بیگم کو پیچھے ہٹانے لگے۔

"انہیں مت دور کریں مجھ سے۔" اہل نے سناور کا ہاتھ تھاما۔

"آخری بار ڈاکٹر میری ایک آخری خواہش ہے۔" اس سے بولنا مشکل ہو رہا تھا۔

"ہاں ہاں بولو۔" ڈاکٹر کارلس اہل کے قریب ہوئے۔

"سناور سے کہیں، ایک ایک الوداعی بوسہ میرے ماتھے پہ دے دے۔ میں اس کا لمس اور اس کا چہرہ اپنی آنکھوں میں لے کر اپنی آنکھیں ہمیشہ کیلیے بند کرنا چاہتی ہوں۔"

"تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ دیکھنا تم ٹھیک ہو جاؤ گی اہل!" سناور بے قراری سے اسے گلے لگاتے ہوئے رو دیا تھا۔

"ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ ہمیشہ۔" وہ اب بے تابی سے اس کے ماتھے پہ بوسہ دے رہا تھا۔

اہل کی سانسیں اکھڑنے لگی تھیں۔

ڈاکٹر نے مشکل سے اسے پرے ہٹایا۔ اور اہل کو ایمرجنسی وارڈ میں لے گئے۔ ایک، دو، تین ہاں بس انہیں گئے تین منٹ ہوئے تھے۔ جب وہ لال بلب بند ہوا تھا۔ جس پہ سناور نظریں جمائے ہوئے تھا۔

وہ بلب نہیں شاید سناور کی زندگی کی ہر خوشی ختم ہونے کی نوید سنائی گئی تھی۔ ڈاکٹر کارلس باہر آ چکے تھے۔ سناور کے اندر ہمت نہیں تھی۔ وہ خود سے آگے بڑھ کر ڈاکٹر کارلس سے کچھ پوچھتا۔

"میری اہل! میری بچی۔" عالیہ بیگم روتے ہوئے آگے بڑھیں۔

"[illegible] تھا۔" ڈاکٹر کارلس نے افسردگی سے کہا۔ سناور کو لگا۔ وہ وہیں کھڑے کھڑے مر گیا ہے۔ فقرہ نہیں اسے موت کا مژدہ سنا دیا گیا تھا۔ عالیہ بیگم یہ سنتے ہی زمین پہ گر چکی تھیں۔ اور سناور انہیں گرتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

مکافات عمل کا حساب بڑا کڑا نکلا۔ سناور نے بہت بڑی قیمت چکائی تھی۔ بہت بڑی۔

"آہ! یہ کیسی سزا اس کے لیے تجویز کی گئی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا۔ وہ اکیلا ہی اس سزا کا حق دار نہیں ٹھہرا تھا۔ زمرد بیگم کو کل شب فالج کا اٹیک ہوا تھا۔ جس کے نتیجے میں وہ اپنے بے جان نچلے دھڑ کے ساتھ بستر پہ آ چکی تھیں۔ فالج ان کی زبان پہ بھی اثر انداز ہوا تھا۔

اب وہ آنکھوں سے التجائیں اور معافیاں مانگتی تھیں۔ اور مہروسہ کے پاس انہیں معاف کرنے کے سوا دوسرا کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا۔ وہ اسے بیٹی نہیں سمجھتی تھیں۔ لیکن وہ تو انہیں ماں سمجھتی تھی۔

ان کی یہ لاچاری اور بے کسی والی زندگی مہروسہ کو جھرجھری لینے پہ مجبور کر دیتی تھی۔

مہروسہ نے صرف انہیں ہی نہیں بلکہ پردیس میں موجود سناور کو بھی اسی روز معاف کر دیا تھا۔ شاید خدا کو زمرد بیگم کی رعونت اور اکڑ اور سناور علی کا لالچ پسند نہیں آیا تھا۔ تب ہی تو دونوں اسی دنیا میں مکافات عمل کی چکی میں پس چکے تھے۔

"مہروسہ، مہروسہ۔" بازل اسے پکارتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا تو مہرو اپنے خیالوں سے چونکی۔ اور پورے اعتماد کے ساتھ اپنے شوہر اور بیٹے کی سمت بڑھ گئی۔ خوشیاں اس کی منتظر ہی تھیں۔

وہ مسکرائی اور پھر مسکراتی چلی گئی۔ اسے یوں مسکراتا دیکھ کر بازل مسکرایا۔ اور بازل کو مسکراتا دیکھ کر ننھا عازم کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا۔

اس سے زیادہ مکمل منظر اس کائنات میں بھلا کہاں ہو سکتا تھا۔

☆☆

ریحانہ وقاص

اوقات

"ابا جی صرف پانچ ہزار روپے۔"

"ہاں تو؟ بہت ہیں میں نے کون سا کسی کا قرض دینا ہے۔ یا میں نے کسی کا ادھار لیا ہے جو مجھ پر دینا واجب ہو گیا ہے۔ اوقات دیکھ کر دینا چاہیے۔ اور میری جیب اتنی ہی اجازت دے رہی ہے۔"

"تو پھر میری اوقات اتنی بھی نہیں کہ میں کسی کو اتنا بھی دے سکوں۔" یہ کہہ کر میں کرسی سے اٹھی اور دل گرفتگی سے باہر کا راستہ لیا۔ ابا جی کے رویے نے مجھے بے حد دل برداشتہ کر دیا تھا۔

☆☆☆

ابا جی کے تین بیٹے تھے جو شادی کے یکے بعد دیگرے اپنی اپنی بیویوں کو لے کر علیحدہ ہوتے چلے

ALIFADAB.COM
Watermarkly

گئے۔ کاشف میرے میاں سب سے چھوٹے اور ابا جی کی ہاں میں ہاں ملانے والے فرماں برداری کی انتہا کو پہنچے ہوئے بیٹے تھے۔ انہوں نے مجھے پہلے دن ہی یہ سمجھا دیا تھا کہ میرے رشتے سب سے پہلے اور تم اور تمہارے رشتے بعد کے ہیں۔ لیکن اگر وہ نہ بھی کہتے تو میری عادت مل جل کر برے حالات میں بھی گزارا کرنے والوں میں تھی۔ میرے اپنے والد کی وفات شادی سے ایک ماہ پہلے ہوئی تھی اس لیے میں کاشف کے والد کو اپنے باپ کی جگہ دیتے ہوئے ان کی خدمت گزاری کو اپنا مقصد بنا لیا۔

ابا جی اصول پسند آدمی ..... پانی کا گلاس جو ایک گرم ہو اور ایک نارمل۔ صبح چار بجے کھانا، پھر آٹھ بجے ناشتہ، دوپہر دو بجے کھانا اور رات 8 سے نو بجے کے درمیان کھانا ..... اور کھانا کھانے سے پہلے ذہنی طور پر انہیں تیار کرنا مطلب فوراً کھانا لا کر ان کے سامنے پیش نہیں کرنا۔

ان کے ساتھ تھوڑی باتیں کرنی ہیں۔ پھر کھانا پیش کرنا ہے اور کھانے کے دوران کوئی بات نہیں کرنی مبادا کہیں غوطہ (ٹھسکا) نہ لگ جائے (روٹی کا لقمہ گلے میں نہ پھنس جائے) اور پھر اپنی عزت کو بنانے کے لیے میں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ اگلے پانچ سالوں میں کاشف میرے گیت گانے لگے وہاں ابا جی اپنے مزاج کے بندے تھے دل چاہتا تو کبھی ایک آدھ لفظ میرے لیے اچھا بول دیتے لیکن میری کوئی معمولی کوتاہی بھی ان سے برداشت نہیں ہوتی تھی اور میری شکایت فوراً کاشف کو لگا کر مجھے کٹہرے میں کھڑا کر دیتے۔

اور میری دونوں طرف سے اچھی خاصی عزت افزائی ہو جاتی۔ جس سے ابا جی ہلکے پھلکے ہو جاتے۔

کاشف سارا حساب کتاب ابا جی کو دیتے تھے ان کا ایک اچھا خاصا چلتا ہوا ٹیکسٹائل اسٹور تھا۔ جس پر بھی کبھار ابا جی جا کر بیٹھ جاتے۔ ابا جی ایک [illegible] انہیں اچھی خاصی رقم آتی تھی اور پنشن بھی، وہ سیاہ سفید کے مالک تھے، مجھے میرا بس جیب خرچ ملتا تھا باقی سب ابا جی کے ذمے تھا۔ انہوں نے بہت سے لوگوں کا خود سے ماہانہ لگایا ہوا تھا جن کو صرف وہ جانتے تھے۔

☆☆☆

خالہ کی فوتگی کا سن کر میں دو منٹ سکتے میں فون پکڑ کر بیٹھی رہی۔

سات بیٹیاں اور غربت ہی غربت، باپ تو پہلے ہی نہیں بیٹا خدا نے دیا نہیں، کیا بنے گا ان کا؟ سوچوں نے مجھے آ گھیرا۔

"ابا جی سے بات کرتی ہوں۔ وہ کچھ نہ کچھ ان کی مدد کر دیں گے۔" اپنے آپ کو حوصلہ دیتے ہوئے میں نے ذہنی طور پر خود کو تیار کر لیا۔ لیکن ابا جی کے رویے نے مجھے حد سے زیادہ پشیمان کر دیا مجھے وہ فرعون کی طرح لگے۔ مجھے میری اوقات یاد دلانے لگے۔ اور میں نے خون کی آنسوؤں کی طرح سب پی لیا۔ لیکن ان کے لیے بات یہاں پر ختم نہیں ہوئی۔

☆☆☆

ناشتے کی ٹرے ان کی چارپائی پر رکھی ہی تھی کہ ان کی پاٹ دار آواز کمرے میں گونج اٹھی۔

"دیکھی ہیں تم نے اس کی کارستانیاں پیسوں کو تو سمجھتی کچھ نہیں۔ پتا نہیں اسے کہ میرا بیٹا کتنی محنت سے کمائی کرتا ہے۔ رشتہ داریاں نبھاتی پھرتی ہے۔"

"ہوا کیا ہے؟" کاشف نے اکتاتے ہوئے حیرانی سے استفسار کیا۔

"خالہ اس کی فوت ہوئی ہے افسوس اس نے ہمارے گھر ڈالا ہوا ہے۔ بھئی یہ مدد کرنا چاہتی ہے ان کی..... تو میں نے پانچ ہزار دے دیا۔ منہ پر مار کر چلی گئی کہ پانچ ہزار کم ہیں۔"

ابا جی نے اپنے بیٹے کو بڑھا چڑھا کر بتاتے ہوئے کہا۔ حالانکہ میں نے ہمیشہ کی طرح کاشف کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ میرے پورے جسم سے پسینہ پانی کی طرح بہنے لگا۔ حلق خشک سا ہو گیا جس کو میں نے

زبان پھیر کر تر کرنا چاہا۔

کاشف نے حیرانی سے میری طرف دیکھا میری نظریں اپنے پاؤں میں پہنی جوتی پہ جمی ہوئی تھی۔ مجھے لگا کہ میں شاید اس جوتی کی طرح ہوں جس کی کوئی اوقات ویلیو اس گھر میں نہیں ہے۔

"تو ابا جی آپ نے بھی زیادتی کی۔ پانچ ہزار بہت کم ہیں۔ مرگ کا گھر تھا اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ان کا کوئی بیٹا بھی نہیں۔ آپ کو زیادہ دینا چاہیے تھے۔"

میں نے آنکھوں کو اوپر اٹھایا جو آنسوؤں سے بھری ہوئی تھی۔

"تم اب اس کی سائیڈ لو گے؟"

"کیا ہو گیا ابا جی! سارا دن تو آپ کی خدمت میں لگی رہتی ہے۔"

"خدمت؟"

"تم کہتے ہو تو مجھے پوچھ لیتی ہے ورنہ یہ تو مجھے دیکھے بھی نہ۔"

"میں نے تو کبھی نہیں کہا؟ خود سے آپ کا احساس کرتی ہے۔ ورنہ وہ دو بھی تو ہیں جو آپ کو چھوڑ گئیں۔"

"اب تم مجھے ان کے طعنے دو گے۔ بس خبردار آج کے بعد میرے لیے روٹی بنائی۔ کر لوں گا میں اپنا بندوبست۔ اپنی کمائی کھاتا ہوں تم لوگوں کے آسرے پر نہیں رہتا۔"

میں جو تشکر بھری نظروں سے کاشف کو دیکھ رہی تھی جنہوں نے پانچ سال بعد حق سچ کی بات کی۔

لیکن ابا جی کی سانس پھولی جا رہی تھی اور بات بڑھنے لگی تھی، جس کو مجھے ہی آگے بڑھ کر روکنا تھا۔

"ابا جی میں آپ سے معافی مانگتی ہوں سب میری غلطی تھی۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

کاشف خاموشی سے آفس چلے گئے لیکن وہ باپ بیٹے تھے شام تک سب بھول جاتے میں پرایا دھن تھی، بہو بھی میری معافی مشکل سے ملتی تھی۔ ابا جی سمجھتے تھے کہ ان کی خدمت میرا فرض ہے۔ کوئی احسان نہیں۔ دو دن لگے ان کو ٹھنڈا کرنے میں لیکن ابا جی کے بعد میں نے پیسے سے کسی کی مدد کرنے کی کوشش نہ کرنے کی ٹھان لی۔

☆☆☆

"میں بینک سے پانچ لاکھ نکلوا رہا ہوں آج۔" ابا جی نے ناشتے کی میز پر کاشف کو اطلاع دی۔

"خیریت ہے ابا جی؟ کیا ضرورت آن پڑی؟"

"کالونی میں مسجد بن رہی ہے اس کے لیے پانچ لاکھ دینے ہیں۔" ابا جی نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

کاشف نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "پانچ لاکھ بہت زیادہ ہیں اور مسجد بھی ہمارے علاقے کی نہیں ہے۔ آپ لاکھ روپیہ دے دیں بس۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

میں اپنی مرضی سے نیکی بھی نہیں کر سکتا۔ خدا کے گھر کے نام پر دینا ہے میں نے۔ مجھے اپنے اعمال کی فکر ہے۔ کل جمعہ ہے اور جمعہ کے بعد میں نے دینا ہے اور میں کسی کو جواب دہ نہیں ہوں۔"

یہ کہہ کر ابا جی اپنے کمرے کی طرف چلتے بنے کاشف نے ناشتہ چھوڑا اور بھنبھناتے ہوئے چلتے بنے۔

اور میں سوچ رہی تھی کہ انسان وہ بھی ابا جی جیسے انسان بڑی نیکیوں کے چکر میں چھوٹی نیکیوں کو کچھ نہیں گردانتے شاید کچھ نیکیاں ان کی قسمت میں ہی نہیں ہوتیں یا خدا ان کو توفیق ہی نہیں دیتا۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

گئے۔ کاشف میرے میاں سب سے چھوٹے اور ابا جی کی ہاں میں ہاں ملانے والے فرماں برداری کی انتہا کو پہنچے ہوئے بیٹے تھے۔ انہوں نے مجھے پہلے دن ہی یہ سمجھا دیا تھا کہ میرے رشتے سب سے پہلے اور تم اور تمہارے رشتے بعد کے ہیں۔ لیکن اگر وہ نہ بھی کہتے تو میری عادت مل جل کر برے حالات میں بھی گزارا کرنے والوں میں تھی۔ میرے اپنے والد کی وفات شادی سے ایک ماہ پہلے ہوئی تھی اس لیے میں کاشف کے والد کو اپنے باپ کی جگہ دیتے ہوئے ان کی خدمت گزاری کو اپنا مقصد بنالیا۔

اباجی اصول پسند آدمی ..... پانی کا گلاس جو ایک گرم ہوا دوا ایک نارمل۔ صبح چار بجے کھانا، پھر آٹھ بجے ناشتہ، دوپہر دو بجے کھانا اور رات 8 سے نو بجے کے درمیان کھانا ..... اور کھانا کھانے سے پہلے ذہنی طور پر انہیں تیار کرنا مطلب فوراً کھانا لا کر ان کے سامنے پیش نہیں کرنا۔

ان کے ساتھ تھوڑی باتیں کرنی ہیں۔ پھر کھانا پیش کرنا ہے اور کھانے کے دوران کوئی بات نہیں کرنی مبادا کہیں غوطہ (ٹھسکا) نہ لگ جائے (روٹی کا لقمہ گلے میں نہ پھنس جائے) اور پھر اپنی عزت کو بنانے کے لیے میں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ اگلے پانچ سالوں میں کاشف میرے گیت گانے لگے۔ ہاں اباجی اپنے مزاج کے بندے تھے دل چاہتا تو کبھی ایک آدھ لفظ میرے لیے اچھا بول دیتے لیکن میری کوئی معمولی کوتاہی بھی ان سے برداشت نہیں ہوتی تھی اور میری شکایت فوراً کاشف کو لگا کر مجھے کٹہرے میں کھڑا کر دیتے۔

اور میری دونوں طرف سے اچھی خاصی عزت افزائی ہو جاتی۔ جس سے اباجی ہلکے پھلکے ہو جاتے۔

کاشف سارا حساب کتاب اباجی کو دیتے تھے ان کا ایک اچھا خاصا چلتا ہوا پلاسٹی اسٹور تھا۔ جس پر بھی کبھار اباجی جا کر بیٹھ جاتے۔ اباجی ایک [illegible] تھے اور [illegible] نہیں اچھی خاصی رقم آتی تھی اور پنشن بھی، وہ سیاہ و سفید کے مالک تھے، مجھے میرا بس جیب خرچ ملتا تھا باقی سب اباجی کے ذمے تھا۔ انہوں نے بہت سے لوگوں کا خود سے ماہانہ لگایا ہوا تھا جن کو صرف وہ جانتے تھے۔

☆☆☆

خالہ کی فوتگی کا سن کر میں دو منٹ سکتے میں فون پکڑ کر بیٹھی رہی۔

سات بیٹیاں اور غربت ہی غربت، باپ تو پہلے ہی نہیں بیٹا خدا نے دیا نہیں، کیا بنے گا ان کا؟ سوچوں نے مجھے آگھیرا۔

"اباجی سے بات کرتی ہوں۔ وہ کچھ نہ کچھ ان کی مدد کر دیں گے۔" اپنے آپ کو حوصلہ دیتے ہوئے میں نے ذہنی طور پر خود کو تیار کر لیا۔ لیکن اباجی کے رویے نے مجھے حد سے زیادہ پشیمان کر دیا مجھے وہ فرعون کی طرح لگے۔ مجھے میری اوقات یاد دلانے لگے۔ اور میں نے خون کی آنسوؤں کی طرح سب پی لیا۔ لیکن ان کے لیے بات یہاں پر ختم نہیں ہوئی۔

☆☆☆

ناشتے کی ٹرے ان کی چارپائی پر رکھی ہی تھی کہ ان کی پاٹ دار آواز کمرے میں گونج اٹھی۔

"دیکھی ہیں تم نے اس کی کارستانیاں پیسوں کو تو یہ سمجھتی کچھ نہیں۔ پتا نہیں اسے کہ میرا بیٹا کتنی محنت سے کمائی کرتا ہے۔ رشتہ داریاں نبھاتی پھرتی ہے۔"

"ہوا کیا ہے؟" کاشف نے اکتاتے ہوئے حیرانی سے استفسار کیا۔

"خالہ اس کی فوت ہوئی ہے۔ افسوس اس نے ہمارے گھر ڈالا ہوا ہے۔ بھئی یہ مدد کرنا چاہتی ہے ان کی ..... تو میں نے پانچ ہزار دے دیا۔ منہ پر مار کر چلی گئی کہ پانچ ہزار کم ہیں۔"

اباجی نے اپنے بیٹے کو بڑھا چڑھا کر بتاتے ہوئے کہا۔ حالانکہ میں نے ہمیشہ کی طرح کاشف کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ میرے پورے جسم سے پسینہ پانی کی طرح بہنے لگا۔ حلق خشک سا ہو گیا جس کو میں نے

زبان پھیر کر تر کرنا چاہا۔

کاشف نے حیرانی سے میری طرف دیکھا میری نظریں اپنے پاؤں میں پہنی جوتی پر جمی ہوئی تھی۔ مجھے لگا کہ میں شاید اس جوتی کی طرح ہوں جس کی کوئی اوقات ویلیو اس گھر میں نہیں ہے۔

"تو اباجی آپ نے بھی زیادتی کی۔ پانچ ہزار بہت کم ہیں۔ مرگ کا گھر تھا اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ان کا کوئی بیٹا بھی نہیں۔ آپ کو زیادہ دینا چاہیے تھے۔"

میں نے آنکھوں کو اوپر اٹھایا جو آنسوؤں سے بھری ہوئی تھی۔

"تم اب اس کی سائیڈ لو گے؟"

"کیا ہو گیا اباجی! سارا دن تو آپ کی خدمت میں لگی رہتی ہے۔"

"خدمت؟"

"تم کہتے ہو تو مجھے پوچھ لیتی ہے ورنہ یہ تو مجھے دیکھے بھی نہ۔"

"میں نے تو کبھی نہیں کہا؟ خود سے آپ کا احساس کرتی ہے۔ ورنہ وہ دو بھی تو ہیں جو آپ کو چھوڑ گئیں۔"

"اب تم مجھے ان کے طعنے دو گے۔ بس خبردار آج کے بعد میرے لیے روٹی بنائی۔ کہوں گا میں اپنا بندوبست۔ اپنی کمائی کھاتا ہوں تم لوگوں کے آسرے پر نہیں رہتا۔"

میں جو تشکر بھری نظروں سے کاشف کو دیکھ رہی تھی جنہوں نے پانچ سال بعد حق سچ کی بات کی۔

لیکن اباجی کی سانس پھولی جا رہی تھی اور بات بڑھنے لگی تھی، جس کو مجھے ہی آگے بڑھ کر روکنا تھا۔

"اباجی میں آپ سے معافی مانگتی ہوں سب میری غلطی تھی۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

کاشف خاموشی سے آفس چلے گئے لیکن وہ باپ بیٹے تھے شام تک سب بھول جاتے میں پرایا دھن تھی، بہو بھی میری معافی مشکل سے ملتی تھی۔ اباجی سمجھتے تھے کہ ان کی خدمت میرا فرض ہے۔ کوئی احسان نہیں۔ دو دن لگے ان کو ٹھنڈا کرنے میں لیکن اس کے بعد میں نے پیسے سے کسی کی مدد کرنے کی کوشش نہ کرنے کی ٹھان لی۔

☆☆☆

"میں بینک سے پانچ لاکھ نکلوا رہا ہوں آج۔" اباجی نے ناشتے کی میز پر کاشف کو اطلاع دی۔

"خیریت ہے اباجی؟ کیا ضرورت آن پڑی؟"

"کالونی میں مسجد بن رہی ہے اس کے لیے پانچ لاکھ دینے ہیں۔" اباجی نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

کاشف نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "پانچ لاکھ بہت زیادہ ہیں اور مسجد بھی ہمارے علاقے کی نہیں ہے۔ آپ لاکھ روپیہ دے دیں بس۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ میں اپنی مرضی سے نیکی بھی نہیں کر سکتا۔ خدا کے گھر کے نام پر دینا ہے میں نے۔ مجھے اپنے اعمال کی فکر ہے۔ کل جمعہ ہے اور جمعہ کے بعد میں نے دینا ہے اور میں کسی کو جواب دہ نہیں ہوں۔"

یہ کہہ کر اباجی اپنے کمرے کی طرف چلتے بنے کاشف نے ناشتہ چھوڑا اور بڑبڑاتے ہوئے چلتے بنے۔

اور میں سوچ رہی تھی کہ انسان وہ بھی اباجی جیسے انسان بڑی نیکیوں کے چکر میں چھوٹی نیکیوں کو کچھ نہیں گردانتے شاید کچھ نیکیاں ان کی قسمت میں ہی نہیں ہوتیں یا خدا ان کو توفیق ہی نہیں دیتا۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

ثمرہ احمد

مکمل ناول

تینتیسویں قسط

"اوہ" کشمالہ مبین کے چہرے پر خوشگوار حیرت بھری مسکراہٹ ابھری۔

"یعنی دنیا میں دوسرے لوگ بھی ہیں جو تمہارے حقیقت چھپانے کو غلط خیال کرتے ہیں؟" اس نے پلکیں جھپکائیں۔

"ہاں۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو مجھ پہ بھروسہ نہ کرنے کی غلطی کرتے ہیں۔"

"کسی کو کسی پہ بھروسہ کرنا بھی نہیں چاہیے۔"

وہ اندر بیٹھ چکی تھی جب وہ کہہ اٹھا۔

"ہم کافی کے لیے رک سکتے تھے۔ اگر تم مجھے بتاتیں۔"

"مجھے بدر کے لیے تمہاری مدد کے سوا تم سے کچھ نہیں چاہیے۔" وہ اسی سنجیدگی سے کہتے ہوئے سیٹ بیلٹ بند کرنے لگی۔ ماہر نے سر جھٹکا اور بٹن دبایا۔ انجن میں حرارت پیدا ہوئی۔

"میں تمہیں بلٹ ڈراپ کر کے آفس چلا جاؤں گا۔ چکیر خود..."

"کیا تم مجھے بیرل کی بیکری پر ڈراپ کر سکتے ہو؟"

"میں تمہارا ڈرائیور نہیں ہوں۔"

"اوکے۔ میں ٹیکسی لے لیتی ہوں۔" مالا نے سیٹ بیلٹ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن اس نے [illegible] بڑھا دی۔

ان کے درمیان سارا راستہ کوئی بات نہیں ہوئی۔ بیکری یہاں سے بارہ منٹ کی ڈرائیو پر تھی۔ رش کے باعث زیادہ وقت لگا۔ کار پارکنگ لائن میں روکتے ہوئے ماہر نے انجن آف کیا۔ "مجھے مالک سے ملنا تھا۔ وہ یہیں ہے۔" جیسے اپنے عمل کی وضاحت دی۔ وہ اس کے لیے یہاں نہیں آیا تھا۔ لیکن اسے کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ اس کی مدد کر رہا تھا۔ یہی بہت تھا۔

نشاستاشی میں بنی وہ گلابی پھولوں سے سجی بیکری پہلے سے قدرے مختلف تھی۔ وہ شیشے کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہوئی تو خوشبودار گرم ہوا چہرے سے ٹکرائی۔ صوفے بدلے ہوئے تھے۔ براس کا نیا اور [illegible] فرنیچر۔ نیا ڈیکور۔ وہی رنگ۔ ایک زینہ جو اوپر کو جاتا تھا۔ مالا نے گردن اٹھا کے دیکھا۔ وہاں اوپر بھی ایک سٹنگ ایریا بنا تھا جو پہلے وہاں نہ تھا۔ وہاں سے مدھم آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ جگہ یقیناً اب بنی تھی۔ توسیع۔ نئی تعمیر۔ دلچسپ۔

"مرحبا۔" اسی وقت بیرل زینے اترتا دکھائی دیا۔ سفید جوگرز۔ سویٹ پینٹس۔ اوپر ہڈی پہنے۔ کوئی بہت تیز سا پرفیوم لگائے وہ مسکراتا ہوا آ رہا تھا۔ ان دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھ کے اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"میں سمجھا تم اکیلی ہو گی۔ لیکن ماشاءاللہ ڈرائیور بھی ساتھ آیا ہے۔"

ماہر پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ ابرو اٹھا کے یک لفظی استفسار کیا۔

"مالک؟"

بیرل کا منہ قدرے بن گیا۔

"تمہارا محبوب اوپر میٹنگ کر رہا ہے۔ نوے منٹ کے لیے بیکری بند کروا دی ہے۔ سارا بل اس کے کھاتے سے کٹے گا۔" مالا کو ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ بتا رہا تھا۔ اچھا یہ وجہ تھی خالی بیکری کی۔

"میں انتظار کر لوں گا۔" ماہر کہتے ہوئے ان صوفوں کی جانب بڑھ گیا۔ وہ نہیں بڑھی۔ وہیں کاؤنٹر پہ کھڑی رہی۔ وہ کہہ رہا تھا اسے آفس جانا ہے۔ لیکن وہ مالک کے لیے انتظار کر لے گا۔ بہت دلچسپ۔

"سو کیسے راضی کیا تم نے ماہر بے کو اپنا ڈرائیور بننے پہ؟" وہ دونوں کاؤنٹر پہ ساتھ ساتھ کھڑے تھے، جب بیرل بجسس بھری مسکراہٹ سے پوچھنے لگا۔ آواز دھیمی تھی۔ بیکری میں میوزک بھی چلا تھا۔

"مجھے تمہارے بھائی کو ڈرائیور بنانے کا شوق نہیں ہے، بیرل۔" مالا نے گہری سانس لی۔ "میں اس کے پاس اس لیے آئی ہوں کیونکہ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔" پلٹ کے ایک نظر دور بیٹھے موبائل پہ سر جھکائے، ٹانگ پر ٹانگ جمائے آدمی کو دیکھا۔ وہ ان کی باتیں نہیں سن سکتا تھا۔ "اور چاہے میں اسے

ALIFADAB.COM
Watermarkly

کتنا ہی بیاہ کر کیوں نہ کروں، صرف وہی میرے بیٹے کو اصولوں سکتا ہے۔"

بیرل نے انگلی کا کاسٹر پر برائی اور آگے کو جھک کے مسکرایا۔

"تم اس کو بیاہ اس لیے کرتی ہو کیونکہ تم اسے جانتی نہیں ہو۔"

"اچھا، کون ہے وہ؟"

بیرل نے آواز دھیمی کی۔

"روبیٹ۔" اور وہ دونوں بے اختیار ہنس دیے۔

سیڑھیوں سے اترتے افراد کے آگے چلتے مالک فرید نے ان کا قہقہہ سنا تھا۔ چونک کر اس طرف دیکھا۔ کاؤنٹر کے گرد بیرل کے ساتھ وہ کھڑی تھی۔ سبز آنکھوں اور کندھے تک آتے بالوں والی لڑکی۔ اسی پل اس کی نظر بھی ان پہ پڑی۔ وہ شناسائی سے مسکرا دی۔

عبدالمالک فرید ہلکا سا مسکرائے۔ اور بھی موہاک جیب میں ڈالتا ہاتھ کے اس طرف آیا۔

"مالک۔" وہ سنجیدہ تھی۔ پرسکون سا۔

"کشمالہ۔" ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا، جیسے اس کا تعارف کروا رہا ہو۔ وہ ہلکا سا مسکرائے اور پھر مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ ایک گہری نظر باہر پہ ڈالی اور کاؤنٹر کی طرف آئے۔ ماہر بھی ساتھ ہی اس طرف آیا۔

"مالا؟ اچھے عرصے بعد۔" وہ قدرے حیران تھے۔

وہ بہت زیادہ نہیں بدلے تھے۔ رنگت قدرے کملا گئی تھی۔ اور وزن کم تھا۔ لیکن ذات کا وقار اور بالوں کا سلور پن ویسا ہی تھا۔

"خوشی ہوئی آپ سے مل کے۔" وہ دل سے مسکرائی۔

"تم یہاں کیسے؟" انہوں نے بیرل کو سلیٹ اور [illegible]

"کشمالہ کا پیزا ختم ہو گیا ہے۔" وہ اسی سنجیدگی سے بولی۔ مالا کی مسکراہٹ مدھم ہوگئی۔ یہ ذکر ہر روز سے سر [illegible] کا کف دیتا تھا۔

"وہ اس کو ڈھونڈنے آئی ہے۔ ہم اس کی مدد کر رہے ہیں۔ کیونکہ اس نے ہلال کے لیے [illegible] کی تھی۔" وہ نرم سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔ جیسے وہ ایک پرانی سہیلی فریز تھی۔

"یہ کیسے ہوا؟" وہ چونک کر پیچھے لگے۔ آواز میں ہمدردی تھی۔ وہ مختصراً وہی روداد سنانے لگی جو اس کی چیکنگز کو سنائی تھی۔ مالک فرید خاموشی سے سنتے رہے۔ ان کی نگاہ مالا کی ہلکی نیک پر جھولتی سیاہ تختہ پہ چند ایک دفعہ پڑی۔

"مجھے لگتا ہے۔ پھر ملاقات ہوگی۔ ابھی تو تم یہیں ہو نا؟" اسی بے تاثر انداز میں پوچھا۔ اس نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔ وہ آگے بڑھ گئے اور ماہر کو اشارہ کیا۔ (میرے پیچھے آؤ۔ کہو تابعداری سے ان کے پیچھے چل پڑا۔ وہ کاؤنٹر کے شیشے کے دروازے سے باہر نکل گئے۔

مالا پلٹ کے انہیں دیکھنے لگی۔ اب وہ دونوں باہر ٹھنڈ میں کھڑے، کوئی بات کرتے دکھائی دیتے تھے۔ ماہر کے چہرے پہ بے زاری بھری اکتاہٹ تھی۔ [illegible] محسوس ہوتا تھا کہ آواز دھیمی تھی۔ وہ نگاہوں میں [illegible] دیکھے گئی۔

"وہ یہاں کیا کر رہی ہے؟"

باہر ٹھنڈی فضا میں کھڑے مالک فرید نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

ماہر نے گہری سانس لی۔ بے زاری سے سانس۔

"اس سے پہلے کہ تم مجھ سے وہی پوچھو، جس کی وضاحت دے دے کر میں تنگ آ چکا ہوں..... ہلال کو۔ بیرل، چیکنگز یا کسی، غرض ہر شخص کو، میرے اور اس کے درمیان کچھ نہیں ہے۔ وہ ایک ماں ہے۔ اپنا بچہ ڈھونڈ رہی ہے۔ اور میں اس معاملے سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ میں وہ انسان نہیں ہوں جو کسی کے پیچھے

بھاگتا ہے، یا کسی کا روگ لے کر کئی برس گزار دیتا ہے۔" وہ نفی سے کہہ رہا تھا۔

"ہوں۔" وہ غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"جیسے ماہر نے چھوڑ دیا، اسے بھی چھوڑ دو۔ میں نے اتنے برس اس کی خبر تک نہیں رکھی۔ وہ کیا کرتی ہے، کیسے اور کہاں رہتی ہے، مجھے معلوم نہیں تھا۔ پانچ دن پہلے وہ خود اچانک سے میرے آفس آئی اور اس نے مدد مانگی۔ ہلال کی خاطر میں نے اس کی بات مان لی۔"

"اور اس کے آنے سے تمہاری زندگی پیچیدہ نہیں ہوگی؟" وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"میں ایسا مرد نہیں ہوں مالک۔ کچھ محبتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ یا ہم ان کو نکال کر دیتے ہیں۔ اس کی محبت ختم ہو چکی تھی اور اس کا غم بھی۔ وہ میرے لیے صرف بدر کی ماں ہے۔ وہ بدر جس کی ہلال کو بہت پروا ہے۔ میرے پاس پچھتانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کچھ غلط سمجھو۔" سکون سے کہتے ہوئے وہ اگلی میں پہنی سلور انگوٹھی کو مروڑ رہا تھا۔ مالک فرید نے اطمینان سے گہری سانس لی۔ ہلکا سا اس کے کندھے کو تھپکا اور آگے بڑھ گئے۔

"شام کو آفس آؤں گا۔ تم ابھی جاؤ۔"

وہ کچھ کہنے لگا پھر رک گیا۔ پلٹ کے دیکھا۔ بیرل کافی بنا رہا تھا۔ یقیناً پولیس اسٹیشن کی ڈرپ کافی اس کو چھوڑ نہیں آئی تھی۔ وہ البتہ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ماہر سیدھا سے پلٹ جانا چاہتا تھا لیکن مالا نے ابرو سے اشارہ کیا۔ (اندر آؤ۔)

اس کی پیشانی پر لکیریں ابھریں۔ لیکن پھر وہ گلاس ڈور کھول کے اندر آیا۔ بیرل کی اس طرف پشت تھی۔ وہ اب اسے آنکھوں سے اشارہ کر رہی تھی۔ (کہیں چل کے بات کرتے ہیں۔)

ماہر نے قدرے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ (ایسی کیا بات؟) پھر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ وہ بیرل کو "میں ابھی آتی ہوں" کہہ کے اس کے پیچھے ہو لی۔

زینے عبور کر کے ایک طرف سٹنگ روم بنا تھا، جہاں سے ایک ویٹرس مالک کے مہمانوں کے خالی برتن چن رہی تھی۔ دوسری جانب راہداری تھی۔ وہ ایک دروازے پہ ختم ہوتی تھی۔ ماہر نے دروازہ کھولا۔ اندر ایک خوش رنگوں سے سجا آفس تھا۔ یقیناً بیرل کا تھا۔ یہ بھی نیا بنا تھا۔

"تم مالک سے کیا کہہ رہے تھے؟" ماہر نے دروازہ بند کیا تو وہ اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ بازو سینے پر لپیٹے، وہ آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہی کہ تمہارے بیٹے کو زیادتی اغوا کیا ہے، لیکن تم یقین نہیں کرنا چاہتیں۔" اس نے بے پروائی سے شانے اچکائے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ مالا تک ان کی آوازیں پہنچی ہوں۔

"اس کیس کا یہی انجام نکلے گا، کیونکہ میں لوگوں کے بارے میں غلط نہیں ہوتا۔" ایک افسوس بھری نظر اس پہ ڈالی۔ "البتہ کشمالہ بین کو انسانوں کی پہچان نہیں ہے۔"

وہ اسی طرح سینے پر بازو لپیٹے تیکھی نظروں سے چند لمحے اسے دیکھے گئی۔

"انسانوں کی پہچان ہو یا نہ ہو، مجھے ایک چیز کی پہچان ضرور ہے۔"

اس کی آواز دھیمی تھی۔ وہ چونکا۔

"نفرت۔ اور بیماری کی خوشبو۔"

وہ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ ساکت۔ جیسے اگلا سانس نہیں لے سکے گا۔

اب وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"مالک فرید بیمار ہیں۔ ہے نا؟"

ماہر بہت دھیرے سے شکست خوردہ سا

ALIFADAB.COM
Watermarkly

کاؤچ کے کنارے پر بیٹھا اور سر ہاتھوں میں گرا دیا۔
چند لمحے خاموشی سے کٹ گئے۔
"میں ماں کے ساتھ ایک عرصہ رہی ہوں۔ بیماری کی ایک اپنی بو ہوتی ہے۔ وہ مجھ جیسوں کو دور سے آجاتی ہے۔ انہیں کیا ہوا ہے؟" وہ اب نرمی سے پوچھ رہی تھی۔
اس نے سر جھکائے کنپٹیاں دونوں ہاتھوں سے سہلائیں۔
"برین ٹیومر۔" پھر چہرہ اٹھا کے دیکھا تو یہ وہ چہرہ نہیں تھا جسے وہ پانچ دن سے دیکھ رہی تھی۔ یہ ایک تکان شدہ شخص کا چہرہ تھا۔
"ایک سرجری ہو چکی ہے۔ چند سال پہلے۔ اس نے مجھے یا کسی کو نہیں بتایا۔ وہ تندرست ہو رہا تھا۔ پھر چند ماہ پہلے یہ ٹیومر دوبارہ سے اگنا شروع ہو گیا۔ اب سرجری ناممکن ہے۔"
"کتنا وقت...؟" الفاظ حلق میں ٹوٹ گئے۔
ماہر نے کلائی پر بندھی اسمارٹ واچ پر تاریخ دیکھی۔
"چار ماہ۔ شاید اس سے بھی کم۔"
لمحے خاموشی سے گزرتے رہے۔ بنا چاپ کے۔ بنا سانس لیے۔
"اور علاج؟"
"میں اس کے ساتھ جاتا ہوں۔ زارا اور بیرل کو نہیں معلوم۔ وہ الگ گھر میں رہتا ہے۔ ملازم ہیں اس کے پاس۔ اس کا ڈاکٹر اس کے پاس آتا تھا۔ جن دنوں یہ کیف والا معاملہ شروع ہوا تھا۔" وہ تلخی سے ہلکا سا ہنسا۔ وہ خاموش کھڑی رہی۔ "اس نے مجھے کہا کہ وہ اس کا اکاؤنٹنٹ ہے، حالانکہ وہ اس کا ڈاکٹر تھا۔ وہ اس کو کہتا رہا کہ وہ مجھے حقیقت بتا دے۔ اس نے نہیں بتائی۔ وہ اسی لیے چاہتا تھا کہ میں لندن واپس آجاؤں تاکہ فرید ہولڈنگ سنبھال لوں۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو ساری کمپنی ہمارے سروں پر گر جاتی۔ کمپنی [illegible] بہت [illegible] ہیں۔ وہ میرے باپ کی امانت تھی اس کے پاس۔"
"اسی لیے تم واپس جا رہے ہو؟"
ماہر نے جھکے سر کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔
"مجھے چند ماہ پہلے علم ہوا۔ وہ بہت انا اور وقار والا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ کسی کو علم ہو اور لوگ اسے مختلف طریقے سے ٹریٹ کریں۔ اسے اپنی کمزوری دکھانا پسند نہیں ہے۔" پھر وہ گھڑی دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک گہری سانس لی۔
"یہ بات میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ اس کو راز رکھنا۔ بیرل کو نہیں معلوم۔"
ہلکی سی تنبیہ کر کے وہ پلٹنے لگا جب...
"یہ راز رکھنے والی بات نہیں ہے۔"
ماہر چونک کر پلٹا۔ وہ اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے لگا اس نے غلط سنا ہے۔
"میں نے ایک بات تم سے شیئر کی ہے۔ تو تم اس کو..."
"شیئر نہیں کی۔ میں نے خود بھانپ لی تھی کہ مالک ٹرمینل پیشنٹ ہے۔" وہ ایک ابرو اٹھا کے سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ "تم اتنی بڑی بات بیرل سے کیسے چھپا سکتے ہو؟"
اور اس لمحے ماہر فرید کو اس پہ ڈھیروں غصہ آیا تھا۔
"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔" چند لمحے پہلے کی شکستگی چہرے سے غائب ہو گئی۔ غصے اور درشتی سے وہ بولا تھا۔ "یہ ہمارا فیملی میٹر ہے۔ اس میں مداخلت مت کرو۔"
"بیرل کو بھی یہ جاننے کا اتنا ہی حق ہے جتنا تمہیں۔ تم کب تک دوسروں کی زندگی کا سچ ان سے چھپاتے رہو گے؟"
"بیرل کو گریف (غم) کو پروسیس کرنا نہیں آتا۔ تم اس کو نہیں جانتیں۔" ماہر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔
"خدا کے لیے دوسرے انسانوں کو اتنی عزت

دینا سیکھو ماہر، کہ ان کے حصے کا سچ ان کو بتا دیا کرو۔ بیرل کا حق ہے جاننا۔"
"کیا میرا حق ہے جاننا؟"
بیرل نے اسی لمحے دروازہ کھولا تھا۔ ہاتھ میں پانی کی ٹرے تھی۔ اس نے دستک نہیں دی تھی۔ شاید وہ ان کی گفتگو کے درمیان مخل ہونا چاہتا تھا۔ لیکن مالا کے الفاظ نے اسے مبہوت کر دیا۔ چونک کر ماہر کو دیکھا۔
"کیا ہوا ہے؟"
ماہر نے بے اختیار پیشانی چھوئی۔ پھر بہت ضبط سے مالا کو دیکھا۔
"بہت شکریہ تمہارا۔" دانت پیس کے وہ بولا۔
"بتاؤ اس کو۔" وہ ملامتی انداز میں کہہ کے آگے بڑھی اور ٹرے لے لی۔ پھر دروازے کی طرف جانے لگی جب بیرل نے بازو لمبا کر کے اسے روکا۔
"ایک منٹ۔ تم یہیں رہو۔ تم ایسے کیسے جا سکتی ہو؟" وہ کچھ الجھا ہوا اور کچھ خفا لگ رہا تھا۔ وہ ٹرے اٹھا کے وہیں رک گئی۔ یہ اس نے نہیں سوچا تھا۔
"کیا جاننا چاہیے مجھے؟ کیا چھپا رہے ہو تم مجھ سے؟" وہ سنگین لہجے میں کہتا ماہر کے سامنے آن رکا۔
ماہر نے بے بسی سے گہری سانس لی۔ پھر کنپٹی سہلائی۔ سر میں درد اٹھنے لگا جس کی وجہ کیفین کا نہ ملنا نہیں تھا۔
"بی..."
"بتاؤ مجھے۔" اس کی آواز بلند ہوئی۔ چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔
ماہر خاموشی سے لب کاٹتا رہا۔ مالا نے اسے ایسے لب کاٹتے نہیں دیکھا تھا۔
"بیٹھ کے میری بات سنو، بی۔"
"کوئی نئی شرط چھوڑی ہے نا میرے باپ نے وصیت میں؟ یہ سب مجھ سے واپس چھین لیا جائے گا... ہے نا؟" اس کی آواز بے بسی بھرے طیش سے بلند ہوئی۔
"نہیں۔ یہ سب تمہارا ہے۔" ماہر نے کراہ کے ماتھا چھوا۔ پھر گہری سانس لی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔
کن انکھیوں سے اسے وہ دکھائی دے رہی تھی۔ ٹرے پکڑے ساکت کھڑی۔ قدرے کنفیوزڈ۔
"مالک... مالک بیمار ہے۔"
بیرل کی آنکھوں میں الجھن ختم ہو گیا۔ اس کی جگہ ناسمجھی نے لے لی۔
"کیسی؟" ابرو اٹھایا۔
"مالک کو... برین ٹیومر ہے۔ چار ماہ ہیں اس کے پاس۔ شاید پانچ۔"
چند لمحوں کے لیے بیرل بس اس کو دیکھے گیا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا اور مالا ان دونوں کو۔ ٹرے کے کناروں پر جمے ہاتھ سختی سے ٹرے میں گویا دھنسے جا رہے تھے۔
"کیا مطلب وہ بیمار ہے؟" بیرل نے پھر سے ابرو اٹھائے۔ چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔
"بی..."
"نہیں تم کہہ کیا رہے ہو؟" اس کی آواز پھر سے بلند ہونے لگی۔
"مالک مر رہا ہے۔" ماہر نے زور دیا۔ آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔
بیرل پلٹ گیا۔ میز کے کنارے ہاتھ رکھے رکا، سر جھکا کے جیسے کچھ دیر سوچا۔
"کیا مطلب وہ مر رہا ہے؟" پھر نفی میں گردن ہلاتے ہوئے پلٹا۔ "مالک نہیں مر سکتا۔"
"بیرل..."
"تم درمیان میں مت بولو۔" اسے دیکھے بنا ہاتھ اٹھا کے تنبیہ کی۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔
"تم کہہ رہے ہو کہ..." وہ اب ماہر کے سامنے آیا۔ گھنگریالے بالوں تلے پیشانی سرخ اور بل دار تھی۔
"کہ مالک... عبدالمالک فرید... مر رہا

ALIFADAB.COM
Watermarkly

ہے؟" اس کی آنکھوں میں غصے سے لکیریں ابھر رہی تھیں۔

ماہر نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ایک برہم خاموش نگاہ اس کے پیچھے کھڑی مالا پہ ڈالی۔

"وہ... وہ ردولوٹ مر رہا ہے؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں۔ وہ نہیں مر سکتا۔ میں نہیں مانتا۔"

اس نے زور سے پیچھے دیوار پر ہاتھ مارا۔

"وہ... وہ بے حس بوڑھا... وہ یوں نہیں مر سکتا۔" اس نے دوبارہ دیوار پر ہاتھ مارا۔ اب وہ ماہر کے دائیں جانب کھڑا تھا۔

"اس نے ساری زندگی... ساری زندگی اس نے مجھے کہا کہ میں کسی قابل نہیں ہوں۔ وہ... وہ مجھے کسی قابل سمجھتا ہی نہیں ہے۔"

اس نے دیوار سے ہاتھ ہٹا کے دیکھا۔ وہ سرخ پڑ رہا تھا۔

"اس نے ہمیشہ مجھے ماہر سے کمتر سمجھا ہے۔ نہ میں پڑھائی میں ماہر جیسا تھا، نہ کاروبار میں۔ مالک بھی، میرا باپ بھی، وہ سب... وہ سب مجھے کمتر سمجھتے تھے۔" اس نے پھر سے دیوار پر ہاتھ مارا۔

"اور اب... اب مجھے میرے اثاثے ملے تھے۔ اب میں اپنی بیکری ایکسپینڈ کر رہا تھا۔ اور تم یہ کہہ رہے ہو کہ..." اس کی سرخ آنکھوں میں زمانوں کی حیرت تھی۔ "کہ وہ مر رہا ہے؟"

ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔

"وہ چالاک بوڑھا... وہ کیا سمجھتا ہے، کہ وہ یوں مر سکتا ہے؟" وہ نفی میں گردن ہلا رہا تھا۔ آنکھیں گلابی پانی سے بھر رہی تھیں۔

"وہ نہیں مر سکتا — وہ ابھی نہیں مر سکتا۔" وہ سرخ ہاتھ کی انگلی اٹھا کے گویا اسے وارن کر رہا تھا۔

"وہ پہلے دیکھے گا... اپنی آنکھوں سے... مجھے کامیاب ہوتے ہوئے... وہ میرے سامنے آ کے اعتراف کرے گا کہ میں..." سینے پر اسی انگلی سے [illegible] "میں ماہر سے کمتر ہوں... کہ میں کچھ ہوں... کچھ ہوں اس کے لیے... پہلے وہ یہ نہیں مانتا۔ پھر مرے گا وہ۔ ایسے نہیں مر سکتا وہ۔ میں نہیں مانتا۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ پیچھے کو مڑنے لگا۔ ایک اوتومن کو جوگر سے ٹھوکر ماری۔ وہ دور جا لڑھکا۔

"بیرل..." اس نے تاسف سے بیرل کے چہرے کو دیکھا۔ اس پر آنسو گر رہے تھے، لیکن وہ ابھی تک نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"ایسے نہیں مرنے دوں گا میں اس کو۔" وہ پلٹ کے گلاس ڈور کی طرف بڑھ گیا جو بالکونی کی جانب کھلتا تھا۔ اسے کھولا تو ٹھنڈی ہوا کا تیز جھونکا اندر آیا۔ وہ باہر نکلا اور دھڑام سے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا۔

ماہر اس کی طرف پلٹا۔ وہ ٹرے ہاتھ میں لیے، گردن موڑے افسوس سے بالکونی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نگاہیں محسوس کر کے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ اس بات کو خود تک رکھنا اور تم..." شدت غیض سے اس نے مٹھی بھینچ لی۔ بہت عرصے بعد اسے کسی پہ اتنا شدید غصہ آیا تھا۔

"مالک اس کا بھی چچا ہے۔ یہ سچ جاننا اس کا حق تھا۔"

"یہ تمہارا فیصلہ نہیں تھا۔"

"درست، ماہر بے۔ درست۔" میز پر زور سے ٹرے رکھی۔ "یہ تمہارا فیصلہ ہونا چاہیے تھا۔ اسے یہ سچ تم سے سننا چاہیے تھا، جیسے تمہارا سچ مجھے تم سے سننا چاہیے تھا۔ کیف یا منصور سے نہیں۔" اس کی آواز بلند ہوئی۔ وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔ وہ لمحے بھر کو اس کشمالہ سے مختلف لگی تھی جسے وہ گزشتہ پانچ دن سے دیکھ رہا تھا۔

"میں تمہارے اوپر کبھی اعتبار نہیں کر سکتا۔" اسے دیکھتے ہوئے افسوس سے گردن دائیں بائیں ہلائی۔

(میک دی ٹو آف اس) کشمالہ مبین نے ہلکے

سے کندھے اچکائے اور آگے بڑھ گئی۔ اس کا رخ بالکونی کی جانب تھا۔ وہ افسوس اور برہمی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ بالکونی کا دروازہ کھول رہی تھی۔ سرد ہوا پھر سے اندر آئی لیکن وہ اس ہوا کے لیے نہیں رکا۔ دوسری طرف سے باہر نکل گیا۔ آفس خالی رہ گیا۔

بالکونی سرد تھی اور ہوا ٹھنڈی۔ وہ زمین پر بیٹھا دیوار سے ٹیک لگائے، سر ہاتھوں میں گرائے رو رہا تھا۔ اس کا سارا وجود ہچکیوں سے ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

مالا چند لمحے تاسف سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر نرمی سے پکارا۔

"بیرل..."

"مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" سر اٹھائے بغیر گیلی آواز میں کہا۔

"اوکے۔" وہ واپس مڑ گئی۔

"کوئی رو رہا ہو تو اسے اکیلا نہیں چھوڑتے۔" اس نے بھیگا چہرہ اٹھا کے ناراضی سے کہا تھا۔

وہ گہری سانس لے کر بیٹھی۔

"پھر کیا کرتے ہیں؟"

"ٹشو پکڑاتے ہیں۔"

چند ثانیے بعد وہ اس کے سامنے ٹشو کا ڈبہ رکھ کے وہیں بیٹھ رہی تھی۔ صاف ٹائل شدہ فرش پر۔ وہ چھوٹا سا ایریا تھا جس میں کین کا فرنیچر رکھا تھا اور ریلنگ کے ساتھ چند گملے سجے تھے۔

"تھینک یو۔" بیرل نے بھاری آواز میں کہتے، سر جھکائے چند ٹشو نکالے۔ پھر چہرہ صاف کیا۔ ناک رگڑی۔

"تمہارے پاس کبھی کوئی پالتو جانور تھا بیرل؟"

"نہیں۔"

"جب میرے ابا کی ڈیتھ ہوئی تو میں بہت چھوٹی تھی۔"

وہ چہرہ اٹھا کے گیلی گلابی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ اس کے سامنے آلتی پالتی کیے زمین پر بیٹھی نرمی سے کہہ رہی تھی۔

"اس وقت مجھے اپنی ماں سے ایک ہی شکوہ تھا۔ کاش انہوں نے کبھی مجھے ایک پالتو جانور لے کر دیا ہوتا۔ بلی۔ کتا۔ خرگوش۔ ایک جانور ہر بچے کے پاس ہونا چاہیے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ جانور کچھ عرصے بعد مر جاتے ہیں۔ اور یوں بچے کو معلوم ہوتا ہے کہ موت کیا ہوتی ہے۔ پھر اسے گریف (غم) کو پروسیس کرنے کا فن آنے لگتا ہے۔"

بیرل نے سر دیوار سے ٹکا کے چند گہرے سانس لیے۔

"وہ کب سے بیمار ہے؟ مجھے کیوں علم نہیں ہو سکا؟" وہ حیران تھا۔ شاک میں تھا۔ پھر چونکا۔ "تمہیں کیسے معلوم؟" پھر چہرے پہ خفگی در آئی۔ اس نے سوال بدلا۔ "تمہیں کب سے معلوم ہے؟"

"چند منٹ پہلے سے۔"

"اسی لیے وہ زارا سے شادی کر رہا ہے۔ اسی لیے وہ مالک کی ہر بات مانتا ہے۔ وہ اس کا اتنا تابع دار ہے، کیونکہ وہ اس کو کھونے سے ڈرتا ہے۔"

آنسو پھر سے اس کی آنکھ کے کنارے سے پھسلنے لگے۔

"اور میں... میں نے ہمیشہ اس کو ڈس اپائنٹ کیا ہے، مالا۔ میں کبھی اس قابل نہیں بن سکا کہ مالک میری تعریف کرتا۔"

وہ اداسی سے مسکرائی۔

"اپنے بڑوں کا اپروول ان کی تعریف... کتنا ترستے ہیں ہم اس سب کو بیرل۔ بڑے سمجھتے ہی نہیں ہیں۔"

"میں اس کے لیے کبھی ماہر نہیں بن سکوں گا۔ میں نے اس کے لیے کچھ نہیں کیا۔ ہمیشہ اس کو برا بھلا کہا۔"

ALIFADAB.COM
Watermarkly

"بیریل۔" وہ بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ "تم جس تکلیف میں ہو، وہ میں نے تمہیں دی ہے۔ میں چاہتی تھی کہ تم جان جاؤ کہ مالک بیمار ہیں۔ ماہر تمہیں اس سے بچا رہا تھا۔ لیکن ہر انسان کو اپنے حصے کی تکلیف کاٹنی چاہیے۔ آئی ایم سوری۔ لیکن اگر تمہیں چار ماہ بعد معلوم ہوتا تو تمہارے پاس مہلت نہ ہوتی۔"

"مہلت؟" بیریل نے چونک کر اسے دیکھا۔

وہ اداسی سے مسکرائی۔

"ہاں۔ مہلت۔ اب تمہارے پاس وقت ہے۔"

"کس چیز کے لیے؟" اس نے ابرو اٹھائے۔ "اس کی خدمت خیال وغیرہ..."

مالا نے نفی میں گردن ہلائی۔

"اس کو یہ بتانے کے لیے کہ تم اس سے کتنی محبت کرتے ہو۔"

بیریل نے شرٹ کے کف سے آنکھیں رگڑیں۔ اور سر جھٹکا۔

"میں اس سے کوئی محبت وغیرہ نہیں کرتا۔ ہونہہ۔" چند گہرے سانس لیے۔ ناک سڑکی۔ بالوں میں انگلیاں پھیر کے انہیں درست کیا۔ ایک ٹشو مزید نکالا۔ وہ غور سے اسے دیکھے گئی۔

"تم اس سے محبت نہیں کرتے؟"

"نہیں۔ اور نہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔" اس نے زخمی نگاہوں سے مالا کا چہرہ دیکھا۔ "ورنہ اپنی تکلیف میرے ساتھ شیئر کرتا۔ لیکن نہیں۔ اس نے مجھے اس لائق بھی نہیں سمجھا۔" وہ کپڑوں سے نادیدہ گرد جھاڑ کے اٹھ رہا تھا۔ وہ بھی ساتھ ہی کھڑی ہوئی۔

(ماہر وہ بیٹا ہے جو اس کے پاس کبھی نہیں تھا) ماہر ازدی سن ہی نیور ہیڈ) وہ نفی سے کہہ رہا تھا۔ "بیریل اس کے لیے کچھ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر اس کے پاس جاؤ۔ اس سے یہ سب کہو جو تم اس کے لیے محسوس کرتے ہو۔ باتیں کہہ دینی چاہئیں۔ دل میں نہیں رکھنی چاہئیں۔" وہ اس کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی اور وہ سر جھکائے ادھر ادھر کی چیزیں الٹ پلٹ کر رہا تھا۔

"میں اب رو نہیں رہا۔ تم مجھے اکیلا چھوڑ سکتی ہو۔" وہ اس سے نگاہیں نہیں ملا رہا تھا۔ پلکیں ہنوز بھیگی ہوئی تھیں۔

مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے۔ میں پھر آؤں گی۔"

وہ آفس کی طرف بڑھ گئی۔

"مالا..."

وہ بالکونی کا دروازہ کھول رہی تھی جب وہ پکار اٹھا۔ اس نے پلٹ کے دیکھا۔ وہ اب اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں پھر سے بھیگی ہوئی تھیں۔

"تھینک یو۔"

وہ مسکرا دی۔ سر کو خم دیا۔ اور آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

کیف کی عمارت پہ دن غروب ہونے لگا اور شام کے سائے اترنے لگے تھے۔ ماہر فرید کے آفس میں کئی گھنٹے سے بتی نہیں جلی تھی۔ نہ ہی وہ باہر نکلا تھا۔ اندر نیم اندھیرے میں صرف کھڑکیوں سے آتی روشنی تھی۔ وہ سیٹ پر بیٹھا آنکھیں بند کیے مسلسل کنپٹی مسل رہا تھا۔ آج صبح بیریل کے دفتر میں ہوا واقعہ بار بار نگاہوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ اس نے بیریل کو دوپہر میں کال کی تھی لیکن اس نے کاٹ دی۔ پھر اس کا فون آف ہو گیا۔

دروازہ ہلکے سے کھلا۔ روشنی اندر آئی۔ اس نے آنکھیں چندھیانے والے انداز میں چھوٹی کیں۔

عبدالمالک فرید چوکھٹ میں کھڑے تھے۔

"شبنم کہہ رہی تھی تم صبح سے باہر نہیں نکلے۔" وہ عام سے انداز میں کہتے اندر داخل ہوئے۔ دروازہ بند کیا۔ ماہر تکان سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن مالک فرید کا رخ کھڑکی کے سامنے رکھی دو اونچی کرسیوں کی طرف تھا جن کے

درمیان ایک چھوٹی میز تھی۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ ٹانگ پر ٹانگ جمالی۔

"میں... تھوڑی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" وہ قدرے تھکا ہوا، قدرے بے زار لگا تھا۔

"میرے لیے بھی ایک۔" انہوں نے اشارہ کیا۔

ماہر نے تاسفی سے انہیں دیکھا۔ مدھم روشنی میں بھی وہ ان کا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔

"ایک کیا؟"

"وہی جو تمہارے دراز میں ہے۔" وہ ہلکا سا مسکرائے۔ بس ایک لمحے کو۔ پھر مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

ماہر چونکا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ ابھر آئی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم جانتے ہو۔" اس نے میز کے دراز کھولا۔ ایک باکس نکال کے میز پر رکھا۔

"تمہاری تھیراپسٹ جانتی ہے؟" وہ بغور اس کو دیکھ رہے تھے۔

"میں نے اس کے پاس جانا چھوڑ دیا تھا۔ اب ضرورت نہیں رہی۔ یہ بہت ہے میرے لیے۔" اس نے باکس کھولا۔ اندر کیوبن سگارز سجے تھے۔ یہ اس کی واحد تھیراپی تھی۔

"صرف ایک۔" مالک کو نگاہ اٹھا کے تنبیہی انداز میں دیکھا۔ انہوں نے سر کو خم دیا۔ اب وہ میز کے پیچھے کھڑا چاقو نکال رہا تھا تاکہ سگار کو چھیل سکے۔

"آج عرصے بعد مالا سے مل کے اچھا لگا مجھے۔"

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے سگار چھیلے گیا۔

"میں نے اسے گوگل کیا تھا۔ اس کی فوٹو گرافی کمپنی کافی مشہور ہے۔"

"ہوں۔" وہ اب سگار کو لپیٹ رہا تھا۔

مالک فرید کا ہاتھ میز تک رینگ گیا۔ نگاہیں باہر پہ جمی تھیں اور انگلیاں ایک تار کو تلاش کر رہی تھیں۔

"البتہ گوگل سرچ میں بار بار سلیم صابر کا نام سامنے آتا تھا۔ اس نے مالا کی کمپنی کو برا بھلا کہا ہے۔ معلوم نہیں کیوں۔"

مالک کے ہاتھ بٹن تلاش کر کے وہیں تھم گئے۔ اسے دبایا نہیں۔

"وہ اس کا کلائنٹ تھا۔ اس کی شادی کا پرائیویٹ شوٹ غلطی سے وائرل ہو گیا تھا۔ اسی لیے۔ بعد میں وہ معاملہ ختم ہو گیا تھا۔"

وہ سر جھکائے اسی بے زاری سے کہتے ہوئے سگار بنا رہا تھا جب...

"تمہیں کیسے معلوم؟ تم تو اس کی خبر نہیں رکھتے تھے۔"

ماہر نے تیزی سے سر اٹھایا۔ اسی پل مالک نے بٹن دبایا۔ کمرے کے سارے فلورسینٹ جل اٹھے۔ ہر طرف زرد روشنی بکھر گئی۔

وہ دیکھ سکتے تھے کہ ماہر بالکل ساکت گنگ سا کھڑا تھا۔ ہاتھ تھم گئے تھے۔

"یہ سلیم صابری والا قصہ سوشل میڈیا پہ دب گیا تھا۔ مجھے بھی تلاش کرنے سے نہیں ملا۔ لیکن تمہیں معلوم ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھے۔

وہ اسی طرح انہیں دیکھ رہا تھا۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

"تم سب سے جھوٹ بول سکتے ہو۔ ہلال، بیریل، یاسمین.... خود اپنے آپ سے بھی...." وہ اس کے عین سامنے رکے۔ نگاہیں اس پہ جمی تھیں۔ درمیان میں میز اور چند سگارز حائل تھے۔

"لیکن مجھ سے نہیں۔ میں تمہاری روح کے اندر جھانک سکتا ہوں، ماہر۔"

ماہر کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔ تھوک نگلا۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

"میں..." کوئی بہانہ، کوئی جواز... ذہن ہر شے سے قاصر تھا۔ پانچ دن سے چہرے پہ پڑھا یا طنع ایک دم سے سچ کے گر گیا تھا۔

"تم نے یہ سارا ہلال کے ساتھ ہونے والے واقعے پہ کیں شروع کیے تھے۔ تم نے یہ اس کے فراق میں کیے تھے۔ تم نے اس کو کبھی اپنے ذہن اور دل سے نہیں نکالا۔ نہ تم نے سمو آن کیا تھا۔" وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے۔

"اس نے تمہیں ریجیکٹ کیا، تمہارا دل توڑا، لیکن وہ تمہارے دل سے نہیں نکلی۔ تم اتنے دن سے سب کے ساتھ اداکاری کرتے آرہے ہو۔ میں تمہیں جانتا ہوں ماہر۔ تم آج بھی اس کی محبت میں گرفتار ہو۔"

"مالک..." وہ ٹھٹھکا۔ لیکن الفاظ ختم ہو چکے تھے۔

"تم نے اتنے برس ان کی خبر رکھی۔ وہ کیا کر رہی تھی، تمہیں سب معلوم تھا۔ کوئی تم اسے بھول نہیں پائے تھے۔ اس کے بیٹے کے کھونے کا بھی تمہیں غم تھا۔"

"مجھے اس کے بیٹے کے کھونے کا علم نہیں تھا۔" وہ تیزی سے بولا۔ پھر تھوک نگلا۔ "میں نے زارا سے منگنی کے بعد اس کی خبر رکھنی چھوڑ دی تھی۔" کندھے شکستہ انداز میں گرا دیے۔ سر جھکا لیا۔

"مگر اب وہ تمہاری زندگی میں واپس آچکی ہے۔" اسے ان کی آنکھوں میں ہلکی سی مایوسی دکھائی دی۔ افسوس۔ غم۔ یا شاید اس کا وہم تھا۔ وہ آنکھیں اگلے ہی لمحے بے تاثر ہو گئیں۔

"اور اب سب کچھ پیچیدہ ہو جائے گا۔"

"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" وہ تیزی سے بولا۔ "میں نے زارا کو کوئی دھوکہ نہیں دیا، نہ دوں گا۔"

"اگر تم زارا سے میری ہمدردی میں شادی کر رہے ہو تو ایسا مت کرو۔ مجھے تمہاری ہمدردی نہیں چاہیے۔ وہ ناخوش رہے گی، تو میں بھی ناخوش رہوں گا۔ جہاں بھی رہوں۔" ایک نظر اوپر دیکھا اور پھر ماہر کو۔

"ایسا کچھ نہیں..."

"میرا سہارا" انہوں نے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے بنا ہوا سہارا ان کی ہتھیلی پر رکھا۔ وہ لائٹر نکالتے ہوئے اسے لیے واپس پلٹ گئے۔ اگلے لمحے وہ آفس سے باہر نکل گئے تھے۔ اس کی کسی قسم کی وضاحت سنے بغیر۔

وہ نڈھال سا کرسی پہ گر گیا۔ اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

میز کے وسط میں رکھے تین ملائم پتھر خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

استنبول شہر کے درمیان سے گزرتی پیلی اوتو بس کی کھڑکی والی سیٹ پہ مالا بیٹھی تھی۔ شیشے کے پار بھاگتا شہر، عمارتیں، مسجدیں اور کہیں کسی جھروکے سے بوسفورس کا پانی دکھائی دیتا تھا۔ اس نے باہر دیکھتے ہوئے پرس میں ہاتھ ڈالا۔ ہاتھ ایک ٹھنڈی شے سے ٹکرایا۔ اس نے اسے باہر نکالا۔

(ایک ماہ قبل)

ماہی ابھی ابھی اپارٹمنٹ سے گئی تھی۔

"بچے مر جاتے ہیں مالا۔ میرے بھی دو مر گئے تھے۔" ماہی نے انگلیوں کی وی بنا کے دکھائی تھی۔ وہ وی اس کے دل میں کھب گئی تھی۔ اس نے غصے سے بدر کے کھلونوں کی ٹوکری الٹ دی تھی۔ پھر ڈیکور شیلف گرا دیا تھا۔ بہت سی چیزیں زور سے نیچے آگریں۔

سب سے زیادہ زور سے وہ ایک شے گری۔ کانچ کے جار میں جمی کینڈل۔

وہ لڑھکتی ہوئی ہیسمٹ کے کھلے دروازے تک گئی اور نیچے جا گری۔ چھناکے کی آواز آئی اور وہ ٹوٹ گئی۔

وہ کتنی ہی دیر وہیں بیٹھی رہی۔ پھر آنسو صاف کر کے اٹھی۔ ویکیوم اٹھایا۔ کھلونے سمیٹے۔ کچرا نکالا۔ اور اب تک وہ خاموشی سے گھر کو درست حالت پہ واپس لائی، اسے ہیسمٹ یاد آئی۔ کھلے دروازے سے جھانکا۔ کینڈل ٹوٹ چکی تھی اور موم کے بڑے بڑے ٹکڑے ہر طرف بکھرے تھے۔ وہ کینڈل اسے ماہی نے شادی پہ دی تھی۔ اس نے اسے کبھی نہیں جلایا تھا۔ یہ سعودیہ سے واپسی پہ اس کے سامان کے ساتھ آئی تھی جو حکومتی اہلکاروں نے اس کے لیے پیک کیا تھا۔

وہ قدم قدم زینے اترتی آئی۔ اور موم کے ٹکڑے چنے۔ کچھ موم انگلیوں پہ لگنے لگی۔ اونہوں۔ اسے کوفت ہوئی۔

آخری زینے پہ کچھ تھا۔ اس کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ وہ پنجوں کے بل ادھر بیٹھی۔ پھر جھک کے وہ شے اٹھائی۔

موم میں لتھڑا ایک تین انچ کا ملائم پتھر۔ اتنا چھوٹا کہ ہتھیلی میں پورا آجاتا۔ کمفرٹ اسٹون۔ (ایسے پتھر جن کو مٹھی میں دبانے سے ٹھنڈک اور سکون ملتا ہے۔)

اس نے اس پر لگی موم صاف کی۔ وہ غالباً اس جار کے اندر مقید تھا۔

ہیسمٹ کی مدھم روشنی میں بھی وہ دیکھ سکتی تھی۔

اس پہ چند الفاظ کندہ تھے۔

"میں ہمیشہ تمہاری مدد کے لیے موجود ہوں گا۔ ماہر۔"

آنسو بے یقین آنکھوں میں اٹک گئے۔

ماہر فرید... بہت زمانے بعد وہ اسے یاد آیا تھا۔

(بچے مر جاتے ہیں مالا۔ میرے بھی دو مر گئے تھے۔)

(میں ہمیشہ تمہاری مدد کے لیے موجود ہوں گا۔)

اس کی انگلیاں تیزی سے فون پہ نمبر ملا رہی تھیں۔ ماہی کی خفا سی آواز سنائی دی۔

"دیکھو مالا میں..."

"یہ Jo Malone کی کینڈل جو تم نے مجھے شادی پہ دی تھی... یہ تم نے کہاں سے لی تھی؟" وہ تیزی سے بولی۔

ماہی ایک دم چپ رہ گئی۔

"ماہر فرید نے دی تھی۔ وہ ان دنوں لاہور میں تھا۔"

ان باتوں کو چھپانے اور بتانے کا وقت پیچھے رہ گیا تھا۔

اس نے فون رکھ دیا۔ پھر واپس اوپر آئی اور بدر کے کھلونوں کی ٹوکری ایک دفعہ پھر سے لاؤنج کے وسط میں الٹا دی۔ وہ پتھر مٹھی میں دبائے ہوئے تھی۔ اس کی ٹھنڈک ہتھیلیوں سے ہوتی سارے وجود میں سرایت کر رہی تھی۔ اس کے اندر جلتی آگ ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

اگر ساری دنیا میں صرف ایک شخص اس کی بات کا یقین کرے گا تو وہ ماہر فرید ہوگا۔

بس میں بیٹھی کشمالہ نے مٹھی میں دبا پتھر دیکھا۔ ملائم سرمئی پتھر جو شاید ماہر نے کسی ساحل سے چنا تھا۔ اس نے اسے ہاتھ میں دبا کے مٹھی بند کر دی۔ وہ ہتھیلی میں غائب ہو گیا۔

یہ اس کا کمفرٹ اسٹون تھا۔

وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

شہر اسی خاموشی سے اسے دیکھتا پیچھے کی سمت بھاگ رہا تھا۔

"میں ہمیشہ تمہارے لیے موجود ہوں گا۔ ماہر۔"

☆☆☆

رات کا پراسرار اندھیرا استنبول کو اپنے پروں تلے دبائے ہوئے تھا۔

ٹیکسی نے اس رات ایلا نامی لڑکی کو ایک ایسی سڑک پہ اتارا جہاں تین سڑکیں مختلف سمتوں میں مڑتی دکھائی دیتی تھیں۔ اس نے کارڈ ٹیپ کیا پے منٹ ہپ کی آواز کے ساتھ کٹ گئی۔ وہ ایک

ALIFADAB.COM
Watermarkly

ہراساں سی مسکراہٹ ڈرائیور کی طرف اچھالتی باہر نکلی۔ عینک ناک پہ جمائے، اونی ٹوپی سر پہ کیے، جس سے کھلے بال نکل رہے تھے، وہ سرمئی کوٹ میں ملبوس باہر نکلی اور احتیاط سے دائیں بائیں دیکھا۔

اندھیر سڑک کی سیاہ سطح پہ زرد روشنیوں کا عکس جھلملا رہا تھا۔ سڑک گیلی تھی۔ دوپہر میں اس علاقے میں بارش ہوتی رہی تھی۔ ایلا نے موبائل اسکرین روشن کی۔ وہاں گوگل میپس کھلے تھے اور ابھی دو منٹ کی واک کا راستہ رہتا تھا۔ وہ ارادتاً جلدی اتر گئی تھی۔

قریباً سو میٹر عبور کر کے وہ اس جنگلے نما گیٹ کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

وہ ایک پرانا گھر تھا۔ اجڑا ہوا۔ جلا ہوا۔ شاید کسی زمانے میں جل گیا تھا اور مالک مکان نے تالا لگا دیا تھا۔ وہ جانتی تھی اس کی میٹنگ لوکیشن ایسا ہی کوئی اجڑا ہوا گھر یا کوئی ویران ویئر ہاؤس ہوگا۔

سرکار اپنے کلائنٹس سے ایسی ہی جگہوں پہ ملا کرتا تھا۔

ان کی پہلی ملاقات ایک ویئر ہاؤس میں ہوئی تھی۔ تب ایلا ایسی نہیں تھی۔ وہ سرخ چہرے اور بھیگی آنکھوں کے ساتھ گئی تھی۔ وہ بات بات پہ روتی تھی۔ اس کا دل زخمی تھا۔

اب دو ماہ گزر چکے تھے۔ اب اس کے غم کو قرار آنے لگا تھا۔

وہ باڑ عبور کر کے اندر آئی۔ گھر خاموش اور ویران تھا۔ ای میل میں لکھی ہدایات کے مطابق اسے فرنٹ دروازے پہ لگے پرانے تالے کو نہیں چھیڑنا تھا بلکہ بیک ڈور سے اندر جانا تھا۔

اس نے ایسا ہی کیا۔ کچن کا دروازہ کھولا تو چرچراہٹ سنائی دی۔ ایک عجیب سی ہیبت تھی اس گھر پہ۔ جیسے وہاں ان دیکھے سائے گردش کر رہے ہوں۔

گھر اندر سے گرم تھا۔ کسی بھی ہیٹنگ سسٹم کے بغیر۔ ادھ جلی دیواریں۔ کوئی روشنی نہیں۔ وہ کچن سے گزر کے لونگ روم میں آئی۔

چھت پہ کہیں کوئی بلب جل رہا تھا۔ اس کی روشنی مدھم سی لونگ روم میں آتی تھی۔ وہ خالی تھا سوائے دو کین کی کرسیوں کے، جو قاعدے سے سامنے رکھی تھیں۔ جیسے اس نے فلموں میں دیکھا تھا۔

وہ اپنا بیگ سنبھالے ایک کرسی پہ جا بیٹھی۔ اس کے گھٹنے کپکپا رہے تھے اور وہ بار بار بے چین نگاہیں اطراف میں دوڑاتی تھی۔

اور پھر وہ اسے نظر آ گیا۔

سامنے لکڑی کا ایک زینہ اوپر جاتا تھا۔ اس کے سرے پہ طویل ریلنگ تھی جو بالائی منزل کے کمروں کے سامنے بنی تھی۔ نیم اندھیرے میں بھی وہ اس کا ہیولہ دیکھ سکتی تھی۔

وہ ویسا ہی تھا جیسا اس نے دو ماہ پہلے دیکھا تھا۔

اس نے سیاہ لبادہ پہن رکھا تھا۔ لیدر پینٹ۔ سلک شرٹ۔ کندھوں سے پیروں تک آتا ایک چغہ یا گاؤن سا۔ اس کی گردن لمبی تھی۔ رنگت ایسی سفید تھی جس میں پیلاہٹ زیادہ تھی نہ کہ گلابی پن۔ سنہری بال (جو یقیناً ڈائی شدہ تھے) جیل سے کس کے پیچھے کو جما رکھے تھے، جس سے اس کی پیشانی چوڑی لگتی تھی۔ کسی کین ڈول کی طرح۔

وہ کہنیاں ریلنگ پہ جمائے، جھک کے اسے دیکھ رہا تھا۔ اندھیرے کے باعث وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ لیکن ایک رعب سا اس پہ طاری ہونے لگا۔

"ہیلو۔" یک دم وہ مسکرائی۔ گود میں رکھے بیگ کو مٹھیوں میں بھینچ رکھا تھا۔

"کیسی ہو، ایلا؟" اس کی آواز بھاری تھی۔ لیکن نرم۔ ہلکی۔ وہ بہت دھیرے سے بولتا تھا۔

پھر وہ سیدھا ہوا اور زینے اترنے لگا۔ اس کے جوتوں میں بلاک ہیلز لگے تھے جن کے باعث وہ زینے پہ ٹھک ٹھک کی آواز آتی۔ اس کے پیچھے کئی

تھا۔ فربہ سا وجود جو تابعداری سے سرکار کی معیت میں اتر رہا تھا۔ ایک سیاہ لبادے والی عورت۔ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ وہ فیصلہ نہ کر سکی۔

سیاہ لبادے والا دراز قد سرکار نیچے اترا اور اپنے لیے رکھی خالی کرسی پہ آن بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے اپنے لیے لبادے کو ہاتھ سے نزاکت سے سنوارا۔ وہ اس کے دونوں اطراف پھیل کے زمین پہ ٹکا۔ وہ اس کی ہیبت اور رعب میں اضافہ کر گیا۔ اس کی ہیبت اور رعب میں اضافہ ہو گیا۔

اب ایلا مدھم روشنی میں اس کا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔

وہ کم عمر نوجوان تھا۔ شاید بیس بائیس برس کا۔ اس کی عکس دھوکہ دیتی تھیں۔ آنکھیں کانچ کے جیسی تھیں۔ رنگت سفید پیلی سی۔ اور چہرے پہ ایک مسکراہٹ جو اس نے کہیں اور نہ دیکھی تھی۔ شرٹ کی آستین کلائیوں تک تھی تک تھی۔ صرف اس کے چند ہاتھ دکھائی دیتے جن میں اس نے مختلف انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ سبز نوکیلے نگینے والی انگوٹھی سب سے منفرد تھی۔

فربہ عورت اس کے عقب میں آ کھڑی ہوئی۔ اس کی گھورتی نظریں ایلا پہ جمی تھیں۔ ایلا نے تھوک نگلا۔

"ایس کے۔" وہ بدقت بول پائی۔ وہ خود کو ایس کے کہلواتا تھا۔

"ایلا۔" وہ مسکرایا اور ابرو اٹھائے۔ اس کے ابرو ہلکے بھورے تھے۔

"میں... میں بات کرنا چاہتی تھی۔"

"بات تو تم نے پچھلی دفعہ کہہ دی تھی۔" وہ کہنی کرسی کے ہتھے پہ جمائے انگلیاں تھوڑی تلے رکھے دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "جب تم ہم سے ملی تھیں۔"

ایلا نے بہت سا تھوک نگلا۔

"اس وقت میں غصے میں تھی۔ فیروز نے مجھے ... تھا۔ وہ میرا شوہر تھا۔ اور اس نے اس عورت کے لیے مجھے چھوڑا۔" اس نے سر جھٹکا۔ آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"لیکن اب میں بہتر ہوں۔ میں نے اس کے ساتھ کرنے کے لیے جو کہا..." ایلا کی پلکیں لرزیں۔ "یعنی فیروز کو تکلیف دینے کے لیے.... جاہ کرنے کے لیے ... وہ اب اب میں نہیں کرنا چاہتی مجھے۔ مجھے گلٹ ہوتا ہے۔"

وہ انگلیاں تھوڑی تلے رکھے مسکرا کے اسے دیکھے گیا۔

ایلا کی ہمت بڑھی۔ وہ اب قدرے اعتماد سے بولی۔

"میں نے آدھی پے منٹ کر دی تھی لیکن... میں چاہتی ہوں کہ ہم اس معاملے کو ختم کر دیں۔ یعنی..." اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑیں۔

"وہ میرے بچے کا باپ ہے۔ میں نے ایک کامن فرینڈ سے سنا ہے کہ وہ آج کل بیمار ہے اور ہسپتال میں ہے۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" وہ واقعی نادم تھی۔

"بس اب میں چاہتی ہوں کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔ اس کی بیماری جو بھی ہے ریورس ہو جائے۔ بات پے منٹ کی نہیں ہے لیکن کیا یہ سب ختم ہو سکتا ہے؟" اس کا حلق خشک ہو گیا۔ تھوک نگلا لیکن وہ بھی خشک حلق کو تر کرنے میں ناکامی تھا۔

اس نیم اندھیر گھر میں تپش تھی۔ اتنی تپش کہ اس کی جلد خشک ہو رہی تھی۔

"یعنی..." سرکار کو خاموش پا کے اس نے دہرایا۔ "میں نے جو کہا تھا کہ فیروز کو تکلیف ہو جیسی اس نے مجھے دی، وہ اب میں نہیں..."

"نو نو نو..." انگشت شہادت نفی میں ہلاتے ہوئے سرکار نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔

"تم نے یہ نہیں کہا تھا ایلا۔" اس کی آواز خوبصورت تھی، مدھم۔ نرم۔ ہر لفظ الگ۔ آہستہ۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

"اندرانی!" اس نے پیچھے کھڑی عورت کی طرف ہاتھ بلند کیا۔ گردن نہیں موڑی۔ آنکھیں ایلا پہ جمی تھیں۔

"کیا ایلا نے یہ کہا تھا؟"

"نہیں۔"

ایلا کی رنگت سفید ہونے لگی۔ اس نے زبان پھیری تاکہ خشک لب تر ہوں، لیکن اندر تک سب کچھ اٹل ہو رہا تھا۔

"ایس کے۔"

"میں تمہاری یادداشت کو تازہ کرتا ہوں، میری پیاری ایلا۔" اس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔ بوٹ کے زمین سے لگنے کی آواز پیدا ہوئی۔ وہ چونکتے ہوئے اٹھا۔ قدم قدم چلتا ایلا کے قریب آنے لگا۔ اس کی دھڑکن تیز ہوئی۔ اس نے گھٹنوں کی کپکپاہٹ روکنے کے لیے انہیں سختی سے ایک دوسرے سے ملایا۔

وہ ایک اسٹول کھینچ کے ایلا کے سامنے بیٹھا۔ اب وہ اس سے ایک فٹ کے فاصلے پہ تھا۔ کہنیاں گھٹنوں پہ رکھے گردن اس کی طرف جھکائے۔

"مائی ڈیئر ایلا... چچ۔" انگلیاں اٹھا کے اس نے ایلا کی ٹوپی سے نکلتے بالوں کو دھیرے سے چھوا۔

وہ ہل بھی نہیں سکی۔

"تم میرے پاس آئی تھیں۔ تم رو رہی تھیں۔ تم ہرٹ تھیں۔" وہ نرم آواز میں کہہ رہا تھا۔

وہ سانس روکے بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم فیروز کو تکلیف دینا چاہتی ہو۔"

ایلا نے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ حلق میں دب گئے تھے۔ وہ نرمی سے اس کے گال سے بال ہٹا رہا تھا۔

"تم میرے پاس آئی تھیں کیونکہ تم نے میرے بارے میں سنا تھا۔ میں وہ ہوں جو اس دنیا کا توازن درست کرتا ہوں۔ اب وہ اس کے کندھے پہ رکھے ہوئے تھا۔ جیسے کسی چھوٹے بچے کو تسلی دیتا ہو۔"

"اس دنیا میں انسانوں نے سماجی توازن بگاڑ رکھے ہیں۔ میں اس توازن کو فکس کرنے والا ایک فکسر ہوں۔ میں تمہارا انتقام ہوں ایلا۔ تم تکلیف میں تھیں اور تمہیں اپنی زندگی کا توازن درست کرنا تھا۔"

"م... میں غصے میں تھی اور..."

"اور تم نے مجھے بتایا تھا مائیکل کے بارے میں تمہارا لیبر اڈرار۔ تمہارا کتا۔ وہ کار کے آگے آ گیا تو کیونکہ فیروز نے اس کا خیال نہیں کیا۔ وہ اس عورت کے ساتھ مصروف تھا۔"

ایک آنسو ایلا کی آنکھ میں اٹک گیا لیکن اس نے اس میں نیچے گرنے کی ہمت نہیں تھی۔

"تم نے مجھے بتایا تھا کہ..." وہ بھی بنا پلک جھپکے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ "... کہ کیسے فیروز نے تمہیں اتنا مجبور کیا کہ تم نے اس سے بھیک مانگی۔ اس شادی کو بچانے کی۔ اپنے بچے کی۔ اس عورت کو چھوڑنے کی۔ اور پھر کیا کیا فیروز نے؟ اپنے الفاظ یاد کرو۔"

ایلا کے ہونٹ کپکپائے مگر ہل نہ سکے۔ وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے آگے کو جھکے ہوئے تھا۔ وہ اس کے پرفیوم کی مہک محسوس کر سکتی تھی۔

"تم نے کہا تھا... کہ فیروز نے تم سے اتنی زیادتی کی وہ بھیک منگوائی کہ جیسے... جیسے اس نے تمہیں ایک کتا بنا دیا ہو۔ مائیکل جیسا کتا۔ تم اس کے ہڈی ڈالنے کی منتظر رہتی تھیں۔ اور پھر وہ تمہیں چھوڑ کے چلا گیا۔ ہے نا؟"

آنسو ابھی تک خوف سے ایلا کی آنکھ میں جما تھا۔

"اور میں نے تم سے ایک سوال پوچھا تھا... جو میں اپنے ہر کلائنٹ سے پوچھتا ہوں۔" ایس کے نے ہاتھ ہٹا کے ایلا کی کرسی کے ایک ہتھے پہ رکھ دیا۔ وہ ایک طرف سے ٹریپ تھی۔

"کہ تمہارے دل کو کیا چاہیے؟" وہ مسکرایا۔ وہ ہر طرف سے ہی ٹریپ ہو چکی تھی۔

"اور تم نے کہا تھا ایلا کہ میں چاہتی ہوں..."

اس کی آنکھیں چمکیں۔

"کہ فیروز بھی ایک کتا بن جائے۔"

"م... میں غصے..."

"اندرانی...!" وہ سیدھا ہوا اور تحکم سے اشارہ کیا۔ اندرانی نے ایک ٹیب اس کے سامنے کیا۔ اسکرین روشن تھی۔

"فیروز کی فیملی تم سے چھپائے ہوئے ہے لیکن میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ وہ ہسپتال میں کیوں ہے؟"

ایلا نے چونک کے گردن اس طرف موڑی۔ آنسو پھسل پڑا۔

اندرانی نے اسکرین اس کے سامنے کی۔ اس پہ ایک ویڈیو چل رہی تھی۔

وہ ایک ہسپتال کا کمرہ تھا۔ ایک نیلے لباس میں موجود مریض کو دونوں طرف سے ہتھکڑیوں سے باندھ رکھا تھا۔ اور وہ سر بار بار جھٹکتا غراتا ہوا گردن نیچے کیے منہ سے آوازیں نکال رہا تھا۔ دو اسٹاف اور نرس اس کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کی آواز وہ سر نیچے کر کے غراتا وہ بھونکنے کی آواز تھی۔ کتے کے جیسے بھونکنے کی۔

ایلا برف کا مجسمہ بن گئی۔ بے یقینی سے اس نے گردن موڑی۔ وہ اسی طرح نرمی سے مسکرا رہا تھا۔

"تم نے اسے تکلیف دینے کے لیے نہیں کہا تھا میری پیاری ایلا تم نے اسے کتا بنانے کے لیے کہا تھا۔ میں نے بنا دیا۔" انگلیوں سے چٹکی بجائی۔ اندھیر گھر میں آواز گونج کے واپس پلٹی۔

"میں اپنی زبان کا پابند ہوں۔ کیا تم اپنی زبان کی پابند ہو؟"

"نہیں، نہیں..." اس نے خوف سے نفی میں سر ہلایا۔ اسکرین پہ موجود منظر کسی لوپ میں چل رہا تھا۔ ہڈیوں کا پنجر بنا فیروز۔ اس کی غیر انسانی آواز۔ اب نرس اسے انجیکشن دے رہی تھی۔ اس نے بے اختیار دونوں ہاتھ گال پہ رکھ لیے۔

"میری ایک ماں تھی ایلا۔" وہ ابھی تک اسٹول پہ بیٹھا تھا۔ ایلا سے ایک فٹ کے فاصلے پہ۔ اندرانی اسکرین بجھا کے اب پیچھے ہٹ چکی تھی۔

"ایک ظالم انسان نے اسے مجھ سے چھین لیا۔" اس نے انگلی میں پہنی سبز نگینے والی انگوٹھی گھمائی۔ "وہ میری اصلی ماں نہیں تھی لیکن اس نے مجھے سکھایا تھا کہ اس دنیا کا توازن کیسے قائم کرنا ہے۔ اور جب وہ مجھ سے دور ہو گئی تو مجھے ایک لمبا عرصہ بھاگنا پڑا۔ جانتی ہو میں کہاں گیا؟" مسکرا کے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔

آنسوؤں سے بھیگا چہرہ لیے وہ ابھی تک نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"میں — پنجاب کے ایک گاؤں میں گیا۔ اس گاؤں کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ وہاں ہر انسان کو چاہے وہ بچہ ہو یا بڑا جادو آتا ہے۔ اور وہ دنیا میں سب سے زیادہ ماہر ہیں اس جادو میں جو انسان کو جانور کے جیسا کر دیتا ہے۔ میں ایک سال اس گاؤں میں رہا۔ اور میں نے سیکھا کہ اس دنیا کا توازن واپس کیسے قائم کرنا ہے۔"

"نہیں پلیز! اس کو ریورس کر دو۔" وہ رو رہی تھی۔ اس نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیے تھے لیکن سرگوشی کی آواز وہ سن سکتی تھی۔

"ایسے جادو ریورس نہیں ہوتے۔ ان کی کاٹ نہیں ہوتی۔ یہ تمہارے دل کی مانگ تھی ایلا۔ اس کے ساتھ تم جو کی میں نہیں۔"

"میں صرف چاہتی تھی کہ وہ ایموشنل تکلیف سے گزرے۔ پلیز چینج کر دو۔ وہ میرے بچے کا باپ ہے۔"

"اور میں صرف ایک چیز میں دلچسپی رکھتا ہوں میری پیاری ایلا۔" اس نے اپنی لمبی انگلیوں سے اشارہ کیا۔ ایلا کے بیگ کی طرف۔ "تمہاری بقایا پے منٹ میں۔"

وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ آنسو زار و قطار

ALIFADAB.COM
Watermarkly

کر رہے تھے۔

"میں یہ نہیں چاہتی تھی۔"

"بے منٹ ایلا۔" جھک کے اس کے گال پہ آئے آنسو کو پونچھا۔ "ورنہ میں اپنے دل سے پوچھوں گا کہ ایلا کیا بننا چاہتی ہے؟ ایک کتا؟ یا ایک بلی؟"

اس کے آنسو رک گئے۔ سانس بھی تھم گیا۔ خوف سے ایک دم پیچھے ہوئی۔ نفی میں سر ہلایا۔

"میں میں ساتھ لائی ہوں۔" اس نے پرس میں ہاتھ ڈالا۔ ایک پھولا ہوا لفافہ نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔ اندرانی نے جھٹ وہ کھینچ لیا۔

سرکار اسی طرح مسکرایا اور چار انگلیاں ہلا کے "بائے" کہا۔

وہ بیگ پکڑے باہر کی طرف بھاگی۔ اس تپش شدہ گھر سے دور۔ ان سایوں سے دور۔ اپنے اندر اٹھتے احساس گناہ کے آتش فشاں سے دور۔ لیکن اس سے دوری ممکن نہ تھی۔

وہ خاموشی سے مسکراتے ہوئے اسے بھاگتے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے چٹکی بجائی۔ سناٹے میں چٹکی کی گونج سنائی دی۔ اندرانی اسی طرح کھڑی رہی۔ وہ چٹکی اس کے لیے نہیں تھی۔

"اس کے ساتھ چلے جاؤ۔ اس کو بار بار میرے دروازے پہ آنا ہوگا۔ اس کو مجھے Retainer (قرار، تسلسل) پہ رکھنا ہوگا۔" وہ خلا میں کسی ان دیکھی مخلوق سے تکلیف مخاطب تھا۔ پھر چغہ جھاڑ کے وہ اٹھا اور سیدھا کھڑا ہوا۔ اب کے اندرانی کی طرف چہرہ کیا تو وہ سنجیدہ تھا۔ مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔

"تم اس کے آنے سے پہلے کیا کہہ رہی تھیں؟"

اندرانی نے گہری سانس لی۔

"ایک مسئلہ ہو گیا ہے عالیان۔"

"اب کیا ہوا ہے؟" وہ ابرو اٹھا کے ناگواری سے پوچھ رہا تھا۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ تمہارا سول میٹ ہوتا ہے
تمہارا بہترین جوڑ۔
اور سب کو وہی چاہیے ہوتا ہے
لیکن دراصل
ایک سچا روح کا ساتھی ہوتا ہے
ایک آئینے کے جیسا۔
وہ تمہیں ہر وہ شے دکھاتا ہے
جو تمہیں آگے بڑھنے سے روکے ہوئے ہے۔
وہ تمہیں خود تمہاری اپنی خوبیاں دکھاتا ہے
تاکہ تم اپنی زندگی بدل سکو۔
تمہاری روح کا ساتھی
وہ سب سے اہم شخص ہوگا
جس سے تم زندگی میں ملو گے...
کیونکہ وہ تمہارے گرد کھڑی دیواریں توڑ کے
تمہیں جگائے گا۔
جھنجھوڑے گا۔
تمہاری انا کو ضرب لگا کے توڑے گا۔
تمہیں تمہاری رکاوٹیں اور بری لت دکھائے گا۔
پھر تمہارے دل کو چیر کے کھول دے گا۔
تاکہ اس میں نئی روشنی داخل ہو سکے۔
وہ تمہیں اتنا بے چین اور بے قابو کر دے گا
کہ تم جان جاؤ گے
کہ تمہیں اپنی زندگی بدلنی پڑے گی۔
لیکن
ایک روح کے ساتھی کے ساتھ ہمیشہ رہنا؟
نہیں۔
یہ بہت تکلیف دہ ہوگا۔
روح کا ساتھی تمہاری زندگی میں آتا ہے
صرف تمہیں
تمہاری شخصیت کی ایک تہہ دکھانے
اور پھر وہ تمہاری زندگی سے
نکل جاتا ہے۔
(الزبتھ گلبرٹ کی کتاب "Eat. Pray.

(ہوتا ہے ماخوذ)

ہمیں پتہ تھا وہ اسکے لائبریری نما آفس کی ایک کھڑکی کی بلی تھی۔ اس کے پار باغیچے کے پودے ہوا کے جھونکوں میں دمک رہے تھے۔ آسمان نیلا اور روشن تھا۔ شہر کے اس حصے میں آلودگی نہیں تھی۔

آفس میں اکا دکا چڑیاں چہل کر رہیں۔ ماہر اپنی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے کسی ابرو اٹھائے کچھ دیکھ رہی تھی جو کاؤچ پر براجمان تھا۔ ایک بازو پشت پہ پھیلائے ٹانگ پر ٹانگ جمائے وہ خلائی نظروں سے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔

"تم اپنے آفس میں کینڈلز نہیں رکھتیں؟"

"ماہر ہے!"

"ہمیں اس کیفیت کے ساتھ مخیلی سے بنی کینڈل جلانی چاہیے تھی جس میں ہلکا سا لیونڈر کا لوشن ہو..."

"کیا تم جانتے ہو کہ تھراپی کا پہلا اصول کیا ہے؟"

"لیکن ہم تھراپی کے بارے میں بات نہیں کر رہے۔"

ماہر فرید نے بات روک کے ابرو اٹھایا۔

پھر وہ سفاکی سے مسکرایا۔

"ناٹ فنی۔" وہ ہنسی نہیں۔ چہرہ سنجیدہ رہا۔

"یہ کہ اپنے تھیراپسٹ سے بھی جھوٹ نہیں بولتے۔"

آفس میں سناٹا چھا گیا جو شیشے کی دیوار پہ لہرایا تھا۔ بند دروازوں کے پار کسی کمرے سے ٹی وی کی آواز آ رہی تھی۔ نیوز ٹیلیکاسٹ کا میوزک۔ یقیناً کھڑکی نے نیا گھنٹہ بجایا تھا۔

"میں خود سے جھوٹ بول رہا تھا۔" اس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور سیدھا ہو کے بیٹھا۔ چہرے پہ ایک دم تکان در آئی تھی۔

"تمہیں بہت اچھی طرح معلوم تھا کہ تم کیا کہہ رہے تھے جب تم نے مجھے یہ تاثر دیا کہ تم اسے ناپسند کرتے ہو۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بچوں کے لیے خوب صورت ناول

رضیہ جمیل

نادرہ ناظر

نسیم سحر

فرزانہ سید

ہر ناول اک منگوانے کے لیے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

ALIFADAB.COM
Watermarkly

بیکر کھل کے اوسط میں لکڑی کی کول لے رہی تھی۔ اس میں اسٹیل کے برتن، کٹلری کے چمچ اور سجاوٹی کراکری کے ساتھ ایک تیز رنگ کے موٹے دانوں کی ٹرے رکھی تھی جس کے دونوں سروں سے دھاگے لٹک رہے تھے۔ جیسے کسی دیوانی کی تسبیح ہو۔

"اگر تم مجھ سے سچ نہیں کہو گے تو میں کیسے تمہاری مدد کروں گی ماہر؟" اس کا لہجہ نرم تھا۔

ماہر آگے جھکا اور کپ اٹھایا۔ اس کا شیشہ ٹھنڈا تھا۔ اس نے ڈھکن کھولا تو تازہ پیک ہوئے چائے پتی کی مہک ناک سے ٹکرائی۔

"تم اب بھی اس کی محبت میں مبتلا ہو؟"

ماہر نے ہاتھ اندر ڈال کے ایک بسکٹ نکالا۔ بسکٹ ٹھنڈا تھا۔ آدھے راستے میں ٹوٹ گیا۔

"محبت نہیں بھلائی نہیں جا سکتیں۔"

وہ ٹوٹے ہوئے بسکٹ کو دیکھنے لگا۔ پھر مٹھی میں اسے مسلنے لگا۔ یاسمین دکھائی دے رہی تھی۔

"کیا پسند تھا تمہیں اس میں؟"

"اس کا سچا ہونا۔ سیدھی بات کرنا۔ وہ پیک ڈورز استعمال نہیں کرتی تھی۔ غصہ نہیں کرتی تھی، مہربان تھی۔ اس کا ریستوران اس سے چھن گیا۔ اس نے بہت احتجاج کیا۔ اور پھر چپ چاپ واپس چلی آئی۔"

"اس میں وہ سب تھا جو تم میں نہیں تھا۔"

اس نے دانتوں سے بسکٹ کو کترا۔ چند ذرے کالر پر گرے۔ منہ میں چاکلیٹ اور میٹھے میدے کا ذائقہ گھل گیا جس میں جلا ہوا پن بھی تھا۔ وہ غالباً اوور بیکڈ تھے۔ شاید یاسمین نے خود بنائے تھے۔ یقیناً وہ کچن میں اچھی نہیں تھی۔ اسے اس کے شوہر اور بچوں پہ افسوس ہوا۔

"تم ایک کام کے معاملے میں جنونی تھے۔ غصے کے تیز انسان جو خود کو ٹھنڈا اور پرسکون رکھنا سیکھ رہا تھا۔ جو سچ نہیں بول سکتا تھا۔ وہ تمہارا اثاثہ تھی۔ [illegible] کیا تو اس نے زندگی کو پوز کر دیا۔ وہ اپنی ماں کے پاس چلی آئی۔ مگر تم اس وقت کام کرتے تھے۔ اس کی جواب کے ساتھ ساتھ اپنی سرخ عمارت پہ کام کرتے تم (اکرا الٹری) تھے اور وہ سکون بھری ہوئی زندگی کی مالک۔"

"شاید۔" اس نے سر جھکا بسکٹ میز پر رکھ دیا۔

"لیکن پھر وہ تنگ ہو گئی۔ اس کی زندگی تنگ ہو گئی۔ اس نے غلط فیصلے کیے۔ وہ سچ بولتی تھی لیکن اس نے مجھ سے جھوٹ بولے۔"

"اور تم نے اسے معاف نہیں کیا، جیسے تم نے اپنی ماں کو بھی معاف نہیں کیا۔"

"میں کون ہوتا ہوں معاف کرنے یا نہ کرنے والا۔" اس نے نفی سے سر جھکا اور پیچھے ہو کے ٹانگ پر ٹانگ جمائی۔ ناخنوں سے کاؤچ کے ہتھے رگڑنے لگا۔

"مگر تم اس کی خبر رکھتے رہے؟" وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"وقتے وقتے سے میں اس کا سوشل میڈیا دیکھتا تھا۔ مجھے معلوم تھا وہ زندگی میں کیا کر رہی ہے۔ گو کہ اس نے سوشل میڈیا پہ اپنا بیٹا نہیں دکھایا لیکن میں جانتا تھا وہ اتنی محنت اسی کے لیے کر رہی ہے۔"

"تم نے اس سے رابطے کی کوشش کی؟"

ماہر نے پھر سر کو اوپر نیچے حرکت دی۔

"بتایا تھا نا۔ شروع میں چند ایک دفعہ۔ مگر اس نے جواب نہیں دیا۔ جیسے میں کوئی برا انسان ہوں۔ پھر میری عزت نفس نے مزید رابطے کی اجازت نہیں دی۔"

"اور زارا؟ اس سے شادی کشمالہ سے انتقام ہے کیا؟"

"نہیں۔ مجھے کسی سے انتقام نہیں لینا۔ یاسمین ازارا اچھی لڑکی ہے۔ مجھے پسند کرتی ہے۔ اور میں نے ایک عرصہ مالک کو بہت ستایا ہے۔ اب میں اسے خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور خود بھی سیٹل ہونا

چاہتا ہوں۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کے فیصلہ لیا ہے۔ میں نے اسی مکان سے شانے اچکا دیے۔

"لیکن اب کشمالہ واپس آ گئی ہے۔"

وہ دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ خاموشی اردگرد سانس لیتی رہی۔

"مجھے کیا کرنا چاہیے؟" اس نے شکست تسلیم کی۔

"دیکھو ماہر! میں تمہیں یہ بتا سکتی ہوں کہ تمہیں کیا نہیں کرنا۔ مثلاً تمہیں اپنی منگیتر کو دھوکا نہیں دینا۔"

"میں ایسا آدمی نہیں ہوں۔"

"ایسا آدمی بنتے انسان کو دیر نہیں لگتی۔" اس کی آواز میں ہمیشہ تھی۔ "تمہیں یہ یاد رکھنا ہے کہ کشمالہ نے تمہیں ریجیکٹ کیا تھا۔ وہ اب بھی تمہارے لیے یہاں نہیں آئی۔ اور ہو سکتا ہے اس کی زندگی میں کوئی اور آ چکا ہو۔"

اسے اپنے جسم کے سارے اعصاب تنے ہوئے محسوس ہوئے۔ بدقت تھوک نگلا۔

"جیسے وہ اپنا بیٹا سوشل میڈیا پہ نہیں دکھاتی ویسے ہی ہو سکتا ہے کوئی اس کی زندگی میں۔ اس کی طلاق کو ایک عرصہ گزر چکا ہے۔ وہ یہاں اپنے بیٹے کے لیے آئی ہے۔ تمہارے لیے نہیں۔"

اس نے سر کو خم دیا۔

(ہو سکتا ہے اس کی زندگی میں کوئی اور موجود ہو۔) اس کے جبڑے کی رگیں تن گئیں۔

"انسان کسی کے پیچھے دیوانہ ہو کے تب بھاگتا ہے جب وہ دوسرے کی "حقیقت" بھول کے اپنی "خواہش" کو اس کی حقیقت سمجھنے لگتا ہے۔"

"یعنی؟"

"کشمالہ نے تمہیں ریجیکٹ کیا تھا اور وہ یہاں اپنے بیٹے کے لیے آئی ہے۔ یہ اس کی حقیقت ہے۔ وہ تمہیں ریجیکٹ کرنے پہ پشیمان ہے اور پھر سے کوئی رشتہ استوار کرنا چاہتی ہے یہ تمہاری خواہش ہو سکتی ہے۔ لیکن ایک عقل مند انسان دوسرے کی حقیقت ہر پل خود کو یاد دلاتا ہے۔ وہ خواہش کے بہکاوے میں نہیں آتا۔ تمہیں بھی نہیں آنا۔"

"وہ پشیمان ہو یا نہ ہو لیکن وہ کبھی بھی میری محبت میں مبتلا نہیں تھی۔"

"دیری گڈ۔ تم اس کے ساتھ ایک پروفیشنل تعلق رکھو گے۔ اور کسی بھی موقع پہ کچھ بھی ایسا نہیں کرو گے جس سے تمہاری منگیتر کو تم پہ شک ہو۔ اگر وہ کسی شک کا شکار ہوتی ہے تو تم اس کو سب کچھ سچ سچ بتاؤ گے۔ تم ہمیشہ کیونکیٹ کر کے اس معاملے کو..."

وہ نرمی سے اسے سمجھا رہی تھی۔ وہ خاموشی سے سنے گیا۔ میز پر آدھ کھایا بسکٹ اور چند ذرے چپ چاپ انہیں دیکھتے رہے۔ دور پس منظر میں نیوز بیلٹن کی بھنبھناہٹ جاری تھی۔

☆☆☆

ایلانا نامی لڑکی جا چکی تھی۔ بنا فرنیچر کے تاریک گھر خاموش رہ گیا تھا۔ چھت سے لٹکا بلب وسط میں روشنی ڈال رہا تھا یوں کہ ایک دیوار پہ ان دونوں کے سائے لمبے ہو کے پڑ رہے تھے۔

"ایک مسئلہ ہو گیا ہے، عالیان!" قریبہ سائے نے دونوں ہاتھ باہم پھنسائے۔

"اب کیا ہوا ہے؟" دراز قد سائے کی آواز میں چڑچڑا پن تھا۔ پھر وہ سایہ پلٹا اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔

اندرانی اس کے پیچھے لپکی۔

"کشمالہ پولیس اسٹیشن گئی تھی۔"

عالیان نے کچن کے دروازے کے ساتھ لگی کھونٹی سے ایک سیاہ طویل کوٹ اتارا اور پیچھے گھما کے دونوں بازو اس میں ڈالے۔

"اسے جانا ہی تھا۔" کوٹ کے بٹن سامنے سے بند کیے۔ چغہ اندر چھپ گیا۔ کھونٹی پر لٹکا مفلر اتارا اور دوسرے ہاتھ سے دروازہ کھولا۔ ٹھنڈی ہوا چہرے سے ٹکرائی۔ اس نے مفلر گردن کے گرد لپیٹا۔ کھردری اون تھوڑی کی ملائم جلد سے رگڑی۔

"وہ ماہر فرید کے ساتھ تھی۔"

ALIFADAB.COM
Watermarkly

باہر نکلتے عالیان کے قدم ٹھہرے۔ پلٹ کے اندرانی کو دیکھا۔ ابرو بھنچ گئے۔

"وہ کہاں سے آیا؟"

"وہ شاید اس کے لیے یہاں آئی ہے۔ آج کل اسی کے ساتھ نظر آتی ہے۔"

عالیان کی پیشانی کے بل گہرے ہو گئے۔ واپس پلٹا اور تیز ڈگ بھرتا ویران باغیچہ عبور کرنے لگا۔ اختتام پہ لکڑی کا ننھا گیٹ تھا جو کھلا تھا۔ باغیچے کی گھاس جل کے سیاہ ہو چکی تھی۔ کونے میں لگے واحد درخت کے زرد چرمرے پتے باڑ کے اندر اور باہر سڑک پر گرے تھے۔

"کیا وہ بدر کو تلاش کرنے میں اس کی مدد کر رہا ہے؟"

کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے عالیان اس سے چند قدم آگے چل رہا تھا۔ سڑک پر گرے اکڑے ہوئے پتے جو بارش کے پانی سے سایے کی وجہ سے بچ گئے تھے اس کے جوتوں تلے آ گئے۔ چرچراہٹ بلند ہوئی۔

"یقیناً وہ اور ہلال بدر کی وجہ سے اس کی مدد کر رہے ہوں گے۔" وہ عالیان کی رفتار سے ملنے کی ناکام کوشش کرتی انہی پتوں پر قدم رکھ رہی تھی۔ اب کی دفعہ وہ نہیں چرچرائے۔ وہ مر چکے تھے۔

"وہ کہاں سے آ گیا درمیان میں؟" مفلر سے ہونٹوں تک چہرے کو ڈھانکے ہوئے تھا سو اس کی آواز دبی دبی سی تھی۔ وہ دونوں اس سمت سے مخالف سمت میں جا رہے تھے جہاں سے ایلا آئی تھی۔

"اب ہم کیا کریں؟" اندرانی کی آواز میں اندیشہ تھا۔

"ہم وہی کریں گے جو کر رہے تھے۔" وہ بڑبڑایا۔ رات گہری تھی اور سڑک گیلی۔ چند اسٹریٹ پولز روشن تھے۔ مین روڈ ابھی دکھائی نہیں دی تھی۔ فضا میں ٹریفک کا دھواں اور سگریٹوں کی مہک تھی۔

ایک جانب چند دکانیں کھلی تھیں جن کی شیشے کی [illegible] عالیان کے قدم اس جانب بڑھ گئے البتہ اب وہ قدرے سست رو تھے۔

"اب کیا کرنا چاہیے؟" اس نے پوچھا۔ عالیان نے سپید ہاتھ اٹھایا جس کی پشت اور کلائی بالوں سے پاک تھی۔ اندرانی کی زبان تھم گئی۔ وہ خاموشی سے ایک دکان تک گیا۔ شیشے کے دروازے کا ہینڈل پکڑ کے دھکیلا۔ وہ ٹھنڈا تھا۔

البتہ دکان اندر سے گرم تھی۔ تیز پینٹ اور کسی کے تیل کی بو نتھنوں سے ٹکرائی۔ عالیان نے ناگواری سے ناک سکوڑی۔

ایک دیوار کے ساتھ شیلفس بچھی تھیں۔ ایک اونچی سیڑھی۔ پینٹ کی بالٹیاں۔ نیلا جینز سوٹ اور دستانے پہنے پینٹ کرتا آدمی۔ ان دونوں کو دیکھ کے چہرہ موڑا۔ بے زاری سے برش رکھا اور دستانے اتارتا ہوا اس طرف آیا۔

"ہم ایک خط لکھیں گے۔" عالیان نے آگے بڑھتے ہوئے کندھے ٹیڑھے کیے تاکہ گیلی دیوار سے سیاہ کوٹ ٹکرا نہ جائے۔

"کس کو؟" اندرانی اپنے خیال میں آگے بڑھی۔ اس کے کوٹ کے کندھے دیوار سے مس ہوئے۔ سفید چونا اپنا نشان چھوڑ گیا۔ قریب آتے دکان دار نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

"زیاد سلطان کو۔" وہ سافٹ ڈرنکس سے بھرے فریج کا دروازہ کھولے جھکا۔ گردن دائیں بائیں موڑی۔ نگاہیں مختلف حصوں میں رکھے رنگ برنگے [illegible] دوڑائیں۔

"زیاد کو؟ کیوں؟" وہ تعجب سے اسے دیکھ رہی تھی۔ عالیان نے بازو لمبا کر کے ایک سرخ کین نکالا اور واپس سیدھا ہوا۔ پھر کاؤنٹر پہ جا کے کین رکھا۔

"ہمیں اس کو جیل سے نکالنا ہے۔ وہ جب تک گیم میں واپس نہیں آئے گا ہمیں مزہ نہیں آئے گا۔"

مفلر سے دبی آواز میں کہتے عالیان نے جیب میں ہاتھ ڈال کے باہر نکالا تو اس میں ایک نوٹ تھا۔ دکان دار نے نوٹ پکڑا تو اس نے دیکھا اس کے ہاتھ پینٹ میں لتھڑے تھے۔ داستانوں کے باوجود بھی۔

"شاپنگ بیگ چاہیے؟" دکان دار نے بل چیک کرتے ہوئے نگاہ اٹھا کے اس دراز قد نوجوان کو دیکھا۔

"تمہیں انوائرمنٹ کا خیال نہیں ہے کیا؟" درشتی سے کہتے ہوئے کین اس کے ہاتھ سے لیا۔ دکان دار نے شانے اچکائے اور دراز کھولا۔ سکے کھنکنے کی آواز آئی۔ دو انگلیوں سے چند سکے نکالے اور عالیان کی مٹھی پر رکھے۔

"مگر خط کی کیا ضرورت..."

"ہم خط میں اسے بتائیں گے کہ اس کا بیٹا ہمارے پاس ہے۔" وہ سکے انگوٹھیوں والے ہاتھ سے جیب میں ڈالتے ہوئے پلٹا۔ پھر کین کا ڈھکن کھینچ کے کھولا۔

"مگر ایسے تو..."

"وقت کم ہے میرے پاس۔"

مفلر دو انگلیوں سے نیچے کیا۔ ہونٹ واضح ہوئے۔ اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کین لبوں سے لگایا۔ میٹھا اسپارکلنگ سا انرجی ڈرنک گلے میں اترا اور جیسے کانوں اور ناک تک میں جا گھسا۔

"مگر ہمیں ایسے نہیں کرنا تھا۔ [illegible] کا وقت..." وہ الجھی ہوئی اس کے پیچھے لپکی۔ وہ باہر جا رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا نے ان کا استقبال کیا اور پینٹ سے بھری دکان اور مٹی کے تیل کی بو زائل ہونے لگی۔

"میں بہتر کر رہا ہوں، اندرانی ڈیئر۔" دکان کے باہر کھڑے کھڑے اس نے چند گھونٹ بھرے۔

وہ اچنبھے سے اسے دیکھنے لگی۔ لب بھینچ لیے۔ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔

"اس نے پولیس سے کیا کہا؟" کچھ سوچتے ہوئے اس نے کین نیچے کیا۔ وہ دکان کے سامنے رکے کھڑے تھے۔ شیشے کا دروازہ بند ہو چکا تھا اور اس کے پار دکان دار دستانے چڑھائے سیڑھی کی طرف واپس جا رہا تھا۔

"وہ سب کچھ جو وہ اتنے عرصے سے کہتی آئی ہے۔ کہ وہ لڑکی اس کے بچے کی نہیں تھی اور..."

"کاٹن کینڈی مین... کیا اس نے اس کا ذکر کیا؟"

اندرانی نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔

"شاید اسے وہ واقعہ بھول گیا ہو۔"

"بھولنا نہیں چاہیے۔ اسے یاد ہونا چاہیے۔" پھر رکا اور غور سے اندرانی کو دیکھا۔ "تمہیں یقین ہے نا کہ وہ نہیں جانتی کہ بدر کو کاٹن کینڈی کس نے دی تھی؟"

"نہیں۔ وہ نہیں جانتی۔ اس نے نہیں دیکھا۔"

"وہاں کسی اور نے بھی انہیں نہیں کیا ہوگا۔" اس نے کین ٹریش کین میں اچھال دیا۔

"کیا بھی ہو تو اتنی پرانی بات کسے یاد رہے گی۔ سی سی ٹی وی فوٹیج ویسے ہی مٹائی جا چکی ہے۔"

"ہم زیاد کو ایک خط لکھیں گے۔" اب کے وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔ چہرے کے تنے ہوئے پٹھے نرم پڑے۔

"مگر کیوں عالیان؟"

"تاکہ ہم اسے بتا سکیں کہ اس کے بیٹے کو کاٹن کینڈی کس نے دی تھی۔"

"ہیں؟" اندرانی نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ وہ آگے بڑھ گیا تو وہ چند لمحے پریشان سی کھڑی رہی۔ پھر اس کے پیچھے لپکی۔

"پاگل ہو گئے ہو؟ ہم اسے کیسے یہ کہہ سکتے ہیں؟"

وہ دونوں تاریکی میں آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ آوازیں مدھم پڑ گئی تھیں۔

اندر برش اٹھاتے دکان دار نے پلٹ کے شیشے کے پار دیکھا۔ وہ دونوں اب دور جا رہے تھے۔ اس نے واپس اپنے پینٹ اور برشز کو دیکھا۔

چند لمحے پہلے تک وہ باقی ماندہ دونوں دیواریں صبح سے پہلے تک پینٹ کرنے کے لیے پرجوش تھا۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

لیکن اب ... دکان میں ایک عجیب سی یاسیت چھا گئی تھی۔ اس کی توانائی اور جوش ایک دم ماند پڑ گیا تھا۔ وہ کس کے لیے کر رہا تھا یہ سب؟ اس کے تو بچے بھی نہیں تھے۔ اور اس کا قرضہ جو ادا ہونا تھا۔ اور کاموں کی ایک طویل فہرست جو ذہن کو بوجھل کیے ہوئے تھی۔ کیا فائدہ ابھی برش کرنے کا؟ سوکھنے میں کئی گھنٹے لگنے ہی تھے۔ وہ کل کر لے گا۔ کون سا دکان کی شکل بدلنے سے سیلز بڑھ جائیں گی۔ اس کے تو بچے بھی نہیں تھے۔ کس کے لیے کرے یہ سب؟

اس نے بے دلی سے برش رکھ دیا۔

☆☆☆

شمالی امریکہ میں جیل کا دوسرا نام کریکشنل فیسلٹی (اصلاحی ادارہ) تھا کیونکہ امریکیوں کو گمان تھا کہ صرف اچھی اصطلاحوں کے استعمال سے دنیا بدلی جا سکتی تھی۔

ایسے ہی ایک اصلاحی ادارے کا وہ سرمئی سفید دیواروں والا کمرہ تھا جس میں دو طرف شیشے کے دروازے لگے تھے۔ اور فاصلے فاصلے پہ چند سرمئی میزیں بچھی تھیں۔ ہر میز پہ آمنے سامنے دو افراد بیٹھے تھے۔ ایک فرد قیدیوں والا جمپ سوٹ پہنے۔ اور دوسرا آزاد انسانوں کے لباس میں ملبوس۔ فضا میں باتوں کی بھنبھناہٹ اور لانڈری ڈٹرجنٹ سے لگے موپ کی مہک تھی۔

زیاد سلطان ایک کونے میں رکھی میز پہ بیٹھا تھا۔ سامنے پریشان ادھیڑ عمر وکیل ناک پہ عینک پیچھے دھکیلتے ہوئے چند کاغذ الٹ پلٹ کر رہا تھا۔

"اگر تم آج بھی اس ڈیل کو قبول کر لو تو دو ہفتے میں تم باہر ہو گے۔"

اس نے کہتے ہوئے چہرہ اٹھا کے زیاد کو دیکھا۔ زیاد کے بال اب چھوٹے کٹے تھے۔ آنکھ تلے نیل کا نشان زرد ہو چکا تھا۔ آدھی آستینوں سے نکلتے بازو تنومند تھے۔ البتہ چہرہ سپاٹ تھا۔

"میں چھ ماہ میں ویسے بھی باہر ہوں گا۔" زیاد نے [illegible] کے اندر جانے [illegible] دیکھا۔ ایک میز خالی تھی۔ اس پہ بیٹھا ملاقاتی متلاشی نگاہوں سے شیشے کے دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا قیدی نہیں تھا۔

"تمہارے پاس ایک چانس ہے یہاں سے جلد نکلنے کا۔"

"مجھے نکلنے کی کوئی تمنا نہیں ہے۔ میں سکون سے اپنی کتاب لکھ رہا ہوں اور اپنے گناہوں کی معافی بھگت رہا ہوں۔" وہ لاپروائی سے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ پیچھے رکھی میز دھکیل کے ایک تنومند آدمی نکلا اور بڑبڑاتا ہوا ان کے قریب سے گزرا۔ اس کے جسم سے باسی پسینے کی بدبو لہر کی صورت اٹھی اور ان کی میز تک آئی۔ وکیل نے ناک سکوڑی۔

"تمہارا سکون میں دیکھ رہا ہوں۔" وکیل نے ابرو سے اس کی نیلگوں آنکھ کی جانب اشارہ کیا۔ زیاد نے پھر سے شانے اچکائے۔

"اگر میں کسی کے خلاف مخبر بن کے باہر نکلا تو دو دن میں وہ لوگ مجھے مار دیں گے۔ میں باہر نکل کے اپنی زندگی بنانا چاہتا ہوں، دوبارہ ان کاموں میں..." زیاد ٹھہر گیا۔ وکیل نے کوٹ کا بٹن کھولا۔ اور اس کے اندر ہاتھ ڈالا۔ کوٹ کھلنے سے کسی سستے کولون اور آفٹر شیو کی ملی جلی مہک باہر کی طرف آئی۔ جیل کی اس ساکن بند ہوا میں وہ مزید ناگوار گزری۔

"مجھے صبح یہ ای میل موصول ہوئی ہے۔" وہ پرنٹ شدہ کاغذ اس کے سامنے رکھے۔ پھر نگاہ اٹھا کے قریب کھڑے گارڈ کو دیکھا جس سے وہ پہلے اجازت لے چکا تھا۔ گارڈ نے اثبات میں آنکھوں کو جھکایا۔

زیاد نے دو انگلیوں سے کاغذ کا کنارہ چھوا اور اسے ترچھا کیا۔ اب وہ اس پر چھپے الفاظ پڑھ سکتا تھا۔

"تمہارا بیٹا میرے پاس ہے۔ جلد باہر آؤ اور وہ کرو جو میں تم سے چاہتا ہوں۔ کیونکہ تمہارے بیٹے کے پاس وقت کم ہے۔

دی کائن کینڈی مین۔"

زیاد نے اگلا صفحہ پلٹنا چاہا۔ وہ پچھلے کاغذ سے چپکا رہ گیا تھا۔ وہ انگشت شہادت لبوں تک لے گیا۔ تھوک سے اسے گیلا کیا اور پھر سے صفحہ پلٹا تو وکیل نے دیکھا اس کے ہاتھ میں لرزش تھی۔

دوسرے صفحے پر ایک پرنٹ شدہ تصویر تھی۔ ایک مدھم سی تصویر۔ بیڈ پر آنکھیں موندے لیٹا بچہ۔ ساتھ لگی آئی وی لائن اور ڈرپ۔ اور بچے کے سینے پر رکھا ایک روز پہلے کا اخبار۔ حریت نیوز۔

اس نے چونک کر نگاہیں اٹھائیں۔ وکیل ان کی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہمیں یہ پولیس کو دینا چاہیے؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمہارا بیٹا زندہ ہے۔"

زیاد نے کچھ نہیں کہا۔ وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ بے تاثر نہیں تھا۔ وہاں عرصے بعد کوئی تاثر دکھائی دیا تھا۔ اگلے لمحے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا شیشے کے دروازے کے سامنے جا کھڑا ہوا اور ہتھی بجائی۔ گارڈ نے دروازہ کھول دیا۔ پیچھے سے وکیل افسوس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن وہ نہیں سن رہا تھا۔

کائن کینڈی مین... کائن کینڈی مین....

ایک لمحے میں وہ جان گیا تھا کہ یہ ای میل کس کی طرف سے آئی تھی۔

☆☆☆

صبح کا سورج ابھی بادلوں کے پیچھے چھپا رنگ برنگی عمارتوں سے بنے "بلت" کے علاقے کو سرمئی سائے میں کھڑے دیکھ رہا تھا۔ مالا کے اسٹوڈیو اپارٹمنٹ کے لونگ روم جمع کچن کی بتیاں روشن تھیں۔ وہ نائٹ سوٹ میں ملبوس کھڑی الیکٹرک کیتل میں پانی ڈال رہی تھی۔ بال چھوٹی پونی میں بندھے تھے اور آنکھیں ابھی تک نیند سے بھری تھیں جب موبائل بجا۔

کیتل کا بٹن آن کر کے وہ لونگ روم کے واحد تھری سیٹر تک آئی۔ کشن ادھر ادھر کیا۔ پہلے ریموٹ برآمد ہوا جو کل بہت تلاش کرنے پہ بھی نہیں ملا تھا۔ پھر گدیوں کے درمیان میں پھنسا موبائل نکلا جو تھرتھرا رہا تھا۔ اسکرین پہ روشن نام دیکھ کے گہری سانس لی۔

"ہیلو؟"

"تمہاری ہیریٹل سے بات ہوئی ہے؟" ماہر کی آواز سے وہ اس کی کیفیت کا اندازہ نہیں کر پائی۔ وہ خفا تھا یا تھکا ہوا؟

"نہیں۔" وہ تھم گئی۔ "کیا وہ رات بھر گھر نہیں آیا؟"

گزشتہ شام آفس میں ہونے والا واقعہ اس کی یادداشت میں تازہ تھا۔

"کہا تھا نا۔ اس کو صدمے کو پروسیس کرنا نہیں آتا۔" وہ اب اس کا لہجہ پڑھ سکتی تھی۔ جھنجھلاہٹ۔ دبا دبا غصہ۔ اور فکرمندی کا سا۔

"کیا اس نے کوئی میسج وغیرہ..."

"کچھ کاغذات ہیں جو چیکنگ نے تم سے سائن کروانے کے لیے کہا ہے تاکہ درخواست پہ کام شروع ہو۔" اس نے سنا ہی نہیں۔

"مجھے پولیس اسٹیشن جانا ہوگا؟"

"نہیں۔ وہ مجھے بھیج دے گا۔ میں بلت سے ہوتا ہوا آفس جاؤں گا۔"

وہ پوچھنے لگی کہ اگر اسے لمبا چکر پڑنا ہے تو وہ پولیس اسٹیشن جا سکتی تھی۔ لیکن ماہر نے کال کاٹ دی۔ اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ پھر بڑبڑ کی آواز پہ چونکی۔ کیتل میں رکھے پانی میں بلبلے ابھر ابھر کے چھلانگیں لگا رہے تھے۔ وہ بھاگ کے آگے آئی اور جلدی سے بٹن بند کیا۔

بلبلے تھم گئے اور دھیرے دھیرے مرتے گئے۔

وہ کہاں رہتا تھا جو بلت اسے راستے میں پڑتا تھا؟ انسٹنٹ کافی پانی میں گھولتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

ماہر نے موبائل کان سے ہٹا کے نیچے کیا۔ وہ لاؤنج کے سیاہ طویل صوفے پر بیٹھا تھا۔ اونچے سیاہ

ALIFADAB.COM
Watermarkly

سفید پردے کھڑکیوں کے آگے برابر تھے۔ اسی پل لونا (ہلال کا گائیڈ ڈوگ) کمرے سے بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ اسے دیکھ کے ٹھہر گئی۔ پہلے دم ہلائی۔ پھر اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی یہاں تک کہ اس نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھ نہ لیا۔ مگر ماہر کی نگاہ کی سنجیدگی پہ لونا کے کندھے ڈھیلے ہوئے۔ پھر گردن گھما کے بیرمل کے کمرے کے ادھ کھلے دروازے کو دیکھا۔

"وہ نہیں آیا۔" ماہر نے قدرے بے زاری سے پکارا۔ مگر بھوری سنہری لونا دم ہلاتی بیرمل کے دروازے کی درز سے اندر گھس گئی۔ ماہر نے پلٹ کے دیکھا۔ اب وہ باری باری ہر شے کو سونگھ رہی تھی۔ اس نے سر جھٹکا اور موبائل اسکرین روشن کی۔ چلیز کا نیا میسج آیا تھا۔

"چند کاغذات پر سائن کروانے ہیں۔ کشمالہ کے۔"

"مجھے بھیج دو۔ کروا دوں گا۔"

"اس کے ایڈریس پہ بھیجنا بہتر ہے۔"

"کہا نا مجھے بھیج دو۔"

"کیا وہ تمہارے ایڈریس پہ رہ رہی ہے؟" باقی گفتگو مالا کی کال سے پہلے ہوئی تھی۔ یہ آخری میسج کال کے دوران موصول ہوا تھا۔ اس کی انگلیاں ٹائپ کرنے لگیں۔

"ہاں۔ وہ یہیں ہے۔"

"آپ اپ سیٹ ہیں؟"

آہٹ پہ وہ چونکا۔ گردن پھر سے موڑی۔ لونا اب بیرمل کے بیڈ پر جا کے لمبی لیٹ گئی تھی۔ اور ہلال پیچھے کھڑی تھی۔ نائٹ سوٹ میں ملبوس اس کے لمبے گھنگریالے بال کمر پر گر رہے تھے۔ وہ بنا کسی چھڑی سے چلتی ہوئی سامنے خلا میں دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ ہر قدم کو پہچان تھی کہ وہ کہاں پڑے گا۔ صوفے کے کنارے وہ رکی۔ ہاتھ سے اسے ٹٹولا۔ اس کا سپید گاؤن چرمر نہیں ہو سکتا تھا۔

"[illegible] بیرمل بھائی گھر نہیں آیا؟" وہ رک رک کے سوچتی ہوئی بول رہی تھی۔

"وہ کچھ وقت گھر نہیں آئے گا۔ اسے..." وہ رکا۔ "اسے مالک کے بارے میں علم ہو گیا ہے۔"

"اوہ۔" ہلال کے ہونٹ گول ہوئے۔ [illegible] کے تاثرات دوسرے انسانوں کی نسبت مدھم ہوتے تھے۔ وہ حیران تھی یا افسردہ وہ فیصلہ نہ کر سکا۔

"اس کو مت بتانا کہ تم جانتی تھیں۔ وہ اپ سیٹ ہوگا۔" وہ جانتا تھا کہ وہ جانتی تھی۔ وہ ہلال سے کچھ چھپا نہیں سکتا تھا۔ مگر ہلال سب کچھ سمجھ سکتی تھی۔

"آپ اپ سیٹ ہونے کے ساتھ ساتھ..." وہ رکی۔ آنکھیں کسی سوچ سے پھیلی ہوئیں۔ وہ اس کے کندھوں کے عین پیچھے [illegible] تھی۔ دھیرے سے قریب آئی۔ پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ سر جھکائے موبائل کو دیکھ رہا تھا۔

"پریشان بھی ہیں۔ جیسے کسی نے... آپ کا کچھ کرتے دیکھ لیا ہو۔" وہ جیسے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ ماہر نے سر جھٹکا۔

"کچھ نہیں۔ زیادہ نہ سوچا کرو۔ میں آفس کے لیے تیار ہونے جا رہا ہوں۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید اس پر پڑھنے لگ جائے۔

"کیا میں مالا سے مل سکتی ہوں؟"

وہ جو اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا وہیں ٹھہر گیا۔ میز سے چند قدم کے فاصلے پر۔

"وہ صرف اپنے بیٹے کو ڈھونڈنے آئی ہے۔ اس لیے یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم اسے اپنے گھر اور معاملات سے دور رکھیں؟" سختی سے کہا تھا۔

"اس کا نام بدر ہے۔" وہ پیچھے سے پکارا۔ ماہر آگے بڑھتا گیا۔

"آپ اس کا نام کیوں نہیں لیتے؟" وہ دھیمی آواز میں پوچھ رہی تھی۔ ماہر نے ان سنا کر دیا۔ اب کمرے کا دروازہ بند کر چکا تھا۔ صبح کی روشنی [illegible]

بھر اندھیر لاؤنج ویران رہ گیا۔

لونا ابھی تک اداس سی بیرمل کے بستر پر لیٹی تھی۔

اس کی دم مسلسل ہل رہی تھی۔ دائیں بائیں۔ دائیں بائیں۔

ان سے کئی میل دور اپنے آفس میں بیٹھے چلیز نے ریسیور اٹھا کے ایک بٹن دبایا۔ "وہ کاغذ ماہر بے کے گھر بھیج دو۔" "رک کے بات سنی۔ "نہیں کشمالہ خانم وہاں نہیں رہتیں لیکن ماہر بے ہمیں نہیں بتانا چاہتے کہ وہ کہاں رہتی ہیں۔" رک کے گہری سانس لی۔ "کیا مطلب کیوں؟ کیا تمہیں سمجھ میں نہیں آیا؟ وہ ابھی تک خود کو اس کا محافظ سمجھتا ہے۔" افسوس سے سر جھٹک کے ریسیور رکھا اور جمائی روکی۔ رات سے کسی دوسرے کیس کی وجہ سے تھانے میں تھا اور اب گھر جا کے آرام کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

سورج بالآخر بادلوں سے چھائے بادلوں کی درز سے جھانکنے لگا تھا۔ رنگ برنگی عمارتوں کے درمیان گلیوں میں رونق جاگ گئی تھی۔

نارنجی اسکوٹر والے کیفے میں رش لگا تھا۔ باہر بچھی نارنجی میز کرسیاں بھی بھری ہوئی تھیں۔ کیفے دو گلیوں کے دہانے پہ تھا جو دائیں بائیں سے "وی" کی صورت میں اوپر جاتیں۔ سامنے سڑک تھی جو ڈھلان کی صورت نیچے جاتی۔ سڑک کے اختتام پہ سمندر تھا۔ کیفے کی کرسی پر بیٹھے دیکھو تو یوں لگتا سڑک نیچے سمندر میں گم ہو رہی ہے۔

لیکن اس میز پہ بیٹھی ان دونوں لڑکیوں کے پاس سر اٹھا کے دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔

مالا سر جھکائے آئی پیڈ پر انگلیاں چلا رہی تھی۔ کھلے بال کانوں کے پیچھے اڑس کے چہرے پر آنے سے روک رکھے تھے۔ ساتھ بیٹھی سنبل لیپ ٹاپ میز پر رکھے انگلیاں تیز تیز چلا رہی تھی۔ وہ ایک مقامی فوٹوگرافر تھی جس کے ساتھ وہ استنبول میں کولیب کرتی تھی۔ سیاہ بالوں کی اونچی پونی بنائے، سیاہ جیکٹ پہنے وہ موٹر سائیکل چلاتی تھی۔ ہیلمٹ خالی کرسی پر رکھا تھا۔ اور میز پر دو کافی کپ جن کے ڈھکن لگے تھے رکھے تھے۔ اور ادھ کھائے کروسنٹ۔

"کتنا مشکل ایونٹ تھا یہ۔" دفعتاً سنبل نے جھرجھری لی۔ مالا نے چہرہ اٹھایا۔ پھر گردن آگے جھکا کے سنبل کی اسکرین کو دیکھا۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔

"اونہوں، سنبل!"

"ایونٹ مشکل نہیں تھا؟"

"گریڈنگ ایسے مت کرو۔ دلہن کی اسکن ٹون یا میک اپ کا رنگ نہیں بدلنا چاہیے۔ دیکھو یہاں..." اس نے انگلی سے اسکرین کو چھوا۔ "اس کی لپ اسٹک کا رنگ بدل گیا ہے۔"

سنبل نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ "ہر فوٹوگرافر کے اپنے رنگ ہوتے ہیں مالا! یہ میرے رنگ ہیں۔"

"لیکن وہ میری کلائنٹ ہے اور مجھے سختی سے اسی بات کی تاکید کر چکی ہے۔" نرمی سے مسکرا کے یاد دلایا۔ سنبل نے گہری سانس لے کر سر ہلا دیا۔ انگلی کو سر پر تیز تیز گھمانے لگی۔

"سنو یہ شاٹ کیسا ہے؟ انسٹا پہ پوسٹ کرنے کے لیے؟" مالا نے آئی پیڈ اس کے سامنے کیا۔ وہ کافی دیر سے ایونٹ کی تصویروں میں سے منفرد اور چونکا دینے والے زاویے ڈھونڈ رہی تھی جو پوسٹ کیے جا سکیں۔

"بہترین۔" وہ جھجکی۔ "آپ شادیاں کیوں کور کرتی ہیں؟ ان میں کوئی آرٹ کوئی الوژن نہیں ہے۔" اس کا انداز شکایتی بھی تھا اور مایوسانہ بھی۔

"شادی ہی تو سب سے بڑا الوژن ہے۔" مسکرا کے سر جھٹکا۔ "اور مجھے بلز بھی پے کرنے ہوتے ہیں، سنبل۔ پھر اس کلائنٹ کو اکتوبر کے سرمئی موسم میں شادی کر کے اسے بہار کا رنگ دینا تھا۔ کیونکہ دلہن کو اسپرنگ ویڈنگ چاہیے تھی۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

ALIFADAB.COM
Watermarkly

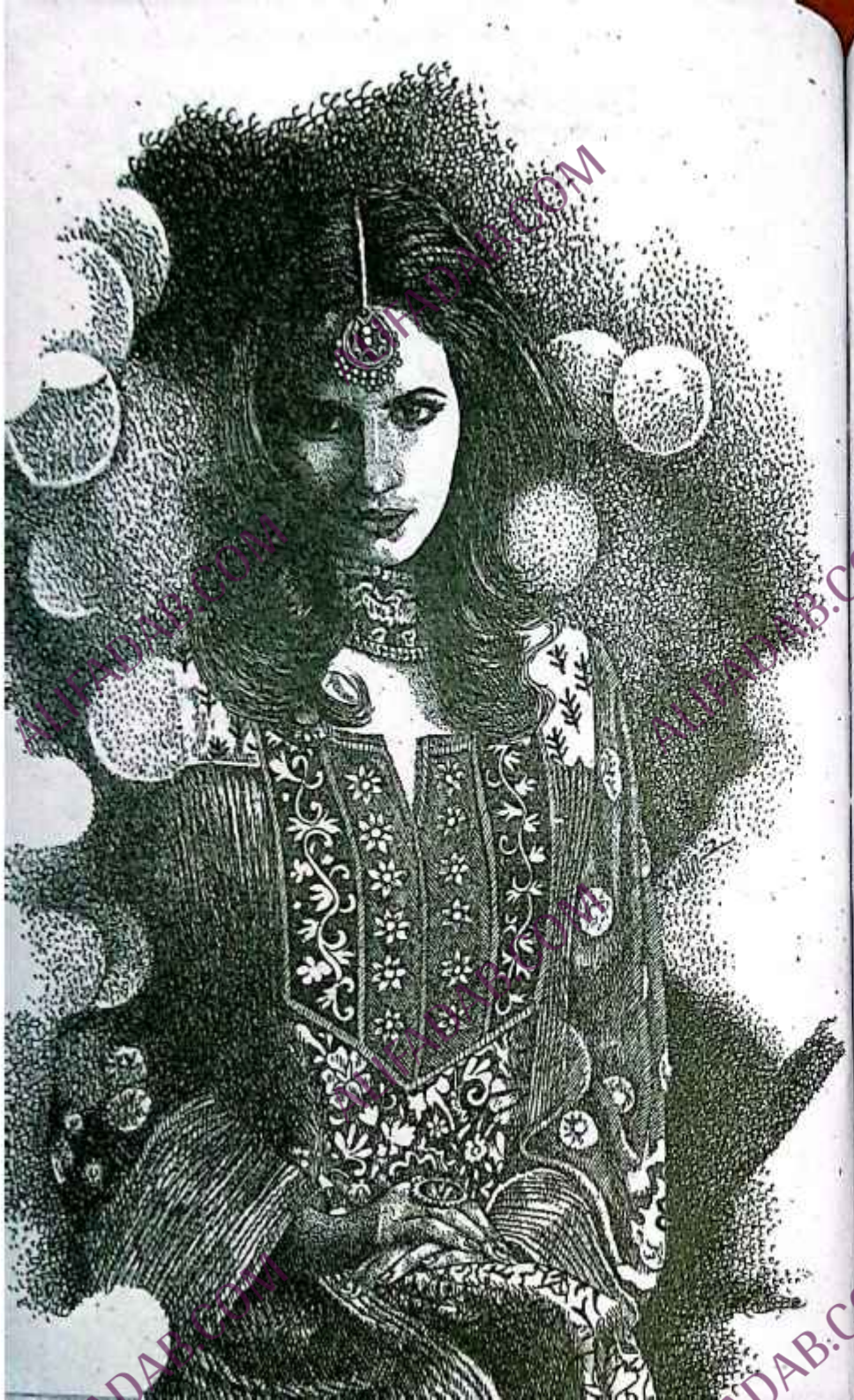

سمیرا حمید

پردیسی

مکمل ناول

دوسری قسط

اجالا گاؤں میں رہنے والی ایک سادہ مزاج ہنس مکھ سی لڑکی ہے۔ اجالا کے والدین تایا کے ساتھ مل کر رہتے ہیں۔ تایا کی بیٹی کی شادی میں ان کے دوست اپنی بہن اور بھانجے کے ہمراہ شریک ہوتے ہیں۔ شادی کے دوران اجالا کے لیے اپنے بھانجے شہریار کا رشتہ دیتے ہیں۔ اجالا کی پھوپھی اپنے بیٹے کی خواہش پر اسے بہو بنانا چاہتی ہیں۔

شادی کے بعد ماں بیٹا پہلے جبکہ کچھ عرصے بعد اجالا اکیلے امریکہ روانہ ہوتی ہے۔

سارہ اجالا کی نند ہے اسے اچانک گھر میں دیکھ کر حیران ہو جاتی ہے۔ آنٹی اسے سارے گھر کا کام سمجھا دیتی ہیں۔ ایک دن شہریار اسے باہر لے جاتا ہے۔ شاپنگ اور ڈنر کرواتا ہے اس کے بال کٹوا دیتا ہے اور اسے ایک اسٹور پر جاب کے لیے کہتا ہے۔ اجالا کے احتجاج پر تشدد کرتا ہے، وہ اسے سمجھاتا ہے کہ یہاں سب کام کرتے ہیں تو گزارہ ہوتا ہے۔ سارہ اجالا سے ناراض ہے کہ وہ کیوں چپ چاپ ظلم سہہ رہی ہے۔

یہ جھوٹ ہے وہ کہتا جو اس سے ڈرتا۔ وہ مکمل طور پر اس کی دسترس میں تھی۔ وہ مخلوق کی اس قسم میں سے ہو چکی تھی جسے پوری طرح سے قید کر کے آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کے ماں باپ بہت دور تھے۔ کون آتا، کیا پوچھتا، وہ کس سے ڈرتا۔ اس کا گریبان کون پکڑتا۔

"آپ نے مجھے بتایا نہیں....."

اس نے شانے اچکا دیے۔ "ممی نے منع کیا تھا۔"

اس نے گہرا سانس لیا۔ بڑی ہمت کر کے اس نے گھر فون کیا کہ مجھے کال کریں۔ فوراً گھر سے فون آیا۔ اس نے بڑی مشکل سے کچھ لفظ جوڑے اور ماں سے پوچھا۔

"اماں! آنٹی نے شہریار کی کسی منگنی کے بارے میں آپ کو بتایا تھا..... یا پھر تایا جی کو؟"

اماں کو سانپ سونگھ گیا۔ "شہریار کی پہلے کوئی منگنی بھی ہوئی تھی؟"

[illegible] رہے [illegible]، جہاں منگنی کا ٹوٹنا شادی ٹوٹنے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ وہاں بات پکی نکاح پکا ہوتا ہے۔ لوگ زبان دیتے ہیں اور پھر پیچھے نہیں ہٹتے۔ اماں ایک دم سے بوکھلا کر رہ گئیں۔ اس نے اماں کو کیسے بھی کر کے بہلا دیا لیکن اس سے اپنا دل نہیں بہلایا گیا۔ نہ جانے کون سی چیز ہوتی ہے جو اتنا زیادہ دکھ دیتی ہے۔ سچ کا چھپایا جانا یا پھر سچ کا نکل کر سامنے آ جانا۔ ان کے گاؤں کی ایک لڑکی کے ساتھ ایسا ہوا تھا۔ شادی کے چند ماہ بعد اسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے شوہر کی دوسری بیوی ہے۔ وہ ایک کر کے چھوڑ چکا ہے۔ شوہر نے معافی تلافی کی اس نے معاف بھی کر دیا لیکن اس کی محبت کا مان ٹوٹ گیا تھا۔ وہ ایسی بیمار ہوئی کہ ایک عرصے تک نہیں سنبھلی۔

اجالا بھی اندر تک خاموش ہو گئی۔ نا معلوم کب سنبھلے گی۔

آنٹی فون پر صبیحہ خالہ سے لڑ رہی تھیں کہ [illegible]

ALIFADAB.COM
Watermarkly

جھوٹے مکار لوگ ہو، میری بہو کو میرے خلاف بھڑکا دیا دوبارہ اپنی منحوس شکلیں نہ دکھانا۔ نہ میرے گھر آنا نہ مجھے اپنے گھر بلانا۔ کافی دیر تک بولتی رہیں۔ آنٹی ایسے لڑ رہی تھیں جیسے بہو میں واقعی اتنا دم تھا کہ وہ اپنی ساس کے خلاف بھڑک کر کچھ کر سکتی۔

☆☆☆

"تم پاکستانی ہو؟"

ایک دن جاب سے واپسی پر وہ ایک اسٹور پر رک گئی۔ دراصل وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ یہاں سے فون ہو جائے گا۔ کاؤنٹر پر کھڑی لڑکی اسے دیکھنے لگی۔ وہ مسکرا کر اس کی طرف بڑھی۔

"یہاں فون ہے؟"

"ہاں ہے" جواب اردو میں آیا۔

"نہیں ـــ ہندوستانی ـــ بلبل ـــ"

"ہندوستانی بلبل؟" وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

"میرا نام ہے بلبل ـــ اور تمہارا نام؟"

"میں پاکستان سے ہوں ـــ اجالا ـــ"

"پاکستان کا اجالا ـــ یہاں آ کر پیچھے اندھیرا چھوڑ آئی ہو گی۔" سنجیدگی سے کہا اور پھر دونوں ہنسنے لگیں۔

"کچھ چاہیے؟" اس نے اشارے سے دکان نما اسٹور کی طرف اشارہ کیا۔

"بس فون ہی چاہیے ـــ پاکستان کال کرنی ہے۔"

"فون ہے لیکن استعمال نہیں کر سکتے۔ ایک بار میں نے غلطی سے گھر کال کر لی تھی بس نہ پوچھو بڈھے نے ڈھیل پیسے بھروا لیے تھے مجھ سے ـــ"

وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ شکل اتر گئی تھی۔

"تمہارے پاس کارڈ ہے؟"

اس نے بڑی بے چارگی سے سانس بھرا۔

"کارڈ ہی تو نہیں ہے ورنہ فون بوتھ سے کر لیتی۔"

"پیسے ہیں؟ کارڈ لے لو ـــ"

"پیسے ہیں لیکن بہت کم اتنے میں کارڈ نہیں آتا ـــ"

"تو تم یہاں کس چکر میں آ گئیں؟" اس کے شانے پر دوستانہ ہاتھ رکھا۔

وہ خاموش ہو گئی۔ پھر زیر لب ہنس دی۔

"ہمارے گاؤں میں ایک ہی دکان تھی ـــ بابے کی تھی ـــ بابا ہر چیز میں ادھار کر لیتا تھا کبھی انکار نہیں کیا تھا۔"

"تم نے اسے چاچے بابے کی دکان سمجھا تھا؟" بلبل نے آنکھ اچکائی کہ اتنی پاگل ہو۔

"ہاں ـــ" اس نے تسلیم کیا۔

اسٹور میں ہندی اردو دونوں بورڈ لگے تھے۔ اس نے سوچا کہ کوئی دیسی چاچا چاٹ جائے گا۔ وہ ہاتھ ہلا کر کہہ دے گی چاچا جی حساب میں لکھ لیں مجھے پیسے ملیں گے تو دے جاؤں گی۔

"ہمارے تمہارے چاچے بابے بہت پیچھے رہ گئے اجالا! یہاں آ کر سب بدل جاتا ہے۔"

وہ مایوس صورت پلٹنے لگی تو بلبل کی کھنکتی آواز نے روک لیا۔

"یہ میرا کارڈ لے جاؤ تین دن بعد کی برتھ ڈے ہے ان کے لیے رکھا تھا۔ دیکھو مجھے پیسے دے دینا میری ماں کا جنم دن نکل گیا تو اچھا نہیں ہو گا۔"

اجالا ہنسنے لگی۔ "نہیں ایسی ضروری فون کال نہیں ہے۔"

"بڑے لوگوں کی فون کالیں ضروری نہیں ہوتیں اجالا! دل گھنٹے ہیں تو کال ہوتی ہے۔ اداسی بڑھ جاتی ہے تو پیاروں کی آوازیں سنی جاتی ہیں ـــ گھر والوں کی آواز سنو گی تو دل اچھا ہو جائے گا۔"

"دراصل مجھے کچھ اندازہ نہیں ہے کہ مجھے پیسے کب ملیں گے۔"

"اچھا ـــ" وہ سوچنے لگی۔

"پھر بھی رکھ لو ـــ تمہاری شکل بتا رہی ہے کہ تمہیں پیسے کی تنگی کبھی نہیں رہی۔"

وہ اداسی سے ہنس کر رہ گئی۔ ان کی ضرورتیں

پوری ہوتی رہتی تھیں۔ پیسے کو ہاتھ میں رکھنے کا انہیں شوق نہیں تھا۔ چار پیسے جمع ہو جاتے تھے تو ان کے جہیز کی کوئی چیز لا کر رکھ دی جاتی تھی۔ انہوں نے پیسے کا استعمال صرف جہیز کی شکل میں ہی سیکھا تھا۔

"پہلی پاکستانی لڑکی دیکھی ہے جس کے اتنے چھوٹے بال ہیں اتنے تو امریکی عورتیں نہیں رکھتیں۔" ہاتھ سے اس کے بال چھو کر کہا۔

اس کے چہرے پر سایہ لہرا گیا۔

"میں مذاق کر رہی ہوں اجالا!" اس کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ کر اس نے فوراً کہا۔

اس نے یونیفارم پر پہنے کوٹ کی زپ کھول دی۔ سرخ رومال دیکھ کر بلبل کا منہ کھلا رہ گیا۔

"تم اس گھر کیوں کے اڈے پر کام کرتی ہو؟"

اس کا اتنا کہنا تھا کہ اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ وہ جلدی سے کاؤنٹر سے نکل کر سامنے آئی۔ اسے بھینچ کر گلے سے لگا لیا۔ اس کے گلے سے لگتے ہی وہ سمجھ گئی کہ اسے شدت سے احساس ہوا کہ وہ کتنی زیادہ زخمی ہے۔

☆☆☆

اسے بلبل کے کارڈ کی فکر تھی۔ اس نے بڑے جتنوں سے آنٹی سے پیسے مانگے تھے۔

"شہریار تمہیں نہیں دیتا؟" انہوں نے تنگ کر پوچھا۔

اس کی سیلری، اس کے نام سے کھلے بینک اکاؤنٹ، سب پر شہریار کا ہولڈ تھا۔ گھر کے اخراجات تین حصوں میں تقسیم تھے۔ ایک آنٹی، ایک سارہ، اور ایک شہریار۔ شہریار ایک عرصے سے کریڈٹ کرش تھا۔ اس کا خرچ آنٹی ادا کرتی تھیں، اور بقول آنٹی کے قرضہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ کالج کے بعد سارہ جاب کرتی تھی۔ بنکی ایک بڑے بینک میں ملازم تھی، وہ سب سے زیادہ پیسے کماتی تھی۔ لیکن وہ الگ گھر میں اپنی فرینڈز کے ساتھ رہتی تھی۔ آنٹی کی لاکھ خوشامد پر وہ انہیں کچھ نہ کچھ دے جاتی تھی۔ اسی خوشامد کے سلسلے میں آنٹی اس کے کمرے کو لاک رکھتی تھی کہ اسے یہ احساس رہے کہ وہ اس گھر کا حصہ ہے۔ کبھی کبھار وہ ویک اینڈ پر آ جاتی تھی ورنہ مہینوں اس کی شکل دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ کم گو تھی، اسموکنگ بہت کرتی تھی۔ اس کی آنکھیں دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ اندر تک زخمی ہے۔ اجالا کو دیکھ کر کھل اٹھتی تھی۔ جاتے ہوئے اسے پیسے ضرور دے کر جاتی تھی۔ لیکن وہ پیسے اجالا کہیں بھی چھپا کر رکھتی تھی وہ غائب ہو جاتے تھے۔ ایک دن میں اسے لگا کہ وہ رکھ کر بھول جاتی ہے پھر معلوم ہوا کہ وہی نکالنا نہیں بھولتی۔ اس نے ایک بار آنٹی سے پوچھا تو بھڑک اٹھیں۔ انگلش میں گالیاں دینے لگیں۔ شرمندہ ہو کر اس نے معافی مانگی۔

اب شہریار کا حصہ اجالا کو اٹھانا تھا۔ اس شراب خانے سے اچھی سیلری ملتی تھی۔ پہلی سیلری پر آنٹی نے جم کر شاپنگ بھی کی تھی۔ سارہ اور بس کا پاس شہریار لا کر دیتا تھا۔ فون اس کے گھر والے کرتے تھے۔ سچ وہ بیٹا کر لے جاتی تھی۔ اسے پیسوں کی کیا ضرورت تھی؟ صبیحہ خالہ کے گھر میں جتنی سلامیاں کی تھیں آنٹی نے رکھ لی تھیں کہ ساری عمر وہ دیتی رہی ہیں۔ اسے بھی وہ سلامیاں نہیں چاہیے تھیں۔

"مجھے کالنگ کارڈ لینا ہے۔" اسے اپنی ضرورت بتانی پڑی۔

"کیوں ـــ تمہارے گھر والے فون کرتے ہیں ـــ ہم سے چھپ کر کرنا چاہتی ہو۔" شہریار کے بجائے آنٹی نے چیخ کر پوچھا۔

ہاں ـــ وہ اس گھر سے باہر، کھل کر ماں سے بات کرنا چاہتی ہے۔ یہاں آنٹی اس کے آس پاس منڈلاتی رہتی تھیں۔ وہ اپنی ماں کو بتانا چاہتی تھی کہ ماں! جب تمہارے پاس تھی تو کبھی تمہیں اتنی شدت سے دیکھنا نہیں چاہا تھا۔ اب دل دعا کرتا ہے کہ کوئی جادو ہو اور ہر دیوار پر تمہارا چہرہ بن جائے۔ میں وارڈ روب کھول کر تمہاری تصویریں دیکھتی ہوں تو میرا دل بے قرار ہو جاتا ہے۔

میں چھٹیاں گزارنے رضیہ خالہ کے یہاں کیوں گئی۔ مجھے تمہارے پاس رہنا چاہیے تھا۔ مجھے

ALIFADAB.COM
Watermarkly

عقل کیوں نہ آئی میں سوئی پڑی رہی تو ساری دوپہر لہسن چھیلتی رہی۔ میں حلق پھاڑ کر گاؤں کی شادیوں میں گاتی رہی تو میری بلائیں اتارتی رہی۔ تو نے میرے سارے زخم اپنی محبت سے کیوں بھر دیے۔ ایسا کیوں کیا ماں؟ مجھے منہ اندھیرے کیوں نہ جگایا؟ کیوں کہا کہ شور نہ کرو اجالا سو رہی ہے۔ میں روتی تھی تو چپ کیوں کروائی تھی۔ میری اداسی پر کئی بہانوں سے بہلاتی کیوں تھی؟ تو نے میری ہتھیلیوں پر چھالے نہیں بننے دیے۔ میری تکلیفوں کو اپنی محبت سے کیوں سینت لیا ماں..... دیکھ اب کوئی تجھ جیسا نہیں ملا تو میرے ہر زخم کی تکلیف بڑھ گئی۔

اسے پیسے نہیں ملے۔ وہ سارہ کے پاس آئی۔

"مجھے پچیس پیسے چاہئیں سارہ!"

بڑی مشکل سے کہا۔ عجیب کی بات اور تھی لیکن سارہ اس سے چھوٹی تھی۔ اسے اچھا نہیں لگا کہ سارہ سے پیسے مانگے۔ وہ اسٹڈی چیئر سے پوری اس کی طرف گھوم گئی۔ پھر اپنی کتابوں کی الماری میں رکھے ایک ٹن باکس کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے وہ ٹن اٹھا لیا۔ اس پر پیسا ٹاور بنا تھا۔ صدیوں سے یہ عمارت گر جانے کو تھی اور گرتی بھی نہیں تھی۔ جیسے اپنے اندر اجالا جیسی عورتوں سی خاصیت رکھتی ہو۔ نہ ٹھیک سے سنبھل سکیں نہ پوری طرح سے گر سکیں۔ اس نے ڈھکن کھولا تو اندر سکے اور ڈالر کے نوٹ رکھے تھے۔ اس نے اپنی ضرورت کے پیسے اٹھا لیے۔

"میں تمہیں جلدی واپس کر دوں گی۔"

"ضرورت نہیں..... یہ میں سڑک کے کنارے جو ہوم لیس کھڑے مانگ رہے ہوتے ہیں ان کے لیے رکھتی ہوں۔"

اس نے پیسے مٹھی میں بھینچ لیے۔ آنکھوں کی نمی کو حلق میں اتار لیا۔

اگلے دن بلبل کو کارڈ واپس کیا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ لیکن اس نے اصرار کر کے دے دیا۔ بلبل نے اسے [illegible] کر دیں۔ وہ کاؤنٹر پر ایک کہنی ٹکا کر کھڑی ہو کر پینے لگی۔ بلبل ساتھ ساتھ سٹرز دیکھنے لگی، بار بار ٹی وی کی طرف بھی دیکھ لیتی تھی۔

"مبارک ہو تم سیمی فائنل میں پہنچ گئیں۔"

اس نے ناسمجھی سے بلبل کی طرف دیکھا تو اس نے ٹی وی کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں کرکٹ اسٹیڈیم میں ہنگامہ برپا تھا۔ اس نے بڑی حیرت سے پاکستانی کھلاڑیوں کو اچھلتے کودتے دیکھا۔ اتنی سی مدت میں اس کی زندگی کتنی بدل گئی تھی۔ گاؤں میں ان کا ٹی وی نکل کر صحن میں آ جاتا تھا۔ پھر سارا گاؤں بھی اسی صحن میں جمع ہو جاتا تھا۔ باقی سارے میچ تایا جی کے ڈیرے پر دیکھے جاتے تھے ان دو ملکوں کے میچ کے لیے میلہ ان کے گھر میں لگتا تھا۔ کتنی عام زندگی تھی ان کی، کتنے خاص لمحے تھے اس زندگی کے۔ کتنے سادہ لوگ تھے، لیکن چھوٹی خوشیوں کو کیسے بڑا کر لیتے تھے۔ ایک چھکے پر، ایک ہوکٹ پر ان کی خوشیاں بے انت ہو جاتی تھیں۔

جس انڈیا پاکستان کے میچ میں وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں کیا کرتی تھیں کہ اللہ سوہنے پاکستان ساری دنیا سے ہار جائے لیکن انڈیا سے نہ ہارے۔ اسی ہندوستان کی بلبل کے ساتھ کھڑی وہ کافی پی رہی تھی۔ وہ اس کے لیے عابدہ بنتی جا رہی تھی۔ میدان کے حریف پردیس کے ساتھی تھے۔ دوست تھے پردیسیوں کے دل ایک ہو جاتے ہیں۔

"ایک مشورہ دوں..... بڑا آسان ہے۔" بلبل نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں..... دو....."

"اپنی ساس کو زہر دے دو..... رات کو دینا تاکہ کریا کرم صبح ہو..... ویسے تو تمہیں چین کی نیند سونے نہیں دے گی۔"

اس نے کچھ ایسی بے ساختگی سے کہا تھا کہ کافی کا گھونٹ فوراً بہ کر اس کے منہ سے نکلا تھا۔ دونوں دیر تک ہنستی رہی تھیں۔

"ویک اینڈ پر میرے ساتھ فریش اپ لنچ پر چلنا تمہاری طبیعت بہل جائے گی۔"

"فریش اپ لنچ؟"

"میری تمہاری طرح دو سہیلیاں ہیں، ایک پاکستانی ایک ہندوستانی۔ مہینے میں ایک بار ان کے گھر ایک چھوٹی سی لنچ پارٹی ہوتی ہے۔ زرا بلہ گلہ رہتا ہے۔ اگر کسی کا کوئی مسئلہ ہو تو وہ حل کروانے کی کوشش کر دیتی ہیں۔ مجھے یہ جاب انہی کی وجہ سے ملی تھی۔ انہوں نے میری گارنٹی لی تھی۔ میری طرح کے اسٹوڈنٹ بہت آتے ہیں وہاں۔ رہائش، جاب، علاج، یہ چھوٹے بڑے مسئلے دیکھ لیتی ہیں۔ ہیں تو دونوں ہی اچھی پر بڑی چالو ہیں۔ لنچ اٹینڈ کرنے کی فیس پچیس ڈالر پر پرسن ہے۔"

اس نے قہقہہ لگایا۔ "اتنے پیسے لیتی ہیں اس لیے چالو ہیں؟"

"میک اپ بہت کرتی ہیں بھنوؤں کو کھینچ کر رکھا ہوتا ہے۔ کبھی مجھے تو کبھی ڈر لگتا ہے۔ جادوگرنیاں لگتی ہیں۔"

"جتنی تم برائیاں کر رہی ہو میرا خیال ہے مجھے نہیں جانا چاہیے۔"

"نہیں نہیں..... اچھی مزے کی پارٹی رہتی ہے۔ پچیس ڈالر پورے ہو جاتے ہیں۔ پھر جو کہانیاں سننے کے لیے ملتی ہیں وہ الگ....."

اس نے سر ہلا دیا کہ میں چلوں گی۔

☆☆☆

لنچ پارٹی دس دن بعد تھی۔ اس نے شہریار کو بتائے بغیر پیسوں کا تقاضا کیا۔ اس نے چار باتیں سنانے کے بعد اسے پیسے دے دیے۔ اس نے بڑی خوشی سے بلبل کو لا کر پکڑا دیے۔ وہ شدت سے نئے ماحول اور بہت سارے لوگوں سے ملنا چاہتی تھی۔ اس شراب خانے اور بھوت گھر سے دور جانا چاہتی تھی۔ آنٹی سے اس نے کہہ دیا کہ اسٹور کی ایک لڑکی نے نیا گھر لیا ہے، وہ انہیں لنچ کے لیے لے کر جا رہی ہے۔

"اب یہ نہ کہنا کہ وہاں کچھ لے کر جانا ہے تو پیسے چاہئیں۔"

پیسہ پیسہ، پیسہ۔ کیسی عجیب بات ہے مشرقی لوگ مغرب میں آ کر اپنی روایتوں سے کنی کترا جاتے ہیں روایتیں اس لیے ہوتی ہیں کہ انہیں ان لوگوں کے ساتھ روا رکھا جائے جو انہیں پہچانتے ہیں۔ آنٹی کی بات سے اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ تیار ہو کر وہ بلبل کی بتائی جگہ پر پہنچ کر اس کا انتظار کرنے لگی۔ اگلی بس میں دونوں ایک ساتھ بیٹھیں۔ پھر چار لمبی سڑکیں چل کر پار کیں اور ایک بہت بڑے گھر کے سامنے آ گئیں۔

دونوں سہیلیوں کے گھر ساتھ ساتھ تھے۔ بیک یارڈ میں سوئمنگ پول کے پاس اچھا خاصا انتظام تھا۔ کہیں گھاس پر میٹ بچھے تھے، کہیں صوفہ کرسیاں رکھی تھیں۔ بلبل نے آتے ہی کھانے کی ٹیبل چیک کی۔ سر ہلاتی رہی پھر پلیٹ پکڑ کر شروع ہو گئی۔ ساڑھیوں، شلوار قمیض اور جینز ٹاپ میں خواتین بڑی ہشاش بشاش تھیں۔ ایک ذرا ضعیف خاتون مکمل کی ساڑھی پہنے، ستار بجا رہی تھی۔ جانے اس کے ستار کے تار بھیگے ہوئے تھے یا دل کے کہ اجالا کی آنکھیں بھیگ بھیگ جاتی تھیں۔ بلبل نے اسے کہنی ماری کہ مزے کرو اداس نہ ہونا۔ لیکن ستار اس کے دل کے تار اور دل کے درد چھیڑتا رہا۔ شیشے کے ایک بڑے سے جار میں پرچیاں رکھی تھیں، بلبل نے ہاتھ ڈال کر دو نکال لیں۔ ایک اسے پکڑا دی۔

"یہ کیا ہے؟"

وہ دیکھو سامنے ٹیبل پر..... وہاں چیزیں رکھیں ہیں۔ پارٹی کے اینڈ میں کچھ نمبر بولیں جائیں گے۔ پھر وہ ٹیبل پر رکھی چیزیں ملیں گی۔"

اجالا نے ٹیبل کی طرف دیکھا تو بے ساختہ ہنسنے لگی۔ کافی، خشک دودھ، جیم وغیرہ کے ڈبے رکھے تھے۔

"تم ہنس رہی ہو..... وہ دیکھو اسٹوڈنٹس..... ان کنگالوں کی نظریں اسی میز پر ہیں۔"

"تو وہ پچیس ڈالر سے خرید لیتے۔"

"اسٹوڈنٹ کارڈ دکھاؤ تو ڈسکاؤنٹ ملتا ہے۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

یہاں آنے سے فائدہ ہوتا ہے کام بن جاتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔"

ٹیبل پر کاٹنگ کارڈ بھی رکھے تھے۔ انسان کی ضرورتیں کتنا شور کرتی ہیں۔ سب کو خبر ہو جاتی کہ کسے کیا چاہیے۔ اسے کاٹنگ کارڈ چاہیے تھا۔ بلبل اسے شگفتہ اور شیکل سے ملوانے لائی۔

"یہ اجالا ہے..... پاکستان سے ہے شادی کے بعد یہاں آئی ہے۔"

بھری بھرکم شگفتہ کسی اسٹوڈنٹ سے بات کر رہی تھی۔ اجالا کی طرف دیکھا اور پھر نظر اس کے بالوں پر ٹھہر گئی۔ اس نے سلام کیا لیکن اس نے جیسے سنا نہیں۔

"تمہارے بال کہاں گئے۔"

وہ مسکرانا بھول گئی۔ "میں نے کٹنگ کروائی ہے۔"

"تم لیکر اسٹور پر جاب کر رہی ہو؟" شیکل بھی اس کی طرف گھوم گئی۔

وہ خاموش دونوں خواتین کو دیکھ کر رہ گئی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے کیے۔ شگفتہ نے ہمدردی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تھپکا۔

"مجھے بتاؤ..... تم وہاں اپنی مرضی سے جاب کر رہی ہو؟"

اتنے سارے ہمدری کرنے والے، دکھ سننے والے مل گئے تو وہ چپ نہیں رہ سکی۔ اس نے آنسوؤں کو روک کر ناں میں سر ہلا دیا۔ آنسو گال پر پھسلنے لگے۔ شگفتہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لے کر چلنے لگی۔ کچھ دور شگفتہ جیسی خواتین بیٹھی تھیں، ان کے درمیان اسے بٹھا دیا۔ خود اجالا کے سامنے بیٹھ گئی۔ بلبل سامنے کھڑی ہو گئی۔

"انہیں بتاؤ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

اس نے اچنبھے سے سر اٹھا کر شگفتہ کی طرف دیکھا۔ بلبل نے اشارہ کیا کہ ڈرو نہیں۔ اجالا سن چکی تھی کہ دو خواتین اور ایک لڑکی اپنا کچھ کہانیاں سنا چکی تھیں۔ [illegible] سے یہاں [illegible] باپ بیمار تھا، شوہر جانے نہیں دے رہا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی کہ اب بھی اس نے گھر والوں کی شکل نہ دیکھی تو مر جائے گی۔ دوسری لڑکی شوہر سے طلاق لے چکی تھی لیکن اپنے گھر والوں سے چھپا لیا تھا۔ یہ بوجھ اسے پاگل کر رہا تھا۔

بہت سے بوجھ تھے جو ان کا اندر کھا رہے تھے۔ کئی بوجھ تھے جو اسے بھی ہر رات کچلتے تھے۔ اس نے سر اٹھا کر سب کی طرف دیکھا۔ اتنے عرصے سے کسی نے ہاتھ پکڑ کر پوچھا نہیں تھا۔ کیسی ہو اجالا۔ کچھ ہوا ہے؟ ہمیں بتاؤ۔ اپنا دل کھول دو۔ اپنا دکھ بتا دو۔ جو تم پر گزری اسے باہر نکال دو۔ اب پوچھا تو اس سے رہا نہیں گیا۔ اس نے روتے سسکتے ہوئے اپنے بال کٹنے، اسٹور پر کام کرنے کا بتا دیا۔ اس نے ان لڑکیوں کا بھی بتا دیا جو اس سے قریب ہونا چاہتے ہیں۔ ذومعنی باتیں کرتے ہیں۔ جن کی گاڑیوں تک سامان لے جانا اور واپس آنا بہت مہنگا پڑتا ہے۔ ان گالیوں کے بارے میں بھی جو اس کا شوہر اسے دے چکا ہے۔

"کتیا....."

میری اجالا..... میرا نور..... اور کتیا.....

☆☆☆

وہ بار بار آنکھیں پونچھتی رہی۔ سسکتی رہی۔ ضبط سے آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ دور تک پھیلے بیک یارڈ میں اس کی سسکیاں سنی جا سکتی تھیں۔ خاموش ستار ایک طرف رکھا تھا۔ ململ کی ساڑھی والی چپ اسے سن رہی تھی۔ شگفتہ کا ہاتھ اس کے شانے پر تسلی آمیز تھپکیاں دیتا رہا۔ جب وہ سب کہہ چکی اور اسے کئی طرح کی تسلیاں اور مشورے مل چکے، اور اس کی آنکھوں کی دھند چھٹی تو اس کی چھٹی حس نے اسے تیز الارم دینا شروع کر دیا۔ اس کا دل عجیب طرح سے دھڑکنے لگا۔ اس نے سر گھما کر پول کے دائیں طرف دیکھا۔ وہاں دور کچھ خواتین بیٹھی تھیں۔ اور اس گروپ میں آنٹی بھی موجود تھیں۔ ان کی نظریں صرف اسی پر تھیں۔ انہیں قریب آ کر سننے کی ضرورت نہیں تھی؛ وہ جانتی تھیں کہ ان چنڈالوں کے جھرمٹ میں روتی سسکتی ہوئی وہ کیا کہہ رہی ہو گی۔

☆☆☆

وہ گھر واپس آئی تو آنٹی کچن میں کھانا گرم کر رہی تھیں۔ وہ کچن کاؤنٹر کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ بڑی دہشت لیے ہوئے گھر آئی تھی۔ بڑی ہمت کر کے اس نے کہا۔

"آنٹی مجھے معاف کر دیں..... پلیز....."

وہ مائیکرو سے گرم کھانا نکال رہی تھیں۔ پھر وہ آنٹی کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی۔ لجاجت سے پھر کہا کہ مجھے معاف کر دیں۔ انہوں نے سر گھما کر اسے ایک نظر دیکھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے....."

"آنٹی پلیز..... مجھے....."

اس کی طرف پورا گھوم کر ایک زوردار چانٹا اس کے گال پر رکھا۔

"اپنا نیچ پن دکھا دیا..... تمہاری اوقات تھی امریکا آ کر رہنے کی۔"

اس نے دہکتے ہوئے گال پر ہاتھ نہیں رکھا تھا۔ اس کی سانسیں اچھی بری دونوں تھی، اس وقت وہ صرف بری عورت تھی۔ بیٹے نے سر دیوار میں دے مارا تھا، ماں نے تھپڑ کھینچ مارا تھا۔ بیٹیوں کے ہونے سے ڈر نہیں لگتا ان کے نصیب سے ڈر لگتا ہے۔ کوئی انہیں گالی دے گا، تھپڑ مارے گا اس سے خوف آتا ہے۔ وہ پوری بھوک سوکھی روٹی کے نوالوں سے مٹانا سیکھ جائیں گی آدھی ادھوری عزت کے ساتھ زندگی کیسے گزاریں گی؟ ماں باپ انہیں دو وقت کی روٹی پر گزارہ کرنا سکھا دیتے ہیں۔ لیکن چار وقت کی تذلیل پر صبر کے گھونٹ بھرنا نہیں سکھا پاتے۔

بیٹیوں سے ڈر نہیں لگتا ان کے نصیب سے لگتا ہے۔

یہ بیٹیاں راتوں کو اٹھ اٹھ کچھ نہیں کھاتیں..... لیکن راتوں کو منہ چھپا چھپا کر سسکتی ہیں۔

کھانا لے کر آنٹی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

وہ صوفے پر چپ بیٹھ گئی۔ اوپر شہریار کے کمرے سے میوزک کی آواز آ رہی تھی۔ سارہ ابھی گھر نہیں آئی تھی۔ باہر تیز بارش ہو رہی تھی۔ آسمان پر بجلی کے جال بن بن کر مٹ رہے تھے۔ اسے صحن کے تار سے کپڑے نہیں سمیٹنے تھے۔ چارپائیاں برآمدے میں نہیں کرنی تھیں۔ مرغوں کے کھڈے اور تندور پر ترپال نہیں ڈالنی تھی۔ یہ گوروں کا ملک ہے یہاں سارا نظام بڑا اچھا ہے۔ بارشیں کچھ خراب نہیں کرتیں۔ بس اتنا ہے کہ گاؤں میں بارش خوش کر دیتی تھی یہاں اداس کر رہی تھی۔ وہاں دل جھوم اٹھتا تھا یہاں دل بجھ رہا تھا۔ وقفے وقفے سے دو تین بار فون بج کر بند ہو چکا تھا۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھا لیا۔

"اجالا..... یہ تم کیا کر رہی ہو؟" اماں چھوٹتے ہی کہنے لگیں۔

"کیا ہوا اماں....." اس کا دل دھڑک کر رہ گیا۔

"سنوا دیں نا مجھے باتیں..... آ گیا میری تربیت پر حرف..... گھروں میں اونچ نیچ ہو جاتی ہے تم سے یہ امید نہیں تھی کہ دنیا میں جا کر ڈھنڈورا پیٹو گی۔ مجھے بتاؤ، کیا ہوا ہے میں تمہیں سمجھاؤں گی۔ ہماری نظروں سے دور ہو تو کچھ بھی کرو گی..... بڑوں کا احترام بھول گئی ہو۔"

"اماں! ایسا کچھ نہیں ہوا۔" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"کیوں کیں گھر کی باتیں غیر لوگوں میں؟ آنے جانے پر کوئی روک ٹوک نہیں..... اپنی بیٹی کی طرح رکھا ہوا ہے بہن جی نے..... میم بن کر گھومتی ہو..... کیوں ہمارے سروں میں خاک ڈلوانی ہے اجالا! تم ایسی تو نہیں تھیں۔"

اماں بولتی رہیں۔ اماں روتی رہیں۔ وہ سنتی رہی۔ وہ چپ رہی۔

"اماں! مجھے معاف کر دیں، میں آنٹی کو آئندہ شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔"

کہہ کر اس نے فون بند کیا اور آنٹی کے کمرے میں آ گئی۔

"آنٹی! مجھے معاف کر دیں۔ ایک تھپڑ اور مار لیں لیکن میرے گھر فون کر کے کچھ نہ بتایا کریں۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

میری ماں بہت چھوٹے دل کی ہے بڑی جلدی پریشان ہو جاتی ہے۔ اس کے سر پر پٹی بندھ چکی ہے، گاؤں کا ڈاکٹر دو بار گھر آ چکا ہے۔"

"ماں کا ایسا ہی خیال تھا تو اپنی حرکتیں ٹھیک رکھنی تھیں۔"

"آئندہ آپ کو مجھ سے شکایت نہیں ہو گی... گاؤں فون کر کے یہاں کی کوئی بات مت بتایئے گا۔"

"سیدھی ہو جاؤ... تم نے ابھی میرا غصہ نہیں دیکھا..." آنٹی نے انگلی اٹھا کر سخت تنبیہ کی۔

جب تک آنٹی سو نہیں گئیں، وہ ان کی خوشامد کرتی رہی۔ انہیں کافی بنا کر دی۔ کل کے لیے ان کے کپڑے ہوتے رکھے۔ صبح ناشتے کے لیے پین میں قیمہ رکھا۔ پراٹھوں کے لیے آٹا گوندھا۔ فون آنٹی کے کمرے میں جا چکا تھا۔ آئندہ سے وہیں رہنے والا تھا۔ وہ بلبل سے کیسے ملے گی۔ آئندہ کہیں نہیں جائے گی۔ اسٹور سے سیدھا گھر آئے گی۔

اسٹور سے سیدھا وہ بلبل کے پاس آئی تھی۔ بلبل کو اس کی فکر تھی کہ پھر گھر جا کر اس کے ساتھ کیا ہوا۔ اس نے سب سچ سچ بتا دیا۔ دونوں پارکنگ میں ایک گاڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی تھیں۔ شکا کو ڈاؤن ٹاؤن کی اونچی بلڈنگیں ان کے سر پر تنی کھڑی تھیں۔ وہ بے تاثر انداز لیے سب بتاتی رہی تھی۔

"اب کیا کرو گی؟"

"کرنا کیا ہے، دعا کر رہی ہوں کہ سب ٹھیک ہو جائے۔ میرے شوہر اور ساس کو ہدایت مل جائے۔ اب پندرہ دن میں صرف ایک بار گھر بات ہو گی۔ انہیں بہانے سے بتا دیا ہے کہ میں بہت مصروف رہتی ہوں اس لیے وہ مجھے پندرہ دن بعد چھٹی والے دن فون کریں گے۔ تین منٹ والی صرف ایک کال ہو گی۔ اگر دوسری کال آئی تو آنٹی فون کاٹ دیں گی۔ میں سوچ رہی ہوں... بس یہی چھوٹی سی ہمت ہے۔"

"پابندیاں کہو۔"

"شادی اسی کا نام ہے۔"

"ہمارے دیسوں میں ہی شادی اس عورت کا نام ہے۔ یہ گورے بھی تو شادی کرتے ہیں۔" بلبل نے جل کر کہا۔

"گورے تو اور بھی بہت کچھ کرتے ہیں۔" وہ ہنس دی۔

اس کے ہنسنے پر بلبل کو اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا۔ "مجھ سے ملنا چھوڑ دو گی؟"

اس نے بلبل کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "کیوں چھوڑوں گی۔" اس کی آنکھوں میں ایک تیز سٹیل چمک گئی۔

☆☆☆

وہ ہر دوسرے تیسرے دن بلبل کے پاس آ جاتی تھی۔ اس کی رات کی شفٹ ہو چکی تھی۔ تھوڑی دیر باتیں کرتی، اپنا دل ہلکا کرتی اور پھر گھر آ جاتی۔ اس کا جو دل چاہتا تھا وہ بلبل کو بتاتی تھی۔ گھر سے وہ پندرہ دن میں ایک بار ہی بات کرتی تھی۔ باقی کے فون وہ کارڈ سے کرتی رہی۔ جب سارے پیسے ختم ہو گئے تو اس نے بھی اٹھنی کا سکہ خرید لیا۔ ڈیون میں یہ اٹھنی دو ڈالر کی ملتی تھی۔ اس کے ایک طرف آئس چیونگم چپکا کر اندر ڈال دو۔ ہیرا پھیری کی یہ سائنس ایک پاکستانی نے نکالی تھی جو پردیسیوں میں عام ہو چکی تھی۔ اس اٹھنی کی اتنی مانگ تھی کہ اٹھ آنے کا سکہ دو ڈالر میں ملتا تھا۔ جسے انڈین پاکستانی سب خرید کر پیسے کال کرتے تھے۔

بنوارے پر جناح کو ناپسند کرنے والے بھی اس جناح کو خریدنے پر مجبور تھے۔ لوگ گاڑیاں بھر بھر کر اپنا پورا خاندان لے آتے تھے اور ایک سکہ ڈال کر لمبی کال پر جی بھر کر باتیں کرتے تھے۔ جب گھنٹوں بات کر لیتے تو پھر فون رکھ دیتے تھے۔

ایک اٹھنی سے ایک کال ہوتی تھی لیکن اپنی مرضی کے وقت کی ہوتی تھی۔ ایک گھنٹہ کر دیا گھنٹے کال کتنی نہیں تھی۔ اکثر فون بوتھ پر پولیس آ جاتی

تھی سب کو ٹال باہر کرتی تھی۔ پولیس والے پیٹھ چلاتے انہیں برا بھلا کہتے لیکن یہ سلسلہ کبھی نہیں رکا تھا۔

آئس چیونگم چپکا کر اٹھنی کے ایک طرف چپکا کر اسے اندر ڈال کر فون کرنا اس نے بھی سیکھ لیا۔ شروع میں اس کی کئی اٹھنیاں ضائع گئیں لیکن پھر وہ اس میں ماہر ہو گئی۔ مجبوری جلدی کام سکھا دیتی ہے۔ تکلیفیں مرہم کے لیے بھاگ دوڑ کروا دیتی ہیں۔ وہ جی بھر کر سب سے باتیں کرتی تھی۔ کچھ کو مجبوری چور بنا دیتی ہے کچھ کو بے بس۔ وہ مجبور بھی تھی اور بے بس بھی۔ اب تو چور بھی ہو گئی تھی۔ شادی اور بھی کئی طرح کے کرتب سکھا دیتی ہے، یہ بھی سہی۔ انسان پورا نہیں تو آدھا جوکر بن کر رہ جاتا ہے۔

گھر کی سب لڑکیوں کو اس نے سمجھا دیا تھا کہ وہ نوکری کی جگہ سے فون کرتی ہے جو منع ہے، بھول کر بھی کسی کے منہ سے یہ بات نہ نکلے کہ وہ ان سے لمبی لمبی باتیں کرتی ہے۔ آنٹی اصولوں کی بہت پکی ہیں، وہ ناراض ہوں گی۔ چونکہ آنٹی کو پانچ وقت کی نمازیں پڑھتے سب نے دیکھا تھا تو انہیں اندازہ تھا کہ آنٹی واقعی ناراض ہوتی ہوں گی۔

وہ آنٹی جو تایا جی، کو بھائی جی، جی بھائی کہتی تھکتی نہیں تھیں۔ اب تمہارا باپ، تمہاری ماں تمہارا تایا کہنے لگی تھیں۔ جو بھر بھر ساگ کے پیالے اور دیسی گھی کے پراٹھے کھاتی رہی تھیں۔ تندور کی جیسی روٹیوں کے واری صدقے ہوتی رہی تھیں۔ وہ تم دیہاتی، تم جاہل کہنے لگی تھیں۔ آنٹی کے بہروپ نے عابدہ تک کو بے وقوف بنا دیا تھا۔ عابدہ کا سارا شک شہریار پر تھا۔ بار بار کہتی تھی ساس تو تمہاری بڑی اچھی ہے۔ اس اچھی ساس نے گاؤں میں اپنی بہترین پرفارمنس دی تھی۔

سارہ کہتی تھی کہ ہماری ماں کو کوئی کام نکلوانا ہو تو ان سے اچھی اداکاری کوئی نہیں کر سکتا۔ انہوں نے ہالی وڈ کی اداکارہ بننا تھا وہاں بات نہیں بنی تو ہماری تمہاری زندگیوں میں اپنا شوق پورا کرنے لگی ہیں۔ گاؤں میں وہ بڑی سادہ لوح بنی رہی تھیں۔ یہاں انگلیوں میں کئی کئی انگوٹھیاں ٹھونسی تھیں۔ تیز میک اپ کرتی تھیں۔ زیورات اور مہنگی گھڑیوں کا ڈھیر لگا کر رکھا تھا۔ جب اخراجات پر چیخ چیخ کر تی تھیں تو سارہ جل کر کہتی تھی۔

"اپنی انگوٹھیاں اور گھڑیاں کیوں نہیں بیچ دیتیں۔ ہمیں آٹے دال کا شور مچا کر رکھتی ہیں لیکن اپنی شاپنگ میں کمی نہیں کرتیں۔"

ہر شے اپنا پردہ چاک کر رہی تھی۔ اسے حیران کر رہی تھی۔ ایک وہی کسی کو حیران کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ اس نے حالات کے ساتھ اچھی طرح سمجھوتا کر لیا ہے۔ یہ سمجھوتا سب ٹھیک کرتا چلا جائے گا۔ شہریار بھی اچھا انسان ہے بس کچھ واقعات سے تنگ ہو چکا ہے۔ ہائی اسکول سویٹ ہارٹ کے چھوڑ جانے سے دل برداشتہ ہے، ٹھیک ہو جائے گا۔ صبح اٹھ کر اس کے ساتھ ناشتہ کرتا تھا۔ کبھی کبھی اسے اسٹور ڈراپ کر دیتا تھا۔ ویک اینڈ پر باہر لے جاتا تھا۔ اسے شاپنگ بھی کروائی تھی۔ ایک پورا ہفتہ انہوں نے روڈ ٹرپ کیا تھا۔ وہ نیاگرا فال گئے تھے۔ وہاں تصویریں بنائی تھیں۔ وہی تصویریں کہ شہریار نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا ہے۔ اس نے شہریار کے سن گلاسز لگائے ہیں۔ اس کے سر پر کیپ ہے۔ کبھی شہریار کا ہڈ پہنا ہے۔ شہریار اپنا گال اس کے گال سے ٹچ کر رہا ہے وہ شرما رہی ہے۔

وہ اتنی خوش تھی کہ تصویریں اس کی مسکراہٹ کو واضح دکھا رہی تھیں۔ اسے یہ روڈ ٹرپ بہت اچھا لگا۔ یہ سات دن اس کی زندگی کے بہترین دنوں میں سے تھے۔ اپنے محبوب شوہر کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر باتیں بنانا ایسے ہی تھا جیسے اس نے ایک بڑی جنگ فتح کر لی تھی۔ وہ محل کی رانی قرار پائی۔ زندگی میں اونچ نیچ چلتی رہے گی لیکن اس کی محبت میں کمی

ALIFADAB.COM
Watermarkly

نہیں ہوگی۔ ڈرائیونگ کے دوران شہریار اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں رکھتا۔ اپنی پسند کا میوزک لگاتا رہا۔ اشارے کرکر کے اسے بہت سی جگہوں کے بارے میں بتاتا رہا۔ اس نے محسوس کیا کہ اب ہر چیز آسان ہو چکی ہے۔ اس کے بچپن اور کالج کی باتیں سنتے ہوئے وہ اپنے سارے دکھ بھول گئی۔ زندگی کے ساتھی کا ساتھ مل جائے تو کسی اور ساتھ کی ضرورت نہیں رہتی۔ تحفظ کا یہ احساس سارے خوف ختم کر دیتا ہے۔

سارے زخموں کی دوا تو نہیں مل سکی لیکن بہت سے زخم مندمل ہو گئے۔ شہریار بھی خوش تھا کہ اس کی کریڈٹ ہسٹری بن رہی تھی۔ وہ کوئی خاص گاڑی لینا چاہتا تھا۔ کمرے میں طرح طرح کی گاڑیوں کی تصویریں لگی رہتی تھیں۔ سنا تھا کہ اس کی پہلی بیوی نے بہت خوب صورت گھر لیا تھا۔ اس کے ساتھ اس نے بڑی اے ون زندگی گزاری تھی لیکن شہریار کے مزاج نے سب برباد کر دیا۔ شاید اب وہ پچھتا رہا تھا۔ کوشش کرتا تھا اجالا کو خوش رکھے۔ غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے، غلطی کی معافی ہونی چاہیے۔

لیکن غلطیاں بار بار بھی نہیں ہونی چاہئیں۔

☆☆☆

ویک اینڈ پر اس نے ناشتے کے ساتھ ہی لنچ تیار کر دیا تھا۔ پھر جلدی سے شاور لے کر تیار ہونے لگی تھی۔ وہ کمرے سے تیار ہو کر، لانگ کوٹ پہن کر نکلی تھی۔ آنٹی کن انکھیوں سے اسے دیکھتی رہیں۔

"یہ تم نے ساڑھی پہنی ہے۔" نخوت سے کہا۔

"جی..... بلبل نے دی ہے....." وہ صوفے پر بیٹھ کر سینڈل پہن رہی تھی۔ اس نے آنٹی پر زیادہ توجہ نہیں دی۔

"ہندنی ہے وہ....." بڑا چڑ کر کہا۔

وہ اچنبھے سے آنٹی کی طرف دیکھنے لگی۔ "تو؟"

"اب تمہیں اپنے دین، ایمان کی فکر نہیں..... غیر مسلموں سے دوستیاں بڑھا رہی ہو۔"

"میں ایک شراب کے اسٹور پر کام کرکے جرم کما رہی ہوں..... اس پر آپ نے کچھ نہیں کہا تھا۔" آنٹی نے اسے ایسے گھورا کہ جیسے اس کی جان نکال دیں گی۔

"آپ میری شراب خانے سے جان چھڑا دیں میں بلبل سے دوستی چھوڑ دوں گی۔"

"تمہاری ماں کو فون کرکے بتاتی ہوں کہ دیکھو اپنی بیٹی کی دوستیاں....."

اٹھ کر وہ کلوزاٹ کا دروازہ کھول کر چھاتا نکال رہی تھی کہ وہیں سے آنٹی کی طرف سر نکال کر دیکھا۔

"اماں کو بلبل کے بارے میں بتا دیا ہے۔ انہوں نے ہی کہا تھا کہ بلبل کو ساتھ لے کر آؤ۔ میں اسے اپنا گاؤں دکھاؤں گی۔"

"گاؤں نہ ہو گیا جنت ہو گیا..... ہونہہ....."

جاتے ہوئے اس نے اپنے پیچھے یہ فقرہ سنا تھا۔ وہ ہنسی سے ہنس کر رہ گئی۔

وہ آنٹی کو کیا بتاتی کہ اب ہی تو اسے معلوم ہوا ہے کہ اس کا گاؤں کیسی جنت تھا۔ اس کی صبحیں اور شامیں کتنی پرسکون تھیں۔ دوپہروں میں تپتے تندور اور سردیوں میں دہکتے الاؤ کتنے سہانے تھے۔ گھروں کے کھلے کواڑ اور درختوں کے سائے، کہیں بھی بیٹھ کر اپنا دل کھول دو۔ سارا گاؤں اس کے لیے کتنا بڑا سائبان تھا۔ جو نیند اسے گاؤں کے بستر پر آتی تھی، دو ڈیڑھ سال گزر جانے پر بھی امریکا میں نہیں آتی تھی۔

چائے کے بڑے پیالوں میں رسک ڈبو ڈبو کر کھانا کتنی پیاری عیاشی تھا۔ سارے ذائقے، ساری خوشیاں اور سارا اطمینان وہیں تو تھا۔ جنت اطمینان کی ہی جگہ ہوگی نا۔ اس کا گاؤں تھا اطمینان کی جگہ۔ وہ شہر جاتی تھیں تو واپسی پر گاؤں کی کچی سڑک دیکھ کر شور ڈال دیتی تھیں کہ آ گیا اپنا گاؤں۔ گاؤں کے آسمان کے ٹمٹماتے چراغ اس کے لیے سمندر

روشنیوں سے بڑھ کر تھے۔

اس نے اماں کو نہ صرف بلبل کے بارے میں بتایا تھا بلکہ وہ ان کی کئی بار بلبل سے بات کروا چکی تھی۔ اماں کو کتنا اطمینان ہوا تھا کہ میری بیٹی کی وہاں سہیلی بن گئی ہے۔ جو ہم سے نہیں کہے گی سے کہہ لے گی۔ اس رات اسے ڈانٹ کر کہ وہ کیوں غیر لوگوں میں گھر کی باتیں کرتی ہے، اماں نے کتنے ہی دن گھر مندی سے بار بار پوچھا تھا کہ کچھ ہوا ہے؟ تمہیں کوئی پریشانی ہے تو بتاؤ۔ آنٹی کے بھڑک کر کیے فون نے اس کے گھر میں بے چینی دوڑا دی تھی۔ اس کے سو جھوٹ پر بھی ماں کو قرار نہیں آیا تھا۔ وہ ایسی ماں سے کیا کہتی جو چھوٹے دل کی بھولی سی عورت تھی۔ جس نے بیٹی کو تو برا بھلا کہہ دیا تھا لیکن دل میں دھڑکا لگا لیا تھا کہ بیٹی کسی تکلیف میں نہ ہو۔ اس لیے آنٹی بھی نہیں سمجھ سکتی تھیں کہ ایک عابدہ ایک بلبل کی ضروری ہوتی ہیں، ورنہ لڑکیاں پاگل ہو جائیں۔ دل کے دکھ دل میں پڑے رہیں تو دل کو کھا جاتے ہیں۔

ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ اس نے چھاتا کھول لیا۔ سڑک پر اس کی ہیل کی ٹک ٹک کا شور تھا۔ اسے بس اسٹاپ تک پیدل جانا تھا۔ اس کا گھر مضافات (suburb) میں تھا۔ آنٹی کو ایک مدت سے ایسے گھر کا شوق تھا، پہلے وہ کوئنز (ٹیٹ) میں رہتی تھیں۔ وہ دو بیڈروم کا ذریعہ نما گھر تھا جو چیزوں سے اٹا ہوا تھا۔ بقول سارہ کے وہاں سانس لینا بھی محال تھا۔ آس پاس بڑی تعداد میں میکسیکن آباد تھے جن کے شور ہنگامے سے گونجتے رہتے۔ وہ ہر طرح کی پارٹی کے لیے میز کرسی باہر گھاس پر سجا کر ناچے کودتے۔ آنٹی کو گھر سے زیادہ اس ماحول سے کوفت تھی۔ گرمیوں میں دروازے کھول کر کرسیوں پر اینٹھتے۔ بچے بھاگے دوڑے پھرتے۔ جا بجا بنتے باربی کیو کی خوشبو اتنے اسٹانوں کی بو سے مل کر جی متلا دیتی۔ ان عمارتوں کے گارج ڈمپ (بکرے دان) ایریا کا ایسا حال ہوتا تھا کہ وہاں سے گزر کر گھر تک آنا طبیعت مکدر کر دیتا تھا۔

بارش ہو جاتی تھی تو بو آس پاس ہر طرف پھیل

خواتین ڈائجسٹ میں راحت جبیں کے قسط وار چھپنے والے خوب صورت ناولز
زرد موسم
تتلیاں پھول خوشبو
منگوانے کا پتہ مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 021-32216361

ALIFADAB.COM
Watermarkly

جاتی تھی۔ آنٹی نے بڑی جان ماری اور پھر یہ والا گھر لیا تھا۔ جس کی ہر مہینے ـــ قسط جاتی تھی۔ اجالا کو اپنا گھر پسند تھا۔ کھلا تھا، روشن تھا۔ ہر طرف ہریالی تھی۔ وہ آسمان کو آزاد دیکھنے کی عادی تھی اس لیے ڈاؤن ٹاؤن میں اس کا دل پریشان ہوتا تھا۔

بارش سے آس پاس کا سارا سبزہ کھل اٹھا تھا۔ قالین کی طرح بچھی گھاس، لمبے درخت اور پھولوں کے ڈھیر۔ ان گوروں کو پھول پتوں کا بڑا شوق ہے۔ کوئی کونا مل جائے اور وہاں جنگل اگا لیتے ہیں۔ ایک طرف نیچر سے محبت ہے، دوسری طرف اونچی اونچی بلڈنگوں کی دیوانگی ہے۔ یہ دو مخالف سمتوں میں بھاگ رہے ہیں۔ کچھ پالیتے ہیں کچھ کھو دیتے ہیں۔ وہی کہ ہر خطے میں زندگی جینے کے قرینے الگ الگ ہیں۔ یہاں سب کچھ صاف ستھرا رہتا تھا۔ دھول نہیں اڑتی تھی۔ سڑکیں پکی تھیں۔ گاؤں کی کسی لڑکی کا کہیں رشتہ ہوتا تھا تو رشتے کے اچھا ہونے کی دلیل پکی پکی سڑک سے دی جاتی تھی۔ شہر کا ذکر وڈی وڈی سڑکوں سے کیا جاتا تھا۔ گھر انہیں اپنے اچھے لگتے تھے لیکن سڑکیں شہروں کی بھائی تھیں۔ گاؤں کے لوگ عمارتوں سے زیادہ سڑکوں سے متاثر ہوتے تھے۔ وہ کچی پکی پگڈنڈیوں کے اتنے عادی ہو جاتے ہیں کہ پکے راستے انہیں حیران کر دیتے ہیں۔ امریکا کی ساری سڑکیں پکی اور وڈی وڈی تھیں۔ وہ یہاں کی لڑکیوں سے پوچھنا چاہتی تھی۔

"خوش ہو..... پکی سڑکیں ..... اچھے گھر..... گاڑیاں..... بتاؤ خوش ہو.....؟"

خوشی کا تعلق چیزوں سے زیادہ انسانی رویوں سے ہے۔ خوشی جو ہوتی ہے وہ اطمینان کی پگڈنڈی سے ہو کر آتی ہے۔ اطمینان نہ ہو تو بادشاہوں کی اولاد بھی دکھی ہے۔ یہ انسانوں کی دنیا ہے اگر انسان ہی دوسرے انسان کا اطمینان نہیں تو کوئی چیز راحت نہیں دے سکتی۔ دنیا انسانوں سے ہے انسانوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور انسان کانٹوں سے۔

☆☆☆

وہ بس اسٹاپ کے قریب پہنچی ہی تھی کہ اس کے پیچھے ہارن ہوا۔ اس نے سر گھما کر دیکھا۔ شفیق بھائی ٹیکسی کی کھڑکی سے سر نکال کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"اجالا باجی! کہاں جا رہو..... دو بار ہارن پر ہاتھ مارا ہے۔"

وہ مسکرا دی۔ "کیسے ہیں آپ شفیق بھائی....."

"بہنوں کی دعائیں ہیں..... آؤ بیٹھو..... اگلے اسٹاپ پر چھوڑ دوں گا۔"

وہ دروازہ کھول کر پیچھے بیٹھ گئی۔ آتے جاتے اس کی شفیق بھائی سے سلام دعا ہو گئی تھی۔ وہ اکثر اسے بس اسٹاپ تک ڈراپ کر دیتے تھے۔ اس سے عمر میں کہیں بڑا تھے لیکن احتراماً باجی کہتے تھے۔ اچھا بھلا مانس انسان تھا۔ اپنا دل ہلکا کر لیتا تھا۔

"لگتا ہے آج چھٹی منانے نکلی ہیں۔" انہوں نے مذاقاً کہا۔ وہ ہنس دی۔

"ویسے تو میں بڑا نکما ہوں لیکن کبھی بھائی کی ضرورت پڑے تو شرم نہ کرنا اجالا باجی! جو ہو سکے گا تمہارا یہ بھائی کرے گا۔"

"کیوں نہیں شفیق بھائی....."

"پاکستان پیسے بھیج کر آ رہا ہوں۔ سوچا تھا آج چھٹی کر کے جی بھر کر سوؤں گا لیکن سارے پیسے بھیج کر میں پھر کنگال ہو گیا۔ پھر کیسا سونا، چلو ٹیکسی چلاؤ۔"

"آپ کو آرام کرنا چاہیے شفیق بھائی! اپنی صحت کا خیال کریں۔"

"ہماری صحتیں کتنی ہی خراب ہوں ہم کام سے ہاتھ نہیں روک سکتے۔ بخار میں بھی کبھی ٹک کر آرام نہیں کیا۔ اماں کی دی پرچیاں ختم ہی نہیں ہوتیں۔ ابھی فون کر کے آیا ہوں تو نئی پرچی مل گئی۔ ہمیں دو

روٹیاں کمانے کے لیے باہر بھیجتے ہیں اجالا باجی! پھر کتنے ہی سال گزر جاتے ہیں لیکن وہ دو روٹیاں پوری نہیں ہوتیں۔ ہماری کمائی میں برکت نہیں ہے یا ہماری نیت میں ہی کھوٹ ہے۔"

"نیت میں ہی کھوٹ ہے بھائی شفیق!"

شاید انہیں کوئی تازہ دکھ ملا تھا اس لیے اس کے بیٹھتے ہی شروع ہو گئے تھے۔

"جو بیٹا کمانے کے لیے باہر آتا ہے اس کی ساری ویلیو اس کی جیب میں آ جاتی ہے۔ دو سال پہلے میں پاکستان گیا تو ماں نے میرے ہاتھ سے بڑے لوگوں کو پیسے دلوائے..... کہتی اس سے ٹور بنتی ہے..... میں ایک چھوٹا سا پلاٹ لینے گیا تھا پر اتنا پیسہ خرچ ہو گیا کہ نہ پلاٹ لینے جوگے پیسے رہے نہ واپس لانے جوگے۔ ماں کو بھنک پڑ گئی کہتی تو نے اپنی پوٹلی الگ کر لی ہے۔ یہ تیری ماں کی دعائیں ہیں جو تجھے امریکہ کے رنگ لگے ہیں۔"

ماں نے اتنا رونا پیٹنا مچایا کہ میں نے بڑی مشکل سے اپنا گناہ معاف کروایا۔ پیسہ پیسہ پیسہ..... جس کے گھر گیا وہاں پیسے کا سوال۔ جس کسی کے گھر مہمان ہوا وہاں ڈالر کی کمائی کی بات۔ دعوتوں میں کھانے تو بڑے لذیذ بنتے تھے لیکن میرا منہ کڑوا ہی رہتا تھا۔

اجالا باجی! میرے بہن بھائی بجلی کا بیٹر جلاتے ہیں۔ جب میں یہاں آیا تھا تو اپنے سارے کپڑے پہن کر سوتا تھا۔ ہیٹنگ کا بڑا بل آتا تھا۔ میں چودہ سال سے پانچ لوگوں کے ساتھ ایک ڈربے میں رہ رہا ہوں۔ وہاں اماں نے کیا شاندار گھر بنایا ہے ہر کمرے میں ونڈو اے سی لگوایا ہے۔ پھر کہتی ہے گزارہ نہیں ہوتا۔ اجالا باجی! پاکستان میں روکھی سوکھی کھائی ہے اب مرغ مسلم پکتا ہے پھر بھی اماں کہتی ہے گزارہ نہیں ہوتا۔ یہ گزارہ کیسے ہوگا۔"

"صبر شکر کے ساتھ گزارے ہو جاتے ہیں شفیق بھائی! حرص کے ساتھ نہیں ہوتے۔"

"ٹھیک کہتی ہو اجالا باجی! یہ گورے جو سامان باہر پھینک دیتے ہیں، ان میں سے اپنے لیے ایک فوم کا گدا اٹھا کر لایا تھا۔ سات سال سے اس پر سو رہا ہوں۔ ماں سے کچھ کہوں تو کہتی ہے۔ "میرا دل تنگ ہے، خدا نے رزق دیا ہے تو دل بھی بڑا کروں۔ میں بہن بھائیوں کو کھلا کر راضی نہیں ہوں۔ اجالا باجی! بہن بھائی روٹی کھائیں، وہ تو میری بوٹیاں کھانے پر آ گئے ہیں۔ ماں نے میری ہڈیوں کا گودا تک نچوڑ لیا ہے۔ چودہ سال پردیس کاٹ کر بھی میرا بڑا دل کسی کو دکھائی نہیں دیا۔"

وہ ساری حقیقت سمجھتا تھا..... لیکن..... کچھ بے بسی میں تھا کچھ مجبوری میں۔ خون کے رشتے ہی خون پینے لگتے ہیں۔

"گھر کا تل خراب ہو جائے تو میرا چھوٹا بھائی وہ تل ٹھیک نہیں کرتا۔ اماں باہر سے آدمی بلوائی ہے۔ چھوٹے کو صاحب بنا کر رکھا ہوا ہے کہتی ہے کسی اونچے گھر سے بہو لاؤں گی۔ ہم نے یہاں کتوں کا گند تک اٹھایا ہے انہیں نہلایا ہے۔ اور وہاں میں گھاس کاٹی ہے۔ انگلش گالیاں سنی ہیں اجالا باجی! شروع میں لوڈنگ پر لگا تھا، سولہ سولہ گھنٹے اپنی پیٹھ پر بوجھ اٹھایا ہے۔ ایک وقت کھا کر دو وقت بچایا ہے تب یہ ٹیکسی لی ہے۔ کاغذات کے لیے بڑے پاپڑ بیلے ہیں۔ بڑے لوگوں کے جوتوں کو ہاتھ لگایا ہے۔ زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا میں، اس لیے بڑے دھوکے بھی کھائے ہیں۔ بچوں کی طرح رویا ہوں۔ اکیلا رویا، اکیلا چپ ہوا ہوں۔

بڑے زخم ہیں اجالا باجی! پر یہی سوچا کہ سکھ کے دن آ ہی جائیں گے۔ پر میری تو خزاں ہی نہیں کٹ رہی۔ خود ہی جلائی اور خود ہی تاپی ہے۔ کسی جمعہ چھٹی کر کے نماز پڑھنے چلا جاؤں تو اسے بڑی عیاشی مانتا ہوں۔ ان گوروں کے لنڈے سے جا کر گرم کپڑے لیتا ہوں اپنے لیے۔ ایک بار ٹی جیکٹ لی تو وہ مجھے کاٹتی رہی۔ سوچا چھوٹی بہن کے جہیز کی کوئی چیز آ جائی۔ ان چودہ سالوں میں تین بہنیں رخصت کی ہیں۔ یہ جہیز دیا ہے ماں نے۔ سب

ALIFADAB.COM
Watermarkly

سے پھر ڈاکٹر بن رہی ہے۔ اچھا اس کی فیس بچ کر آ رہی ہے۔ اللہ اللہ کر کے اس کے گھر والے بھی خوش رہے اجالا بولی۔ "لیکن وہ پڑھائی پر بھی نہیں بچھ رہی ہے۔ بڑی دادی کی فرمائش آئی ہے کہ اس کے ظہر کا کارڈ لے آؤں۔"

اجالا سوچ کر کے کسی رشتہ دار اس انسان کی طرح میں کسی ذرا جو پھیلے ہوئے پردہ ساتھوں سے کوئی کا کہہ رہا ہو اتنا۔ سے دوسروں کے لیے رہنما اور ایسے کوئی کے بارے اور کانوں پر بھی بس نہیں ہوتی تھی۔ پڑوسی کوئی کرنے والوں کے دکھ ان کی تکلیفوں کے پھر خوش ہر کے سنورے والوں سے ظاہر ہیں۔ لیکن جو تجاویز میں پیچھے ہیں انہیں کون پوچھے گا۔ اس کی سب کا سب آپ کو دکھائی دیتا ہے لیکن پڑوسی کے دکھائی نہیں دیتے۔

گھر کا سب سے بڑا بیٹا ہوں پولیس کا ہونے والا ہوں۔ انہیں سارے کا دوسرا کا تھا سب یہاں آتا تھا۔ راتیں رو کر کاٹی ہیں۔ دوسری تھا اجالا پاگل ہو گئی لوگوں کو اتنی تکلیف کی، اسے کیوں ہوئی ہے۔ ہم سے تو اپنے رہنے کر روٹی نہیں کھائی جاتی ہے تو اسے حق میں پھنس جاتے ہیں۔ یہ میرا سر دیکھو اجالا پاگل ہو گیا ہے۔ اس غصے سے ملک کی غصے میں جوانی میں کمی آئی ہے۔ میں نے بڑی صبر آزما راتیں گزاری ہیں۔"

اجالا گھبرا کر رو گئی۔

پڑوسیوں نے کتنے خون کے گھونٹ بھرے ہیں، کتنے صبر آزما موسم گزارے ہیں، کوئی کب جانے گا۔

بڑبڑ بڑبڑ

اس نے بلبل کی دی ساڑھی پہنی تھی اور بلبل نے اس کی دی شلوار قمیص۔ یہ اماں کی طرف کا جہیز میں رکھا سوٹ تھا۔ دوپٹے کے کنارے پر حریم کے ہاتھ سے باریک گوٹا کناری کی گئی۔ یہ بلبل کو بڑا پسند آیا تھا۔ اجالا نے اسے بتایا کہ پنجاب میں اسے [illegible]

لہرانے لگی۔

دونوں نے تھیٹر میں چاری چاپلن کی مووی دیکھی تھی۔ اجالا کو چاری چاپلن اچھا لگا۔ وہ کوئی بھی نہیں تھا اور ہنسا دیتا تھا۔ دونوں نے طے کیا اور ایک پارک میں بیٹھ کر باتیں کرتی رہیں۔ پندرہ دن پہلے گھر کے لیے فیس آئی تھی اور اسے کچھ پیسے پکڑا گئی تھی۔ اس بار وہ پیسے اتنے جمع پھیلانے میں کامیاب ہو گئی تھی جہاں سے پیسے غائب کرنے والے کے ہاتھ نہیں آئے تھے۔ وہ اسٹور سے ملنے والی کمائی خرچ نہیں کرتی تھی۔ وہ اس کمائی سے بہت کچھ سیکھ رہی تھی۔

بلبل کے سمسٹر کا رزلٹ آیا تھا اور وہ بہت خوش تھی۔ اس نے اجالا سے کہا کہ "پلو کھوتے ہیں۔ اسے ٹکا کو کی اونچی ہنڈیں زیادہ متاثر نہیں کرتی تھیں بلکہ اسے ان سے ڈر لگتا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے لگتا تھا یہ سب اس پر آ گریں گی۔ اس کا اسٹور ڈاؤن ٹاؤن میں ہی تھا۔ شاید اس لیے بھی اسے ڈاؤن ٹاؤن سے نفرت ہو گئی تھی۔ بلبل اپنے ساتھ کیمرہ لائی تھی۔ انہوں نے کئی جگہوں پر تصویریں بنائیں۔

"میرے ماما جی بڑے بھلے مانس انسان ہیں۔ کبھی تلخی سے بات نہیں کی۔ جب موقع ملتا ہمارا ہاتھ پکڑ کر بازار لے جاتے اور آئس کریم دلاتے۔ پھر رومال سے منہ صاف کرتے اور کہتے گھر جا کر نہ بتانا۔ ماسی نے ہمارے نوالے گنے ہیں۔ اجالا! اس کو بس نہیں چلتا تھا حلق میں ہاتھ ڈال کر ہماری سانسیں کھینچ لے۔ کمینہ ہے کمینہ۔ ماں گھر کا سارا کام کرتی تھی پھر بھی ہر وقت بڑبڑ کرتی رہتی تھی۔ ہم تین لوگوں کی روٹی اس پر بڑی بھاری تھی اجالا!"

بلبل کے سارے دکھ یتیمی کے دکھ تھے۔ بے گھری کے، دوسروں کے در پر آ رہنے کے۔ انسان کسی کا محتاج نہ ہو، کم ظرف کا تو پاگل نہ ہو۔

"باپ کے مرتے ہی بچوں کا بچپن ختم ہو

جاتا ہے۔ اشیر باپ کے بچے بڑی جلدی سمجھ دار ہو جاتے ہیں۔ ہم نے روٹی کے ٹکڑوں سے برتنوں کے پیندے صاف کیے ہیں۔ ماں جھوٹ بول دیتی کہ وہ کھا چکی ہے ورنہ جھوٹ [illegible] چالاکی راتی۔ میرا دل چاہتا تھا، ماں کا بھرم توڑ دوں۔

گھر میں کوئی خاص مہمان آ جاتا تھا تو ہمیں کوٹھوں کی کوٹھری میں چھپنا پڑتا تھا۔ پسینے سے بھیگ جاتے تھے لیکن باہر نہیں نکلتے تھے۔ مجھے اترن پہننا برا نہیں لگتا تھا لیکن جب میری ماں اترن پہنتی تھی تو میرا دل کٹ کر رہ جاتا تھا۔ ساڑھی کے پلو سے سب کچھ کہیں چھپتا اجالا! ٹینڈ میں بھی یتیم بچوں کی آنکھیں دیکھتی اور کان سنتے ہیں۔ میں نے اپنی ماں کی سسکیاں سنی ہیں۔ اس کے زخم دیکھے ہیں۔ سہاگن پر بیوگی کا ہی زخم کیا کم تھا کہ بے گھری کا دکھ بھی مل گیا۔ ماسی کی زبان پر کانٹے بچھے تھے جو ہر روز بڑھ جاتے تھے۔ اس عورت کی تیوری کے بل کبھی کم نہ ہوتے۔ وہ ہمیں بھوکا رکھتی لیکن انسان تو بھوکتی۔

روتے ہوئے ماں سے وعدہ کر کے آئی ہوں کہ ایک دن تمہارے لیے محل جیسا گھر بناؤں گی ٹھاٹ سے رہنا۔ اب ماسی کو پیسے بھیجتی ہوں تو ماں کو سکھ کے چار سانس نصیب ہوئے ہیں۔ بچپن میں بچے اتنے پیروں والی ڈائن سے ڈرتے تھے لیکن ہم بہنیں ماسی سے ڈرتی تھیں۔ چھوٹی کے تو کپڑے گیلے ہو جاتے تھے۔ اپنی چھوٹی کو آزادی دلانے کی بڑی تمنا ہے۔"

ہر وقت چہکنے والے بلبل بڑی ہمت والی تھی۔ اسکالرشپ پر پڑھنے آئی تھی۔ ماسی رات کو باب بند کر دیتی تھی، وہ باہر نکل کر کسی کھمبے کی لائٹ میں پڑھتی تھی۔ آس پاس کتے بھونک رہے ہوتے تھے۔ پلے لفنگوں نشیوں کا بھی ڈر رہتا تھا، لیکن ماسی کے در پر پڑے رہنے کا ڈر سب سے زیادہ تھا۔

کتاب کی جو چیزیں اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں انہیں وہ لفظ بہ لفظ یاد کر لیتی تھی۔ اس نے پوری پوری کتابیں پیج نمبر کے ساتھ یاد کر لی تھیں۔ پہلے اس کا خواب بڑے شہر جا کر نوکری کرنے کا تھا پھر اسے اسکالرشپ کے بارے میں معلوم ہوا تو اس نے اپنی سانسیں تک دبوچ لیں کہ جب تک اسکالرشپ نہیں لوں گی چین کا سانس نہیں لوں گی۔

پردیس کی تنگی نے اس کی صحت خراب کر دی تھی۔ پیٹ بھر کھانا تو اسے باپ کے جانے کے بعد کم ہی ملا تھا، یہاں بھی خوراک کی کمی نے اس کا حسن کملا دیا تھا۔ آنکھیں اندر کو دھنس چلی تھیں۔ لیکن آنکھوں کی چمک کبھی ماند نہیں پڑی تھی۔ اسے ہر حال میں اپنی منزل پانی تھی۔ ماں کو نئی ساڑھی دلانی تھی۔

دونوں ہتھیلیاں ہاتھوں میں ہاتھ دے کر گھومتی رہیں۔ شام کو وہ ایک کافی شاپ میں آ گئیں۔ بلبل بیٹھ چکی تھی اور وہ بیگ رکھ کر کرسی گھسیٹ رہی تھی کہ کونے کی میز پر بیٹھی سارہ پر نظر پڑی۔ شاید اپنی کسی دوست کے ساتھ بیٹھی تھی۔ سارہ نے بھی ان کو دیکھ لیا تھا۔ ہاتھ ہلا کر بلبل سے ہائے ہیلو کیا۔ وہ چلتی ہوئی اس کے قریب گئی ہی تھی کہ سامنے بیٹھی لڑکی جو بیگ میں کچھ ڈھونڈ رہی تھی، نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اجالا ٹھٹک کر رہ گئی۔

"یہ اجالا ہے..... اجالا! یہ عمیر ہے....."

سارہ نے صرف نام سے تعارف کروایا۔ عمیر نے فوراً اٹھ کر گرم جوشی سے ہاتھ ملایا، گال سے گال ٹچ کیا۔ لیکن وہ اتنی گرم جوشی نہیں دکھا سکی۔ سارہ نے اس کے لیے کرسی کھینچی کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئی۔

"شی از ویری پریٹی....." عمیر نے بے ساختہ کہا۔

"یس شی از..... ہمارے گھر کا فرشتہ ہے۔" سارہ نے بڑی محبت سے کہا تھا لیکن اجالا کو ایسا لگا اس نے طنز کیا ہے۔

عمیر کو تھوڑی سی اردو آتی تھی۔ اس نے اجالا سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن اجالا مختصر جواب دے کر خاموش ہو گئی۔

پھر وہ بلبل کے پاس آ گئی۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

"مجھے تمہاری یہ لڑکی بہت پسند ہے۔ لڑکی ہو تو ایسی، مر جائے پیار دے۔"

اجالا بڑی چپ سی ہو گئی تھی۔ ٹیبل پر انگلی سے لکیریں کھینچ رہی تھی۔

"وہ ساتھ والی لڑکی کون ہے۔ سارہ کی دوست۔"

"میرے شوہر کی چہیتی بیوی۔" اجالا نے سپاٹ انداز میں بتایا۔

بلبل نے سر ہلا دیا اور اٹھ کر کافی لینے چلی گئی۔ بہت پہلے وہ شہریار کے کمرے میں عبیر کی تصویریں دیکھ چکی تھی۔ یہ کالج کی کسی پارٹی کی تھیں۔ تب اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ شہریار کی بیوی عبیر کی تصویریں ہیں۔ بعد میں معلوم ہو گیا تھا۔ وہ تصویروں میں عبیر کی خوبصورتی دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔ اب سامنے سے اس کا حسن اور شخصیت کا جادو دیکھ کر مزید دنگ رہ گئی۔ ہر چیز میں اس کے نمبر کٹ رہے تھے۔ وہ دیسی جاہل کمزور اجالا تھی۔

وہ کن انکھیوں سے دور بیٹھی سارہ اور اس کے سامنے بیٹھی عبیر کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ اجالا سے خوب صورتی میں شاید کچھ کم ہی ہو گی لیکن اس کی شخصیت بہت زور آور تھی۔ عبیر اپنی پہچان رکھتی تھی۔ اس کے گھنے لمبے بال شانوں پر بکھرے تھے۔ اس کی آنکھوں کی چمک بیدار تھی۔ ہنسی سارہ تھی ویسی عبیر تھی۔ دونوں ہی جانتی تھیں، وہ کون ہیں۔

وہ کافی پینے لگی۔ بلبل کے ساتھ خود کو باتوں میں لگانے کی کوشش کی لیکن اس کی نظریں گھوم پھر کر عبیر کے بالوں پر ٹھہر جاتی تھیں۔ عبیر طلاق یافتہ لڑکی تھی اور اجالا شادی شدہ۔ گاؤں کی عورتوں کے حساب سے عبیر اجڑی ہوئی عورت تھی۔ بے چاری تھی۔ ماتھے نصیب والی۔ اور ان ہی کے حساب سے اجالا اپنے گھر میں جتنی بھی تنگ تھی لیکن بسی ہوئی تھی۔ گاؤں کی عورتیں عبیر کے سارے نمبر کاٹ لیتیں، اور اجالا کو پورے نمبر دیتیں کہ جیسی بھی ہو اپنے گھر کی تو ہے۔ اور یہاں اگر [illegible] سارہ اور عبیر

اس کے سارے نمبر کاٹ لیتیں کہ اتنا کچھ ہو جانے پر بھی گئی ہوئی ہو۔ گئی جاہل اور کمزور عورت ہو۔

امریکا کی جاہل اور کمزور عورت، گاؤں کی صابر اور ہمت والی عورت تھی۔ لیکن وہ خود اپنے کے لیے کیا کہتی۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ ایک دو بار عبیر نے اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تو مسکرا کر سر ہلا دیا۔ اجالا نے نظریں بدل لیں۔ اسے لگا کہ وہ دونوں اس بے وقوف سی اجالا کے بارے میں باتیں کر رہی ہیں۔

جس کے شوہر نے اس کے بال کٹوا دیے۔ جو اسے کتیا کہہ چکا تھا۔ اس کا سر دیوار میں دے مارا تھا۔ جو زبردستی اس سے شراب خانے کی جاب کروا رہا ہے۔ جو ایک دیہاتی لڑکی ہے۔ جس کی ساس اس سے گھر کے سارے کام لیتی ہے اور پیسے بھی چھین لیتی ہے۔ اسے لگا۔ دو پڑھی لکھی لڑکیاں اس کا مذاق اڑا رہی ہوں گی۔ سارہ اسے بتا چکی ہو گی کہ اجالا کے بال بھی لمبے اور خوب صورت تھے۔ لیکن وہ ان بالوں کو کٹنے سے بچا نہیں سکی۔ جو اسے گالی دیتا ہے، وہ اس جانور کے ساتھ رہتی ہے۔

واپسی پر سارہ نے دونوں کو ڈراپ کرنے کا کہا تھا۔ بلبل فوراً لپک کر پیچھے بیٹھ گئی تھی۔ سارا راستہ بلبل اور سارہ کالج یونیورسٹی کی باتیں کرتی رہیں۔ سارہ اسے کسی اسٹوڈنٹ یونین کے بارے میں بتا رہی تھی۔ کچھ فون نمبر بھی لکھوائے کہ ان سے رابطہ کر لینا۔ بلبل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سارہ سے آٹوگراف لے لے، وہ اسے اپنا مرید کرتی تھی۔ بلبل کو اتار کر وہ اپنے گھر کی طرف آ گئیں۔

"تمہیں اتنی منع نہیں کرتیں، تم شہریار کی پہلی بیوی سے ملتی ہو۔" اس نے بڑی اداسی سے کہا تھا۔

"تم نے دیکھ ہی لیا ہو گا کہ میں اپنی ماں کی کوئی بات نہیں سنتی۔ اگر ماں کی سننا شروع کر دی تو گھر میں ایک نہیں دو اجالا ہو جائیں گی اور اتنا اجالا ٹھیک نہیں ہوتا۔ ویسے بھی طلاق شہریار اور عبیر کی ہوئی تھی،

عبیر کی نہیں۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے اور ہم کبھی کبھی مل لیتے ہیں۔"

اسے اپنے دیہاتی ہونے کا شدت سے احساس ہوا۔ وہ کچھ بھی تو نہیں جانتی تھی۔ بھائی طلاق دے دیں تو ان بھابیوں سے ملنا ہے۔ بھابھی اچھی تھی لیکن بھائی نے زیادتی کی تھی، اس کا کھل کر اظہار کرنا ہے۔ اسے دنیا کی، اپنے حق کی، دوسروں کی زیادتی کی، کسی چیز کی کوئی خبر ہی نہیں۔ اسے شدت سے کمتری کا احساس ہوا تھا۔

"تم نے اسے میرے بارے میں کچھ بتایا۔" اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

گھر آ چکا تھا۔ سارہ نے گاڑی بند کی اور سر گھما کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

"کہ میں ایک جاہل دیہاتی لڑکی ہوں جو بہت بے وقوف ہے۔ جو اپنے شوہر سے گالیاں سنتی ہے، مار کھاتی ہے اور پولیس کو فون نہیں کرتی۔ اپنے گھر والوں کو بھی نہیں بتاتی۔" دو آنسو اس کے گال پر پھسل گئے۔

سارہ نے ایک دم سے بہت کچھ محسوس کر لیا۔

"میں تمہیں بہت پسند کرتی ہوں اجالا!"

"لیکن مجھے بے وقوف سمجھتی ہو..... ان پڑھ کمزور....."

"میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی تمہاری بے عزتی کرے۔ وہ میری ماں یا اس کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔"

سارہ کا یہ کہنا تھا کہ وہ سر اٹھا کر بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

"تمہارے ساتھ جو کچھ گھر میں ہوتا ہے، اسے دیکھ کر میں نے کالج کے بہت سے پروگراموں میں حصہ لینا چھوڑ دیا ہے۔ مجھے لگتا ہے میں بہت بڑی منافق ہوں۔ تمہیں نہیں بچا سکتی تو کسی اور کے لیے کیا کروں گی۔"

کہہ کر سارہ گاڑی سے باہر نکل آئی۔ اس کی چال بڑی سست تھی۔ اجالا کو لگتا تھا کہ صرف وہی ہاری ہوئی ہے۔ جبکہ ہار تو سارہ کی بھی تھی۔ اس کی کتابوں کی، اس کے نظریات کی۔ زیادتی کی دنیا میں عدل کی۔ چلتے چلتے سارہ نے رک کر اپنے پیچھے آنے والی اجالا کی طرف دیکھا۔

"بہت زیادہ نہیں لیکن میں تم سے محبت کرتی ہوں..... تمہاری تکلیف دل پر محسوس کرتی ہوں۔"

سارہ کا کھلا ہوا چہرہ مرجھا گیا۔ آنکھوں کی چمک دھندلا گئی۔ اجالا نے اس کی آواز میں شدت سے بے بسی محسوس کی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی اس کے قریب گئی اور اس کے گلے سے جا لگی۔ بازو پھیلا کر اسے سختی سے خود میں بھینچ لیا۔

"میرا ایسا کوئی نہیں ہے سارہ!"

☆☆☆

پہلے سال کی سردیاں اماں نے جیسے تیسے گزار لی تھیں۔ دوسرا سال شروع ہوا تو اماں نے دن نہیں گنتی شروع کر دی تھیں۔ ان کی بہن نے وعدہ کر کے آنی تھیں کہ سردیاں سردیاں دونوں یہاں آ کر مل جایا کریں گے۔ تایا جی نے مرمت کا کام کروایا تھا۔ گھر کی بیٹی پہلی بار شوہر کے ساتھ پردیس سے رہنے آ رہی تھی، کوئی کمی نہیں رہنی چاہیے تھی۔ اماں نے لحاف تیار کیے تھے۔ وہ ایسے کام سمیٹتی پھرتی تھیں کہ جیسے قمر اسے ہوائی اڈے لینے گیا ہو۔ نہ جانے کیسے انہوں نے یہ امید باندھ لی تھی کہ اجالا کسی دن اچانک ان کے سامنے آ کھڑی ہو گی۔ ٹھنڈی ہواؤں نے ماں کی ممتا کو گرما دیا تھا۔ سارے کام، ساری خوشیاں، اجالا آئے گی تو، کے گرد گھومتے تھے۔ ماں کی تیاریاں دیکھ کر ہر کوئی یہی پوچھتا۔

"کب آ رہی ہے اجالا؟"

"کب آ رہی ہو اجالا....." وہ اجالا سے پوچھتیں۔

اجالا گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔

"اماں! شہریار کو چھٹیاں نہیں ملیں۔"

ALIFADAB.COM
Watermarkly

"آپ کیسے چھٹیاں نہیں لیں گی وہاں تو سردیاں ہی چھٹیاں ہوتی ہیں۔"

اس کا بس چلتا تو وہ اسے اپنا مان لیتے اور سچ بتا دیتے کہ یہاں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ جو کچھ تھیں گاؤں میں بتایا تھا، وہ سب جھوٹ تھا۔

"اماں گوروں کی کمی مانی ہے چاہے تو دے دیں چاہے تو نہ دیں۔"

"آپ کیسے ... مل جائیں گی چھٹیاں میں بڑی دعائیں کر رہی ہوں۔ تم اپنی تیاری رکھو۔"

وہ پچھلے سال کی سردیوں سے سو طرح کے جھوٹ بولتی آ رہی تھی۔ شہریار تو سرے سے جاب ہی نہیں کرتا تھا اور اسے اسٹور سے آف نہیں مل سکتا تھا۔ سردیوں ہی اسٹور کا بیک ٹائم ہوتا تھا۔ چھٹیاں اس نے سکول کی چھٹیاں لیں کہ پکی ہوں گی اور سب کو بولوں گی۔ چھٹی کرو اور ہر دن کی سیلری کٹواؤ۔ سردیاں شروع ہوتے ہی وہ تو ویک اینڈز تک اسٹور جا رہی تھی۔ یہ سارے معاملات شہریار دیکھتا تھا، وہ تو اسے چند گھنٹے کا آف نہیں لینے دیتا تھا۔ ان دنوں اسے خاص تپ چڑھی تھی۔

"آپے! پھوپھی نے شور ڈالا ہوا ہے بڑی مشکل سے اسے روکا ہوا ہے اپنے آنے کا بتا کہ میں پھوپھی کو تو قرار دوں۔"

عابدہ دو تین بار اس سے کہہ چکی تھی کہ آنے کا بتاؤ کہ میں شادی کی دن تاریخ ٹھکانے لگوا دوں۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنی پھوپھی کو ٹالا ہوا تھا۔ ایک بار بات اتنی بڑھ گئی کہ عابدہ نے پھوپھی کا لایا شگن ٹرنک سے نکال کر سامنے رکھ دیا۔

"ایک ہی میری بیٹی ہے ... مجھ سے تو اس کے بغیر روٹی نہیں چڑھا جاتا۔"

عابدہ کی ماں نے اس کی اچھی دھلائی کی لیکن وہ باز نہیں آئی۔ سگیتر نے کچھ لحاظ دکھایا اور ماں کو سمجھایا کہ "پھوپھی جہاں اتنا عرصہ رکے رہے ہیں اور رک جاتے ہیں۔ آنے دو اجالا کو۔" اجالا کو یہاں [illegible] جھوٹ بولے۔ ایسا کون سا بہانا بنائے کہ بھرم بھی رہ جائے اور پول بھی نہ کھلے۔

"عابدہ ضد نہ کر ... اب پھوپھی آ رہی ہے تو تاریخ رکھنے دینا۔"

"آپے! مذاق ہے تو ٹھیک ہے پر اتنا مذاق نہ کر میرے دل پر ہاتھ پڑتا ہے۔"

"عابدہ پردیس کے بڑے مسئلے ہوتے ہیں۔"

عابدہ کی طرف خاموشی چھا گئی۔

"تو اپنی بات کر" اس نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

ایک گہرا سانس بھر کر اس نے طے کیا کہ اسے صاف بات کرنی چاہیے۔

"عابدہ! میں نہیں آ سکتی ..."

"کیوں"

"یہاں کے کچھ قانونی مسئلے ہیں مجھے ابھی کچھ نہیں ... شہریار نے بڑی کوشش کی لیکن بات نہیں بنی۔"

عابدہ نے بڑا گہرا سانس اندر اتارا تھا۔

"ایک بات بتا اجالا! شادی کے کتنے دنوں کے بعد تو نے گھر کے کاموں میں ہاتھ ڈالا تھا۔"

"ایک مہینے بعد"

"اور جھوٹ کب بولنا شروع کیا تھا؟"

سناٹا۔

"عابدہ! گھروں میں کئی طرح کے مسئلے ہوتے ہیں ..." اس نے بڑی کمزور آواز سے بہت کچھ کہنا چاہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے ... تو شادی شدہ ہے پھر پردیسن ہے ... جا تجھے معاف کیا۔"

عابدہ کی آواز میں اتنی گہری کسک تھی کہ اجالا کا دل کٹ کر رہ گیا۔ عابدہ نے فون بند کر دیا تھا۔ اس نے دوبارہ کال کی۔ حریم سے بات ہوئی۔

"آپے! کیا کہا ہے اسے؟ چپ دروازے سے باہر نکل گئی ہے ... سب روکتے رہ گئے۔"

وہ رات اس نے رو کر گزاری۔

اتنی کئی راتیں سسک کر گزاریں۔

کہتے ہیں کھوٹی کی مائی چل بسی۔

ہائے کی اماں کی چھت گر گئی۔

مسائی کا پوتا نہر میں ڈوب گیا ... گاؤں میں بڑا سوگ رہا۔

کوہلو کا ایک بیل بیمار رہ کر مر گیا۔ چاچے نے بڑا دکھ کیا، چارپائی سے جا لگا۔

اور بھی بہت کچھ تھا۔ جاتے ہوئے جو جہاں ملا تھا اتنی دور سے سنا تو ٹکڑے ٹکڑے ہوا ملا۔

☆☆☆

سردیاں سردیاں عابدہ کی شادی ہو گئی۔ لیکن اماں کی دعائیں نہ رہیں کہ اللہ ان گوروں کو ہدایت دے، میری بچی مجھ سے ملنے آ جائے۔ سردیاں تھیں تو اماں کی دعائیں آس میں بدل گئیں۔ کہتی تھی جو چھٹیاں سردیوں میں نہیں دی وہ گرمیوں میں دے دیں گے۔ اس نے بڑے جتن کر کے اماں کو سمجھایا کہ یہاں ایسا نہیں ہوتا۔ اپنی مرضی سے چھٹیاں کرنا مطلب کام سے ہاتھ دھو بیٹھنا۔

"بڑی مشکل سے نوکری ملتی ہے اماں! شہریار کہہ رہا ہے، چلتے ہیں پھر دیکھ لیں گے جو ہوگا۔"

آج نہیں تو کل، شادی شدہ بیٹی فراٹے سے جھوٹ بولنا سیکھ جاتی ہے۔ اماں نے بڑا گہرا سانس لیا تھا۔

"نہ پتر! رزق چھوڑ کر نہ آنا ... ناشکری ہوتی ہے۔ میں تو کمی ہوں ... پلک جھپکوں تو سردی گرمی آ جاتی ہے۔"

انتظار کرنے والوں کی پلکیں جھپکنے سے موسم نہیں بدلتے۔ ان کے موسم تو اور طویل ہو جاتے ہیں۔ اس نے اپنی ماں کو کیسے بے وقوف بنا دیا تھا۔ لیکن سچ بھی کیسے بتاتی۔ کیا بتاتی کہ شہریار سرے سے کوئی کام ہی نہیں کرتا۔ اس کا پاسپورٹ اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ ایک مہینہ جانے کا مطلب تھا ایک مہینے کی سیلری سے محروم ہونا۔ آنٹی اس کی بوٹیاں نوچ لیتیں۔ اس نے عابدہ کی شادی کے لیے بڑی رقت سے آنٹی سے کہا تھا کہ اگر وہ اسے ایک مہینے کے لیے جانے دیں۔

"اپنے شوہر سے پوچھو اور چلی جاؤ۔ آتے ہوئے اپنے تایا سے پیسے لیتی آنا۔ فصل اچھی ہوئی ہے ان کی۔"

وہ آنٹی کا منہ دیکھتی رہ گئی تھی۔ وہ اس نئی فرمائش سے اتنا ڈر گئی کہ دوبارہ پاکستان جانے کی بات نہیں کی۔ وہ جاتی اور آنٹی تایا جی کو فون کرتیں کہ اجالا کے ہاتھ پیسے بھیج دینا۔ پھر وہ ان شراب خانے کے بالوں کے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہاں کس کس کو جواب دیتی۔ کیا چھپاتی، کیا بتاتی۔

عابدہ کی شادی کا دن اس نے اسٹور سے بھاگ کر گزارا تھا۔ وہ شیشے کا بڑا دروازہ کھول کر اندر گئی اور پھر پیر پیچھے گھسیٹ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔ اسٹور کی منیجر اسے دیکھتی رہ گئی۔ وہ بلبل کی یونیورسٹی چلی گئی۔

"سب ٹھیک ہے اجالا!" وہ اسے ایسے دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"ہاں ..." اس نے مسکرا کر کہا۔

"ایسے اچانک آ گئی ..."

"فلم دیکھیں۔"

بلبل حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کچھ تھا اس کے چہرے پر ... پر کیا ...

"کون سی مووی ..."

"وہی لمبے کوٹ اور چھوٹی مونچھوں والے کی ... چارلی چپلن کی۔"

"تمہیں وہ اتنا اچھا لگا ہے۔"

"ہاں ... وہ بڑا ہنساتا ہے ..."

چارلی اسے بڑا ہنساتا رہا۔ وہی چارلی جس نے کہا تھا کہ مجھے بارش میں چلنا پسند ہے کہ یہ میرے آنسوؤں کو چھپا لیتی ہے۔ وہ اتنی شدت سے ہنستی رہی کہ بلبل اسے کئی بار اچنبھے سے دیکھ کر رہ گئی۔ پھر اس نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔

"اگر کوئی ایسے بہت زیادہ ہنسے تو اس کا

ALIFADAB.COM
Watermarkly

مطلب ہوتا ہے وہ بہت زیادہ رونا چاہتا ہے۔" بلبل نے بڑی اداسی سے کہا تھا۔

اس نے گہرا سانس بھر کر ناں میں سر ہلا دیا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے بلبل۔"

"شاید تم ڈپریشن سے گزر رہی ہو۔"

"وہ کیا ہوتا ہے۔"

"کوئی صدمہ پہنچے تو انسان....."

"چھوڑو کتابی باتیں..... تم میرے ساتھ گھر چلنا، میں تمہیں کچھ پکا کر کھلاؤں گی۔"

"نہ جی! مجھے تمہاری ساس سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ بڑا گھور کر دیکھتی ہے۔"

"تم بھی گھور لینا....."

"تمہاری ہمت ہے جو اس کے ساتھ رہتی ہو۔"

"ہاں! میری بڑی ہمت ہے۔" آنسوؤں کا گولہ حلق میں اتارا۔

"تمہیں گھر یاد آ رہا ہے؟"

بلبل نے ایک اور کوشش کی۔ اس نے ناں میں سر ہلا دیا۔ اسے تو وہ رہ کر امریکا میں اپنا پہلا دن یاد آ رہا تھا۔ اس کے سر پر دوپٹہ تھا، شانوں پر چادر پھیلی تھی۔ وہ شہریار سے ملنے کے لیے بے تاب تھی۔ وہ گھر والوں کے لیے اداس تھی۔ وہ اندھیرا جو اس کے اندر اتر رہا تھا اور وہ سوال جو اس نے خود سے کیا تھا۔

"یہ میں کہاں آ گئی....."

یہ وہ کہاں آ گئی۔

☆☆☆

وہ کئی دن بڑی چپ رہی۔ وہ خود اس چپ کی وجہ نہیں سمجھ سکی تھی۔ بولنے اور سننے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ سوتی تھی تو اٹھنے کی ہمت نہیں رہتی تھی۔ بس لحاف میں منہ دے کر پڑے رہنا چاہتی تھی۔ بلکہ اسے کوئی ایسا کونا چاہیے تھا جہاں وہ خود کو بند کر لیتی۔ ہر آواز اسے تکلیف دیتی تھی۔ روشنی اس کی آنکھوں میں چبھتی تھی۔ [illegible] نے اس کے لیے کانٹا تھی۔ اسے زخمی کر رہی تھی۔ لیکن اسے ہر روز اٹھ پڑتا تھا۔ ناشتہ بنا کر آنٹی کو دینا۔ لنچ باکس تیار کرنا۔ ویک اینڈ پر گھر کی صفائی کرنا، لانڈری کرنا، اپنے کمرے کی گروسری کر کے آنا۔ پورا کچن ایسے تیار رکھنا کہ باقی کے پانچ دن آسانی سے گزر جائیں۔

فون کیا تو بڑی جلدی بند کر دیا۔ آواز کیا اس کے کان میں شور کرتی تھیں۔ اماں بولتی رہتیں اور ہوں ہاں کرتی رہتی۔ فون رکھنے کے بعد اسے یاد نہیں رہتا تھا کہ اماں کیا کہتی رہی تھیں۔ سارہ نے ایک دو بار غور سے اسے دیکھا اور کہا کہ وہ اسے ٹھیک نہیں لگ رہی، کچھ ہوا ہے۔ اس نے سر ہلا دیا کہ میں ٹھیک ہوں۔ اس کے لیے عام معمول کے کام کرنا بڑا مشکل ہو چکا تھا۔ میک اپ کرنا اور سرخ لپ اسٹک لگانا۔ اپنے نمبر کی بس میں بیٹھنا۔ اسٹاپ پر اتر جانا۔ چل کر اسٹور جانا۔ سارہ ایک دن چن پیچ لے کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس سے کچھ سوال پوچھنے شروع کیے۔

"تمہارا رونے کو دل چاہ رہا ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"اجالا! مجھ سے سچ بولو..... پلیز....."

"میں ٹھیک ہوں۔" یہ جھوٹ تھا نہ سچ۔ اسے خود اندازہ نہیں تھا کہ اس کا دل چاہتا کیا ہے۔

"تمہارے سر کے اس حصے میں درد ہے..... کندھے بھاری ہیں....." اس نے دونوں جگہوں پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"نہیں۔" یہ اس نے جھوٹ کہا تھا۔

"بینائی دھندلی ہے..... جیسے اندھیرا اندھیرا سا ہو..... آنکھوں میں جالا سا بنتا ہے؟"

"مجھے سب صاف دکھائی دے رہا ہے۔"

"تمہارا کھانے پینے سونے جاگنے نہانے، عام سا کام کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا؟"

"میں سب کام آرام سے کر رہی ہوں۔"

"تمہارا فوکس خراب ہے؟ ایک کام کو بہت دیر سے مکمل کرتی ہو۔ تمہیں بات سمجھنے میں وقت لگتا ہے۔ کچھ یاد نہیں رہتا؟"

"سب ٹھیک ہے سارہ!" چڑ کر کہا۔

سارہ نے پیپر کو پٹخ دیا۔

"تم ڈپریشن سے گزر رہی ہو۔ میری کوئی بات نہ مانو لیکن صرف ایک بات مان لو۔ کہیں جا کر خوب رو لو۔ گالیاں دینا چاہتی ہو دے لو۔ جو چھپا کر رکھا ہے، اسے باہر نکال دو۔ کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنا تو تم کر سکتی ہو۔ اس لیے نہیں کہ تمہارے مسئلوں کے حل کسی کے پاس نہیں ہیں اس لیے کہ تمہیں خود کو ٹھیک کرنا ہے۔ جتنا باہر نکال سکتی ہو باہر نکال دو..... تمہاری انشورنس اسکائزمٹ کور نہیں کرے گی۔ تمہیں تھراپی کی ضرورت ہے۔ میں تمہاری کونسلنگ کر سکتی ہوں لیکن تم میرے ساتھ تعاون نہیں کر رہیں۔ تمہیں ذہنی اور جسمانی ریسٹ کی ضرورت ہے۔ جو تمہیں یہاں کوئی کرنے نہیں دے گا اور تم خود بھی کوشش نہیں کرو گی۔ اجالا امیری پروفیسر بھی ہیں، کسی کے نہ ہو لیکن اپنے ضرور بن جاؤ..... اپنی بن جاؤ اجالا!"

وہ سب کی تھی لیکن اپنی نہیں تھی۔ وہ چپ سارہ کو سن رہی تھی۔ سارہ اور اس کی کتابی باتیں۔ بچی ہے سارہ۔

"تمہیں آدھے سر کا درد تو نہیں؟ مائیگرین؟"

اس نے شدت سے سر ناں میں ہلایا۔ جبکہ اکثر اس کے سر کی حالت خراب رہتی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ عورتیں سب سے زیادہ سر کا درد ڈیلیپ (develop) کرتی ہیں۔ یہ درد مائیگرین میں بدل جاتا ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ عورتیں مائیگرین کا شکار ہوتی ہیں۔ لمبی معیاد کے ایکس سہتی ہیں۔ اور ایک بڑی تعداد ساری عمر کے لیے اس تکلیف پر آ جاتی ہے۔ وہ مرتے دم تک اس جان لیوا درد سے گزرتی رہتی ہیں۔"

وہ سارہ کو سننے اور سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آخر وہ کہنا کیا چاہ رہی تھی۔

"یہ دوا کھا لو..... کچھ بہتر فیل کرو گی۔" سارہ نے اس کی طرف بڑی اور دوا دی۔ پانی کا گلاس بھی دیا۔

پانی کے ساتھ اس نے دوا کھا لی۔ باقی میں آ کر وضو کی تیاری کرنے لگی۔ آنٹی نے اپنی فرینڈز کو گھر بلایا تھا، اسے ان کے لیے ڈنر تیار کرنا تھا۔ یہ عورتوں کے سروں پر [illegible] جاتا ہے۔ گھر گھر پر اپنی بڑی عورت کراتی ہے۔ ان کے ہاتھوں سے چیزیں گرنا معمول ہو جاتا ہے۔ چیزیں رکھ کر بھولنا عام رہتا ہے۔ ساری آوازیں سننا اور کسی بھی آواز کا مطلب نہ سمجھ پانا، ان کا حصہ رہتا تھا۔ اس لیے انہیں وہ دو تین تین بار [illegible] پڑتا ہے۔ سمجھانا پڑتا ہے۔ تم پاگل ہو گئی ہو، کہنا پڑتا ہے۔

پہلے تو ابھی بھولی تھی۔ پتا نہیں کیا ہو گیا۔ انہیں خود بھی پتا نہیں چلتا کہ پہلے تو ٹھیک تھیں، اب کیا ہو گیا۔

اس نے تیمے میں مسالا ڈالا اور اسے انگلیوں سے یک جان کرنے لگی۔ آنکھ کے کناروں پر جھریاں نکل آئی ہیں۔ یہ جھریوں کی عمر تو نہیں۔ جھکتے ہوئے، اٹھتے ہوئے آہ نکل جاتی ہے۔ یہ کمر کے درد نہیں کمر تو درد ہیں۔ ان کی عمر نہیں ہوئی ان کے سکھ چلے گئے ہیں۔ ریڑھ کی ہڈی کے مہرے نہیں کھسکے ہیں بلکہ کے خلیے بھک گئے ہیں۔ کہتے ہیں ڈیزائن پلیٹیں مل جائیں تو ڈرائیو آتا ہے بڑی تباہی ہوتی ہے۔ ڈیزائن یہ بہت بار آتی ہیں، ڈرائیو اس کی اسٹیج میں آتے ہیں۔ بڑی خاموش تباہی ہوتی ہے۔ کوئی پیار اتنا کڑوا نہیں ہوتا کہ اسے کاٹتے ہوئے آنکھیں نمی کی ہو جائیں۔ پلاؤ کو دم لگاتے وہ سب کے لیے اٹھتے بیٹھتے، ڈرائنگ میں چکر لگاتے، چیزوں کو اون میں رکھتے، وہ آنکھیں سے آنکھیں صاف کرتی رہی۔

رات ایک بجے سارا کیس سمیٹ کر، واش واشر کا بٹن دبا کر وہ گارج لے کر باہر نکلی۔ آنٹی سو چکی تھیں۔ شہریار بھی سو چکا تھا۔ سارہ اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ اور وہ گارج روم کے پاس کھڑی انگلیوں سے [illegible]

ALIFADAB.COM
Watermarkly

ہو ہو ہو ہو

کون اس گھر کی دیکھ بھال کرے
روز اک چیز ٹوٹ جاتی ہے

شام ہونے کو تھی۔ شکا گو ڈاؤن ٹاؤن روشنیوں میں ڈوب جانے کو تھا۔ آج دن کافی روشن رہا تھا۔ اسے یہ دن بہت طویل لگا۔ اسے اسٹور پر کام کے سارے دن ہی طویل لگتے تھے۔ وہ بار بار ایسے وقت دیکھتی تھی جیسے قید سے رہائی ملنی ہو۔

شروع میں منیجر اسے بار بار حیرہ کرتی تھی کہ وہ سوچوں میں گم نہ رہا کرے اور کام پر توجہ دیا کرے۔ یہ اس کا گھر نہیں ہے جہاں کافی کے مگ کے ساتھ وہ ماضی کے سفر پر جا سکتی ہے۔

اس کی منیجر کافی تنگ مزاج عورت تھی۔ اس کی بھنویں ہمیشہ انداز میں تنی رہتی تھیں۔ اس کے چہرے سے کبھی ہنسی نہیں گئی تھی۔ اسٹور پر کام کرنے والی لڑکیوں کا کہنا تھا کہ وہ دنوں میں لڑکیوں کو ٹریننگ کر دیتی ہے۔

ٹریننگ سے ان کا مطلب تھا سیدھا کر دیتی ہے۔

وہ ان لڑکیوں کو کیا بتاتی کہ اس منیجر سے کہیں بڑی منیجر اسے گھر میں میسر ہے۔ اس نے ایک ہی رات میں اجالا کو سیدھا کر دیا تھا۔ پھر اس منیجر نے شہریار کو بلا کر اس کی شکایتیں کیں۔ اور شہریار نے بھی ایک ہی دن میں اسے ٹرینڈ کر دیا تھا۔ وہ ان سب لوگوں کی ٹریننگ یاد کرتی تو ہنسی سے ہنس دیتی۔ کسی سے سنا تھا کہ پردیسی ملکوں کا ایسا کنسٹرکٹ ہوتا ہے جس کے لیے سیدھی انگلیوں کو زحمت ہی نہیں دی جاتی۔ اس کے لیے انگلیوں سمیت ہر چال الٹ دی جاتی ہے۔

وہ اسٹور سے باہر نکلی تو فٹ پاتھ پر ست روی سے چلنے لگی۔ اسے اسٹور سے نکلنے کی جلدی ہوتی تھی لیکن گھر جانے کی نہیں۔ سڑک پر ٹریفک رواں تھی۔ دور سے سائرن کی آواز آئی تھی۔ یہ آواز ڈاؤن ٹاؤن کا حصہ تھی۔ [illegible] سائرن کون کر اس کے اندر ہول اٹھنے لگتے تھے۔ وہ زیر لب سورتیں پڑھنے لگتی تھی۔ وہ گاؤں سے شہر جاتی تھیں اور ایمبولینس گزر جاتی تھی تو بے ساختہ "اللہ خیر رکھے" کہتیں، دعا میں پڑھتی تھیں۔ اب یہاں یہ سائرن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اتنی آگ کہاں لگی ہے۔ یہ آگ..... اتنی آگ.....

وہ چلتی جا رہی تھی کہ اپنے نام کی پکار پر ایک دم سے رک گئی۔

"اجالا....."

کسی نے بڑی شدت اور چاہت سے پکارا تھا۔ آواز بڑی تیز اور جوشیلی تھی۔ اس نے رک کر آواز کی سمت دیکھا۔ ٹیکسی کی کھڑکی سے سر نکال کر سلطان اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ خوشی سے اس کی آنکھیں دمک رہی تھیں۔ اجالا کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ ایک قدم لڑکھڑا گئی۔ کاش وہ کہیں چھپ سکتی۔ کاش وہ اسٹور سے دس منٹ دیر سے نکلتی۔ کاش وہ ذرا تیز چلتی تو اب تک بس میں بیٹھ چکی ہوتی اور سلطان کی ٹیکسی نکل جاتی۔ وہ اسے پہچان نہ لیتا۔ وہ اسے آواز نہ دیتا۔

اپنی طرف کا دروازہ کھول کر وہ تیزی سے باہر نکلا اور لپک کر اس کی طرف آیا۔ وہ کتنا خوش تھا۔ دوسرے دروازے سے نکلتی اپنی بیوی تک کو بھول گیا تھا۔ وہ چادر سنبھالتی، بیگ کندھے پر جماتی، حواس باختہ انداز میں شوہر کے پیچھے آ رہی تھی۔

"اجالا....."

اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر دمکتے چہرے کے ساتھ سلطان نے کہا۔ پردیس میں اپنے دیس کی، اپنی اجالا کے مل جانے کی خوشی اس کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی۔

"لو جی مل گئی ہمیں اجالا!"

پیچھے گردن موڑ کر بیوی سے کہا۔ دونوں میاں بیوی خوشی سے نہال تھے۔ اور وہ چپ تھی۔ ٹیکسی نے ہارن دیا تو وہ بھاگ کر واپس گیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر پیسے نکال کر دیے۔ وہ اتنا خوش تھا کہ خوشی

سے لرز رہا تھا۔ حریم اسے بتا چکی تھی کہ سلطان امریکا آیا ہوا ہے۔ تمہارے گھر کا فون نمبر لے گیا تھا مجھ سے۔ تین دن سے مسلسل گھر کے نمبر پر سلطان کی کال آ رہی تھی۔ وہ اسٹور کے لیے نکل رہی تھی کہ فون آیا تھا۔ پاکستان سے فون رات کو آتا تھا۔ آنٹی کے فون ویک اینڈ پر آتے تھے۔ اس نے فون اٹھایا تو سلطان کی آواز آئی تھی۔

"ہیلو اجالا....."

وہ وہیں چپ رہ گئی تھی۔ اس نے گہرا سانس لیا اور جس لہجے میں اسٹور میں بات کرتی تھی اس انداز میں انگلش میں کہا تھا۔

"رانگ نمبر....."

آگے خاموشی چھا گئی تھی۔ پھر اس نے فون کا تار نکال دیا تھا۔ سارہ سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ فون اٹھائے کوئی اس کا پوچھے تو رانگ نمبر کہہ دے۔ سارہ نے کچھ پوچھنے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر خاموش رہ گئی۔ سمجھا دیا کہ ٹھیک ہے۔ وہ زیادہ دنوں کے لیے یہاں نہیں آیا تھا۔ گھر واپس جا کر وہ تار لگا دیتی تھی۔ پھر اس کے کان فون پر لگ جاتے تھے۔

"میری بیوی نرگس سے ملو....."

سلطان کتنا خوش تھا۔ کیوں تھا۔

وہ کتنی چپ تھی۔ کیوں تھی۔

نرگس لپک کر اس کے گلے سے آ لگی۔ اسے بھینچ لیا۔ اس نے بھی دیر تک اسے اپنے ساتھ لگا کر رکھا۔ دونوں الگ ہوئیں تو دونوں کی آنکھوں میں نمی تھی۔ نرگس کی خوشی سے نم تھیں۔ اجالا کی اداسی سے۔

سلطان کی بیوی کے بال اجالا کے بالوں سے زیادہ لمبے تھے۔ کمر سے نیچے تک لمبی چوٹی گندھی تھی۔ ٹی وی ڈرامے دیکھ دیکھ کر انہوں نے بالوں کا ایک فیشن سیکھا تھا۔ بالوں کی مانگ نکال کر دونوں طرف سے بال اٹھا کر بل دے کر پن لگانے کا۔ پھر ڈھیلی چٹیا کرنے کا۔ اجالا ہمیشہ اپنے بالوں کو ایسے سنوار کر رکھتی تھی۔ اماں کہتیں اس پر یہ ڈھب بڑا پیارا لگتا ہے۔ گاؤں کی لڑکیوں میں یہ انداز بڑا مقبول تھا۔ نرگس نے بھی ویسے ہی بال بنائے تھے۔ ان کے لیے تو ٹھنڈ ختم ہو چکی تھی لیکن اس نے اپنے جہیز کی موٹی ستاروں والی کوئی پر سرخ شال شانوں پر پھیلا رکھی تھی۔ وہ پہچان گئی، یہ پھوپھو کی شال تھی۔ اپنی لاڈلی بہو کو دی ہو گی۔ سر پر دوپٹہ لیا ہوا تھا۔ اجالا سال پہلے اجالا اس حلیے میں امریکا آئی تھی۔ [illegible] ایئرپورٹ پر آنے والی اجالا لگ رہی تھی۔

[illegible] تھی، پھوپھو نے تم سے زیادہ خوب صورت بہو ڈھونڈی ہے۔ ہاں وہ اجالا سے کہیں زیادہ خوب صورت تھی۔ بھولی بھالی تھی۔ بچوں کی طرح ہنس رہی تھی۔ آنکھیں ستاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ امریکا سے ڈری ہوئی لگتی تھی، اپنے شوہر کو بازو سے پکڑ رکھا تھا کہ میں نہ جاؤں۔ بھولپن سے سلطان کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ سلطان نے کہا "یہ ہے تمہاری اجالا باجی۔" تو بھاگ کر اس کی طرف آئی تھی۔

"میں نے کہا ہم اجالا باجی سے نہ ملے تو یہاں آنے کا کوئی فائدہ نہیں۔" بڑی معصومیت سے بتا رہی تھی۔

☆☆☆

وہ نرگس کا ہاتھ تھام کر چلنے لگی۔ تینوں کو ایک کافی شاپ میں لے آئی۔ وہ آؤٹ ڈور میں میز کرسی پر بیٹھ گئے۔ سامنے سڑک پر رہی تھی۔ بلڈنگیں ان کے سر پر کھڑی تھیں۔ وہ کتنی ہی بار اپنے کوٹ کا اوپری بٹن ٹٹول چکی تھی کہ اس کا سرخ رومال دکھائی نہ دے جائے۔ اس کی ہیل کو نرگس نے کچھ حیرت سے دیکھا تھا۔ شاید اس کی شہرت اس تک بھی پہنچی تھی کہ وہ اجالا باجی کو دیکھنا چاہتی تھی۔ ملنا چاہتی تھی۔

پھوپھو اس سے پیار کرتی تھیں، کچھ درد انہوں نے بھی بتائے ہوں گے۔ اس کی شادی کی تصویریں دیکھی ہوں گی۔ اس کے شہزادے شوہر کی خبریں اس نے بھی سنی ہوں گی۔ شادی کی شان و شوکت سے وہ بھی متاثر ہوئی ہو گی۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

تایا جی نے کہا تھا اجالا نہ سہی حریم سہی لیکن پھوپھو نے انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے بڑا دکھ اٹھایا تھا۔ وہ اجالا کی شادی میں بڑے بوجھل دل کے ساتھ شریک رہی تھیں کہ لوگ یہ نہ کہیں بھتیجی سے حسد ہو گیا۔ پھر انہوں نے خاندان سے کسی لڑکی کا رشتہ نہیں لیا تھا۔ تایا جی نے منانے کی کوشش کی لیکن پھوپھو بس چپ ہی ہو گئیں۔ گاؤں آنا جانا بھی بند کر دیا تھا۔ سلطان کے استاد کی بیٹی کا رشتہ لیا تھا۔ سلطان کی شادی میں سب گئے لیکن پھر بھی وہ بات نہیں بن سکی۔ دیواریں گر جائیں تو نئی بن جاتی ہیں۔ مان ٹوٹ جائیں تو پھر نہیں بنتے۔ پھوپھو کو بڑا مان تھا تایا جی پر۔

"پھوپھو کیسی تھیں۔"

"ٹھیک تھیں۔ ہم یہاں آ رہے تھے تو رونے لگیں۔ کہتی ہیں زندگی موت کا کیا پتا ہے یہ نہ ہو تم واپس آؤ تو میں زندہ نہ ہوں۔" نرگس نے بڑی اداسی سے بتایا۔

"یہ بھی کملی ہے اور اس کی ساس بھی..... میں لندن گیا تھا تب بھی اماں یہی کہتی رہی کہ جو ایک بار پردیس گیا وہ مڑ نہ آیا۔ اب بھی کہہ رہی تھیں کہ وہیں نہ رہ جانا۔ لو بھلا میں کوئی یہاں رہنے آیا ہوں۔"

"ہاں! تم پردیس نہ رہنا۔" اجالا نے دونوں کی طرف بڑی محبت سے دیکھا تھا۔

"ہم سے تو ایک پردیس ہی نہیں دیکھی جاتی..... ہر خوشی کی میں یاد آتی ہے۔"

سلطان بڑی چاہت سے بتا رہا تھا۔ اس کی بیوی سر ہلا رہی تھی۔

"پھوپھو تو بڑی پیاری بہو لائی ہیں۔"

اس نے قریب بیٹھی نرگس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ نرگس ایسے شرما گئی جیسے کل کی دلہن ہو۔

"اس کی تو سہیلی ہیں..... میری شکایتیں کرتی رہتی ہے اماں سے۔ کہتی ہیں میری بہو کو وہاں گم نہ کر دینا۔ تم سہیلیوں میں لگے رہتے ہو اور یہ کہیں ادھر ادھر ہو جائے۔ پتا نہیں اماں کے کتنے کان بھر دیے کہ میں سیموں کو ٹھوکتا ہوں۔" سلطان نے ہنس کر کہا۔

وہ دونوں میاں بیوی کو دیکھ کر مسکرا کر رہ جاتی۔ کبھی اپنے لب کاٹتی۔ سلطان بہت بدل گیا تھا۔ خاکی رنگ کی پتلون اور کوٹ پہنا تھا۔ بیلے کی لاکل تھی۔ بالوں میں تیل لگا کر رکھتا تھا اب تیل نہیں لگایا تھا۔ اسے پی آئی اے میں جاب مل گئی تھی۔ ایک سال پہلے وہ آفس کی طرف سے ٹریننگ کے لیے لندن گیا تھا۔ اس نے اس جاب کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ انگلش میں امتحان دیا تھا۔

"بڑی اچھی نوکری ملی ہے تمہیں سلطان! مبارک ہو....." اس نے بڑے دل سے مبارک باد دی۔

"اماں کی دعائیں لگی ہیں اجالا! پورے ایک سو ستر لوگوں میں سے شارٹ لسٹ ہوا تھا۔ بڑے بڑے صاحب لوگوں نے انٹرویو لیا تھا میرا۔ نرگس کے ابو کالج میں میرے پروفیسر تھے ان سے انٹرویو کی تیاری کی تھی۔ میری انگلش تو بڑی خراب تھی۔ پر اللہ نے پردہ رکھ لیا۔ لندن ٹریننگ کے لیے گیارہ لوگوں کے گروپ کے ساتھ بھیجا تھا۔ بڑی سکھ والی نوکری ہے..... سال میں دو ٹرپ ملتے ہیں..... یہاں ایک ورکشاپ کے لیے بھیجا ہے..... نرگس کا ٹکٹ فری ملا ہے۔ کہتے ہیں شادی کا ٹکٹ ہے بیوی کو بھی گھما لاؤ..... اور یہ میری بیوی ہے جہاں گھومنے جاؤ یہ گوریوں کو دیکھ کر ہائے ویلا مچاتی ہے۔"

سلطان کتنا خوش تھا۔

"اجالا باجی ہوٹل سے آپ کو بڑے فون کیے۔ مجھے بڑی اداسی تھی کہ اتنی دور آئے اور آپ سے نہیں ملے۔ میرا تو دل بڑا گھبرایا یہاں پر۔ رہ رہ کر گھر والے یاد آتے ہیں ہول اٹھتے ہیں رونے کو دل چاہتا ہے۔"

"اسے ہوم سکینس کہتے ہیں۔"

"اجالا باجی! آپ یہاں کیسے رہتی ہیں.....

میں تو رو رو کر مر جاتی۔"

"میرا گھر ہے نا یہاں نرگس!" اس کی آواز کی نمی بڑھ گئی اس نے بڑی مشکل سے آنسو حلق میں اتارے تھے۔

سلطان نے سر ہلایا۔ "یہ تو کمی ہے..... گھر جنگل میں بھی ہو تو دل لگتا ہے۔ اپنا گھر جنت ہوتا ہے۔"

وہ سلطان کو دیکھ کر رہ گئی۔

"سب گھر والے جاب پر جاتے ہیں نرگس! گھر میں کوئی نہیں ہوتا اس لیے فون کا پتا نہیں چلا۔"

"یہ بھی یہی کہہ رہے تھے کہ فون غلط لگ رہا ہے۔ اجالا باجی ہمارے ساتھ چلنا، میرا ہوٹل میں دل نہیں لگتا۔"

اس نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

دونوں کئی بار اس کے بال دیکھ چکے تھے لیکن کچھ کہا نہیں تھا۔

"گاؤں میں سب کہتے ہیں اجالا میم بن گئی ہے۔" سلطان نے مذاقاً کہا۔

وہ ہنس دی۔ "یہ دنیا ہی ایسی ہے کچھ کا کچھ بنا دیتی ہے۔ میں نے سوچا، میں بھی میم بن جاؤں۔"

"نرگس کی تو حیرت نہیں جاتی ہائے ہائے کرتی رہتی ہے۔"

"اجالا باجی! یہاں کی عورتیں بڑی بے شرم ہیں دوپٹے نہیں لیتیں ٹانگیں دکھاتی ہیں۔"

"سنی ہیں اس کی باتیں اجالا! میرے استاد تو بڑے پڑھے لکھے ہیں لیکن یہ جھلی رہ گئی۔"

اس نے شوخی سے آنکھیں مٹکائیں۔ "بتاؤ اجالا باجی! میں ٹھیک نہیں کہہ رہی..... انہیں کوئی کچھ کہتا نہیں ہے۔"

اجالا کے لیے ہنسنا، مسکرانا، ان کی باتوں پر دھیان رکھنا بڑا مشکل ہو رہا تھا۔

"میں اجالا باجی کے ساتھ رہوں گی۔ مجھے ہوٹل کے کمرے میں ڈر لگتا ہے۔ ٹھیک ہے اجالا باجی!"

"ہاں میرے ساتھ چلنا....."

"لے جانا اسے اجالا! چار دن نہیں ہوئے آئے۔ کہتی ہے گھر یاد آتا ہے۔ تمہیں کون سا ہمیشہ رہنا ہے۔ چند دنوں کی ورکشاپ ہو گئی ہے۔ روز روز کون اتنی دور آتا ہے۔ خوشی سے گھوم پھر لو اپنی سہیلیوں کو باتیں بتانا یہاں کی۔"

☆☆☆

کافی پیتے سلطان نے ایک دو بار اس کی طرف دیکھا تھا۔ اور پھر انگلش میں پوچھا تھا۔

"اجالا! تم ٹھیک ہو....."

اس کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔ اس نے کافی کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ ہاتھ پر لرزہ تھا۔ سلطان نے دیکھ لیا۔

"سلطان! میرے گھر نہ آنا۔" اس نے انگلش میں کہا تھا۔

نرگس بیگ میں سے کیمرہ نکال رہی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ لمحوں میں اس کی آنکھوں کی ساری چمک ختم ہو گئی۔ کھلا ہوا چہرہ مرجھا گیا۔ اجالا کے بال کٹے ہیں۔ اجالا لمبے سے کوٹ میں ہے۔ اجالا نے اونچی ہیل پہنی ہے۔ اجالا نے تیز سرخ لپ اسٹک لگائی ہے۔ اجالا سڑک کنارے اکیلی چل رہی تھی۔ اجالا میم بن گئی ہے۔ وہ ساری چیزوں پر کھلا رہا تھا لیکن اس کا یہ کہنا تھا کہ وہ پورا بجھ گیا۔ وہ جانتا تھا جب بیٹیاں کہتی ہیں ہمارے گھر نہ آنا، تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ اس کے کئی مطلب ہوتے ہیں۔ ہر مطلب کی بڑی کہانیاں ہوتی ہیں۔

"کچھ کہنا ہے تو مجھ سے کہو....."

اس نے کتنی لجاجت سے کہا تھا۔ اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔ اجالا نے نمی کو بڑی مشکل سے آنکھوں کے پیچھے روک کر ناں میں سر ہلایا۔

"نرگس! ذرا اس بلڈنگ کی تصویر تو کھینچو..... اماں کو دکھائیں گے۔" اس نے دور ایک بڑی بلڈنگ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

"[illegible] اجالا کے ساتھ [illegible] ہوں گے۔ [illegible] نہ [illegible] ہوئے۔"

"[illegible] اور [illegible] ہوں گے۔"

[illegible] نرگس اٹھ کر کھڑی ہوئی [illegible] چند قدم آگے بڑھ کر [illegible] کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر اشارے سے پوچھا کہ اس کی تصویر [illegible]۔ سلطان نے سر ہلایا کہ [illegible]۔

"تم خوش ہو اجالا؟"

"[illegible] شادی [illegible] سے یہ سوال نہیں کرنا چاہیے۔ سلطان اگر [illegible] خوش ہوں گی تو بتانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اگر نہ ہوں گی تو سوال پوچھنے سے بھی ان کی زندگی نہیں بدلے گی۔ وہ بھولے [illegible] ان کی تکلیف [illegible]۔"

[illegible] گیا۔ سر ہلایا کہ تم ٹھیک کہتی ہو۔

"[illegible] بہت یاد کرتی ہیں۔ پاکستان کب آؤ گی۔"

"پتا نہیں۔"

"شہریار ٹھیک ہے؟" یہ اس نے شہریار کا حال چال تک پوچھ لیا تھا۔

"ہاں... سب ٹھیک ہیں... میرے کے ہوئے [illegible] کی [illegible] نرگس کو بھی کچھ [illegible]۔"

سلطان کو تکلیف پہنچی تھی۔ کچھ پوچھنے کی کوشش میں [illegible] اپنے ہی لب کاٹ کر رہ گیا۔

"ہمارے ساتھ پاکستان چلو۔" اس نے فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

"شہریار کے ساتھ آؤں گی... پھر پھوپھو کو نہ بتانا کہ مجھ سے ملے تھے۔ وہ مجھ سے ناراض ہیں۔"

"[illegible] سے کوئی ناراض نہیں ہوتا اجالا! تمہاری باتیں کرتی رہتی ہیں نرگس سے۔ ہمارے لیے پورا امریکا تم سے ہے۔ ٹی وی پر امریکا کی کوئی خبر آجائے تو بڑے غور سے سنتی ہیں۔ سلطان دیکھنا امریکا میں کچھ ہوا تو نہیں۔ خیر ہے نا وہاں [illegible]"

[illegible] کرو [illegible] اجالا کے اندر [illegible]

"[illegible] ہیں [illegible] اجالا امریکا میں [illegible] ہے۔ میں [illegible] جا کر خوش نہیں ہوا [illegible] کہ تم سے مل لوں گا۔"

"تم نے نرگس کو میرے بارے میں [illegible]"

"[illegible] کے گاؤں میں اجالا سے خوبصورت کوئی نہیں [illegible] ہے اجالا۔"

سلطان دوستانہ انداز سے کہہ رہا تھا۔ یہی دوستی جس کے تحت دونوں بچے کئی کے گھر میں کھیل کود کرتے پائے جاتے تھے۔

"آؤ اجالا باجی! تصویر لیں۔"

نرگس اجالا کے سر پر کھڑی تھی۔ اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ بڑا مکمل تھی کہ پرانی میں [illegible]۔ سلطان نے اس کے ہاتھ سے کیمرہ لیا۔ ایک [illegible] کر دھن کھولا۔

"اس میں تو بیٹری ہی نہیں ہے۔" کیمرہ نرگس کی طرف بڑھایا کہ خود دیکھ لو۔

"میں نے ابھی تصویر [illegible] ہوا تھا۔"

"پتا نہیں کیسے ہوا تھا [illegible] دیکھو بیٹری نہیں ہے۔ کمرے میں رہ گئی ہوگی۔"

بیٹری سلطان نے پھرتی سے اپنے کوٹ کی جیب میں پھسا لی تھی۔ نرگس مصنوعیت سے اپنے [illegible] کر رہ گئی۔ سلطان نے اس کے سر پر ایک چپت لگائی [illegible] پھر [illegible]۔ اس نے بڑھ کر اجالا کا بازو تھام لیا۔

"میں نے اجالا سے گھر کا پتا سمجھ لیا ہے کل تمہیں اس کے گھر چھوڑ دوں گا۔"

اجالا نے نرگس کے گال تھپکے۔

"اجالا باجی! ہمارے ساتھ چلیں نا..."

وہ بچوں کی طرح ضد کرنے لگی۔ اس کا واقعی میں یہاں دل نہیں لگ رہا تھا۔ اسے کوئی اپنا چاہیے تھا جس سے وہ باتیں کرتی، جس کے گلے لگ کر روتی۔ بغیر دوپٹے کی بے شرم عورتوں پر ہائے ہائے کرتی تھیں۔ اجالا کے اندر [illegible]

کرتی تھیں دکھانے والوں پر توبہ کرتی۔ پر کیٹوں پر ہائے وہ بچا لیتی۔

"میں شہریار کو بتا کر نہیں آئی وہ پریشان ہوگا۔"

"ہوٹل سے فون کر دیتا۔"

"فون... وہ... گھر کا فون خراب ہے۔"

"اجالا باجی! مجھے سب کے لیے تحفے لینے ہیں پر مجھے تو یہاں کی چیزوں کی سمجھ نہیں آتی۔"

"میں کہیں شاپنگ کروا دوں گی۔"

"یہ جو آپ نے سرخی لگائی ہے، بڑی اچھی لگ رہی ہے، ایک یہ لے دیتا۔"

اجالا نے اپنا سرخ ہونٹ دانت میں دبا کر سر ہلا دیا۔ اس کا دل چاہا نرگس سے کہے یہ سرخی نہ لینا، یہ بڑی مہنگی پڑی ہے۔ اس نے بھاری قربانی لی ہے تم گلے کے سرخ رومال اور ہونٹوں کے اس رنگ [illegible] ہو، خوش نصیب ہو۔ اس نے بیگ میں ہاتھ ڈالا [illegible] سب نکال کر نرگس کے ہاتھ پر رکھے۔ اس نے سلطان کی طرف دیکھا۔ سلطان نے سر ہلا دیا کہ لے لو۔ نرگس نے گلے مل کر وہ تیزی سے گھوم گئی۔ اور تیز تیز چلنے لگی۔ بہت آگے جا کر اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو سلطان چپ کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

وہ گھر کے قریب بچوں کے پارک میں رات گئے تک بیٹھی رہی تھی۔ گھر واپس آئی تو ٹی وی کی چنگھاڑتی آوازوں نے اس کے کان کے پردے پھاڑے۔ اس کی شکل دیکھتے ہی آنٹی کا منہ بن گیا۔

"کہاں تھیں تم... وقت دیکھا ہے۔ اس ہندنی کے ساتھ گھومتی پھرتی رہتی ہو۔"

وہ کوٹ کو ہنگر پر چڑھا کر اندر رکھ رہی تھی۔ پھر بیٹھ کر سینڈل اتاری، سلیپرز پہنیں۔

"کھا لیا ہے میں نے کھانا... چائے بنا [illegible]"

وہ کچن میں گئی، پانی پیا اور سارہ کے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔ پیچھے آنٹی چیختی چلاتی رہیں۔ اسے باتیں سنا رہی تھیں کہ وہ آوارہ ہو چکی ہے امریکا کی ہوا لگ گئی ہے۔ تمیز تہذیب بھول گئی ہے۔ کرتی ہوں تمہاری ماں کو فون، بتاتی ہوں تمہارے کرتوت۔ شوہر کا خیال نہیں۔ ساس کو روٹی پانی نہیں پوچھتا اور میڈم سارا دن گھر سے غائب رہتی ہے۔

وہ چپ سارہ کے بیڈ کے کنارے بیٹھی تھی۔ آنٹی [illegible] بک بک جھک جھک کرتی رہیں۔ چیزیں پٹختی رہیں۔ پھر باہر ٹی وی بند ہو گیا۔ سارا گھر سناٹے میں گھر گیا۔ وہ خاموش بیٹھی رہی۔ سلطان کی طرف پشت کر کے لیٹے ہوئے اس کی ایمل کی تک تک بڑی پرشور تھی۔ سائرن کی آواز میں بھی اسے اپنی ایمل کی تک تک سنائی دیتی رہی۔ گھر کے سناٹے میں وہ تک تک اس کے کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھی۔ وہ کسی چیز کا کوئی حساب نہیں کر رہی تھی۔ سود و زیاں میں پڑنا نہیں چاہتی تھی۔

سلطان اس کی شادی پر نہیں آیا تھا، وہ سلطان کی شادی میں نہیں گئی تھی۔ حساب برابر ہو گیا تھا۔ لیکن بات یہ ہے کہ انسان کے کیے حساب غلطی سے پاک نہیں رہ سکتے۔ نفع نقصان پر نفع کر کے بھی حاصل جمع "خسارہ" نکل آتا ہے۔

حاصل جمع پر انسان کا بس نہیں ہے۔

ہمیشہ فائدہ ہی ہاتھ آئے ایسا کوئی جنتر منتر بھی نہیں ہے۔

☆☆☆

اسٹور پر اس کے ساتھ چھوٹے بڑے واقعات ہوتے رہتے تھے، جنہیں وہ بڑے دل گردے کے ساتھ نظر انداز کر دیتی تھی۔ اس نے کچھ dissociation (علیحدگی) بھی سیکھ لی تھی۔ بلبل نے ایک بار بتایا تھا کہ اگر کسی چیز سے بہت تکلیف ہو تو اس سے disconnect (منقطع) ہو جاؤ۔ سمجھو وہ تمہارے ساتھ نہیں ہو رہی ہے۔ ہر احساس دماغ سے جا لگتا ہے۔ اس احساس کو محسوس کرنا چھوڑ دو۔ اسے یہ بات بڑی اچھی لگی۔ اس نے

ALIFADAB.COM
Watermarkly

بلبل سے کہا کہ اسے ٹھیک سمجھائے کہ کیسے اور کیا کرنا ہے۔ بلبل سمجھانے لگی۔ اور اس نے سمجھ لیا۔

اس نے کوشش کی کہ وہ یہ جادو کرنا سیکھ جائے۔ وہ خود سے کہتی رہتی تھی کہ یہ سب اجالا کے ساتھ نہیں ہو رہا، اس روبوٹ کے ساتھ ہو رہا ہے جو اسٹور میں کام کرتا ہے۔ اس نے خود کو یہ فرض کروالیا تھا کہ اسٹور میں قدم رکھتے ہی وہ اجالا نہیں رہتی، صرف ایک مشین رہ جاتی ہے۔

ہر تین ماہ کے بعد وہ بال سیٹ کروانے جاتی تھی۔ اچھے ہی جتنے پہلی بار کروائے تھے۔ پہلے ہر بار رو کر آتی تھی، اب بے تاثر رہتی تھی۔ بال مشین کے کٹ رہے تھے اس کے نہیں۔ اکثر اسٹور کے دروازے سے اندر آتے ہوئے وہ گہرا سانس لیتی اور فیصلہ کرتی کہ کل نہیں آئے گی۔ وہ بھاگ جائے گی، پاکستان لوٹ جائے گی۔ لیکن اگلے دن وہ پھر آجاتی تھی۔ کئی طریقے کے طریقے آزمانے کے باوجود کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ہو جاتا تھا کہ وہ پھر سے ڈری سہمی اجالا بن جاتی تھی۔ ساری ترکیبیں ناکارہ جاتی تھیں۔

وہ ہزار جتن سے شہریار کو سمجھانے کی کوشش بھی کر چکی تھی کہ کوئی اور جاب ڈھونڈ دو۔ مجھے کام سے انکار نہیں ہے، بے شک مشقت والی جاب ہو۔ لیکن وہ ایسے بن جاتا تھا جیسے اس کی زبان نہ سمجھتا ہو۔ اس نے آنٹی کی منت بھی کی تھی کہ جہاں وہ کام کرتی ہیں اسے وہیں لگوا دیں لیکن انہوں نے منہ بنا کر کہا کہ وہاں ویج (اجرت) بہت کم ہے۔ انہیں پیسے سے مطلب تھا۔ اسے اچھے کام سے۔ اس نے کئی بار اپنے ساتھ ہونے والے واقعات بتائے۔ شہریار کو کچھ غیرت دلانی چاہیے۔

"اگنور کر دیا کرو..... امریکا میں کام کرنے والی عورتیں ہی نہیں مرد بھی یہی سب فیس کرتے ہیں۔"

وہ نہیں جانتی تھی کہ باقی عورتیں کیا فیس کرتی [illegible] کی [illegible] سے نوکری کے یہ

گھونٹ صبر کے ساتھ بھی نہیں پیے جا رہے تھے۔ کبھی وہ کچھ سن لیتا تو مشورہ دیتا کہ آئندہ ایسے کسی واقعے سے کیسے بچنا ہے۔ کیسا رویہ رکھنا ہے۔ کبھی چڑ جاتا تھا۔ غصہ کرتا اور کوئی چیز اٹھا کر پھینک دیتا تھا کہ بکواس بند رکھو۔ کئی مستقل کسٹمر اس کی شکل بھگاتے تھے۔ وہ اندر داخل ہوتے ہی اشارہ کرتے کہ کم ایل کرو۔ جو مہذب ہوتے تھے وہ اپنی ٹرالی پکڑتے، خریداری کرتے اور کاؤنٹر سے بل بنوا کر اپنی گاڑی تک لے جاتے تھے۔ انہیں کسی کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن ایسے آنے والے تعداد میں کتنے ہی زیادہ ہوتے، ان کے برعکس آنے والا صرف ایک اس کا پورا دن خراب کر دیتا تھا۔

ایک کسٹمر اسے تین ماہ سے مستقل تنگ کر رہا تھا۔ کبھی وہ نیم نشے میں ہوتا، جیسے گاڑی میں بیٹھا ہوا رہا ہو۔ وہ شرابی منحوس صورت اس پر بھوت کی طرح سوار تھا۔ وہ اپنے طریقے سے ایسے لوگوں کو دیکھتی رہی تھی۔ لیکن اس پر ہر طریقہ بے کار جا رہا تھا۔

ایک بار اس نے منیجر سے کہا تھا کہ اس سب کو روکے۔ تو وہ بے تاثر نظر سے اجالا کو گھور کر رہ گئی تھی۔ ظاہر ہے اس نظر کا یہی مطلب تھا کہ یہاں کیا کر رہی ہو، گھر بیٹھو۔ تم شراب خانے میں کام کر رہی ہو، چاہتی ہو تم سے شراب کی بو نہ آئے۔ چاہتی ہو کوئی چھینٹ نہ پڑے۔ تم معصوم زیادہ ہو یا بے وقوف؟

وہ معصوم یا بے وقوف کم تھی لیکن مجبور زیادہ تھی۔

وہ منحوس صورت پھر اس کے سر پر کھڑا تھا۔ وہ سیڑھی لگا کر دو اسٹیپ اوپر کھڑی اس کی مطلوبہ پراڈکٹ نکال رہی تھی کہ.....

ہاتھ میں پکڑی بوتل کو اس نے پوری شدت سے اس کے سر پر دے مارا لیکن وہ بروقت پیچھے ہٹ گیا۔ وہ لرز رہی تھی۔ وہ دانت نکال رہا تھا کہ کیا ہوا۔ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ خباثت سے ہنس رہا تھا۔ بلندی پر کھڑی وہ نیچی ہو گئی۔ ریزہ ریزہ ہونے میں چند لمحے لگے۔ پھر

اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے بوتل اچک لی، اور ہنستا ہوا ٹرالی گھسیٹ کر آگے بڑھ گیا۔ وہ لرزتی ہوئی اسی اسٹیپ پر بیٹھ گئی۔ وہ اتنی شدت سے کانپ رہی تھی جیسے برف کے تودے سے نکالی گئی ہو۔ اس نے دونوں بازو اپنے گرد لپیٹ لیے۔ دو لڑکیوں نے آکر اس سے پوچھا لیکن وہ سر نہیں اٹھا سکی۔

سارہ نے تاش کے پتوں کا پہاڑ بنایا تھا۔ اس نے اسی وقت اسے حل بتا دیا تھا۔

اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کے بتائے حل پر عمل کر سکتی۔

دور تاش کے پتوں کی طرح بوتلوں کا پہاڑ کھڑا تھا۔ اس نے نم آنکھوں کے ساتھ اس پہاڑ کی طرف دیکھا۔ دیکھتی رہی، دیکھتی رہی۔ اس میں ہمت ہے؟ نہیں۔ اس میں بالکل ہمت نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو وہ اس وقت یہاں جاب نہ کر رہی ہوتی۔ وہ مجبور ہے یا بے بس؟ وہ نہیں جانتی لیکن وہ یہ جانتی تھی کہ اس سب میں اس کی مرضی نہیں تھی۔ وہ ہر روز ایک کرب سے گزرتی ہے۔ گاؤں میں بڑی بڑی چادریں لپیٹ کر نکلنے والی اجالا اس شراب اسٹور میں شرابیوں کے ہاتھوں رسوا ہو رہی ہے۔ وہ صبر کے گھونٹ پی چکی ہے۔ وہ جبر کے گھونٹ پی رہی ہے۔ اس کی بس ہو چکی تھی۔

وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ گال دہک رہے تھے۔ وہ تاش کے ڈھیر کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے سر اٹھا کر بوتلوں کے پہاڑ کی طرف دیکھا۔ ہر چیز کی بلندی اس کا قد چھوٹا کر رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور اپنے سر کو تھام لیا۔ وہ اتنی بری طرح سے چکرائی کہ بوتلوں کے پہاڑ سے ٹکرا گئی۔

پر شور دھماکہ ہوا اور شراب کی بوتلوں کا پہاڑ اس پر آگرا۔

☆☆☆

اس کے سر، پیشانی، گردن پر زخم آئے تھے۔ پورا جسم درد کر رہا تھا لیکن کوئی گہرا زخم نہیں آیا تھا۔ اسٹور کے مالک کا گھر فون آیا تھا۔ شہریار گاڑی لے کر فوراً اسٹور پہنچا تھا۔ وہاں ان میں کافی دیر تک بحث ہوتی رہی تھی۔ ہاتھا پائی تک ہوئی تھی۔ وہ ایمرجنسی میں تھی جہاں اسے فوراً ٹریٹ کیا گیا۔ بلبل اسے گھر چھوڑ گئی تھی۔

آنٹی کی جگہ صوفے پر شہریار بیٹھا تھا۔ جیسے سارہ کہتی ہے کہ —— (monster)۔ اس وقت شہریار ایک درندہ لگ رہا تھا۔

"تم نے یہ کیوں کیا؟"

"کیا؟" تکلیف سے اس کا سر پھٹ رہا تھا۔

"تم نے جان بوجھ کر اسٹور کا اتنا نقصان کیا۔"

"نہیں شہریار! میں اتنی بری طرح سے چکرائی تھی کہ....." وہ رو دینے کو تھی۔ وہ بہت تکلیف میں تھی۔

اس نے سامنے ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ وہ بل ہے جو مجھے پے کرنا ہے۔ اس نقصان کا بل جو وہ ڈبل کر کے مجھ سے بھروائے گا۔"

وہ حیرت سے شہریار کو دیکھ رہی تھی۔ "اگر میں نے نقصان کرنا ہوتا تو مجھے....."

"میری کریٹ ہسٹری بن رہی تھی میں خوش تھا....."

"میں نے پوری محنت سے ک....."

"تم اسٹور پر جاب نہیں کرنا چاہتی تھیں۔"

"ہاں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ تم نے یہ سب کیوں کیا؟"

اس کی آنکھیں طیش سے ابل رہی تھیں۔ اس کی مٹھیاں بھنچی تھیں۔ وہ جانتی تھی کہ اب وہ اس کی گردن دبوچے گا اسے گالیاں دے گا، چیزیں پھینکے گا، اس کا سر دیوار میں دے مارے گا۔ وہ اس سب کے لیے تیار تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اسے یہ قیمت چکانی ہوگی۔ وہ اس قیمت کے لیے پہلے سے تیار تھی۔

ALIFADAB.COM
Watermarkly

لیکن قیمت شہریار نے اپنی مرضی کی لی۔

☆☆☆

گھر کے باہر گاڑی کے ٹائر چرچرانے کی پر شور آواز آئی۔ گاڑی کے دروازے عجلت میں بند ہوئے۔ کوئی بھاگتا ہوا گھر کا دروازہ دھاڑ سے کھول کر اندر آیا۔

"اجالا....." سارہ نے اتنی شدت سے اسے پکارا تھا کہ جیسے شاید اس کی ماں اسے پکارتی۔

اجالا کہیں دکھائی نہیں دی۔ اجالا کی کوئی آواز نہیں آئی۔ لپک کر سارہ نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اندر اندھیرا تھا۔ اس نے لائٹ آن کی۔ وہ کھڑکی کے پاس رکھی کرسی پر گھٹنے کھڑے کیے چپ بیٹھی تھی۔ جا بجا زخموں کے نشان تھے۔ ناک سے خون نکل کر وہیں جم چکا تھا۔ ہونٹ پھٹ چکے تھے۔

اور.....

اور سر کے سارے بال صاف ہو چکے تھے۔

جیسے اس کی آنکھوں میں مرچیں جھونک دی گئی ہوں، سارہ نے ایسے سر کو جھٹکا۔ بلیک آؤٹ ہوا۔ اس کے پیچھے عینی کھڑی تھی۔ اجالا پر نظر پڑتے ہی اس نے فوراً منہ پھیر لیا۔ اس نے سر اٹھا کر سارہ کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نظر ملی۔ سارہ کی آنکھوں میں بڑی تیزی سے نمی ابھر آئی۔ آنکھیں اتنی لبالب ہو گئیں کہ اس نے منہ پھیر لیا۔ آستین سے آنکھوں کو رگڑا۔ کمرے میں تین لڑکیاں موجود تھیں پھر بھی گہری خاموشی تھی۔ ان کی سانس سنی جا سکتی تھی۔ پھر سارہ کی سسکی سنی گئی۔ سارہ نے اس کی طرف آنا چاہا۔ دو قدم بڑھا کر رک گئی۔ پھر جلدی سے پیچھے کھسک کر لائٹ بند کی اور دروازہ بند کر کے چلی گئی۔

عینی تیزی سے اپنی گاڑی نکال کر لے گئی۔ ان دونوں میں سے کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اسے دیکھ سکتیں۔ لیکن اس میں اتنی ہمت تھی کہ اپنے ساتھ بیت کر گزری۔ اس کے ہاتھ [illegible] بیٹری ریزر [illegible] کر کے سارے بال صاف کر دیے تھے کہ وہ پہلے دن سے ہی رو رہی تھی، جا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ وہ اس کی اس جرأت پر وحشی ہو رہا تھا جو اس نے اسے نقصان پہنچا کر کی تھی۔ اس کی ماں نے اسے بتایا تھا کہ پاکستان کی لڑکیاں پیر کی جوتی بن کر رہتی ہیں۔ یہ کون سی جوتی ہے جو اس کے پیر پر پڑ رہی ہے۔ اس نے چیختی ہوئی ٹیبر دیکھی تھی اسے پر چڑھی اجالا نہیں چاہیے تھی۔

وہ سارہ کے کمرے میں خود کو بند کر چکی تھی۔ سارہ نے اسے عینی کے گھر لے جانا چاہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ جہاں زخم ملا تھا اسے دوا بھی وہیں کرنی تھی۔ اب دوا ہو گی یا فیصلہ۔ سارہ اسے اعصاب پر سکون رکھنے کی دوا دے چکی تھی۔ اس نے اس کے زخم صاف کیے تھے۔ اس نے اس لڑکی کو بڑی مشکل میں ڈال دیا تھا۔ وہ جو اسٹوڈنٹ کی لیڈر تھی، جو حقوق کی بات کرتی تھی، جسے برابری چاہیے تھی۔ جو کتابوں کی دنیا میں رہتی تھی۔ اجالا کے زخم صاف کرتے ہوئے اس لڑکی کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ جب وہ اس کے بالوں سے صاف سر پر بینڈیج لگا رہی تھی تو اپنے اندر گہرے سانس اتار رہی تھی۔ سارہ پر اپنی ساری کمزوریاں ظاہر ہو چکی تھیں۔ وہ جو اس نے کہا تھا کہ تھوڑی ہی سہی میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ وہ محبت اس پر بڑی بھاری پڑ رہی تھی۔ کوئی تمہاری بے عزتی کرے مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اجالا کی بے عزتی نے سارہ کو تار تار کر دیا تھا۔

عزتیں بھاری پڑتی ہیں۔

عزتیں جوتی کی نوک پر رکھی جاتی ہیں۔

روٹی دو وقت کی ملے..... روکھی ملے سوکھی ملے.....

عزت چار وقت کی ملے۔ پوری ملے ادھوری نہ ملے.....

☆☆☆

وہ سوتی رہتی، سوتی رہتی، آنکھ کھلتی تو سارہ پینے کے لیے دودھ دیتی، ورنہ کوئی انرجی بوسٹر پلا دیتی

تھی۔ وہ پھر سے سارہ کی کوئی بات نہیں مان رہی تھی۔ اس سے ضد کر کے نیند کی گولی لیتی۔ کھانی اور سو جاتی تھی۔ سارہ نے کچھ کھلانے کی کوشش کی لیکن اس سے کوشش پر بھی کھایا نہیں گیا۔ اس کے لیے چلنا بھی مشکل تھا۔ اس کی پنڈلیوں پر زخم تھے۔ خود کو بچاتے ہوئے وہ کئی بار گری تھی۔ پاؤں کئی بار مڑا تھا۔ چار دن اس نے بیڈ پر گزار دیے۔ اس کے منہ سے ایک لفظ نہیں نکلا۔ اس نے دماغ کو پوری طرح سے بند کر دینا چاہا تھا۔

جسم پر لگا بڑے سے بڑا زخم اتنی تکلیف نہیں دیتا جتنا تذلیل سے ملا ایک چھوٹا سا زخم دیتا ہے۔ ایک گالی، ایک تھپڑ۔ تم سے تو کا سفر۔ ہاتھ ایک بار اٹھتا ہے، پھر رکتا نہیں۔ گالی ایک بار نکلتی ہے پھر تھمتی نہیں۔

وہ عورتیں جو ایک تھپڑ پر فیصلہ کر لیتی ہیں، انہیں حرافہ مانا جاتا ہے۔ وہ باؤرن کہلاتی ہیں۔ ایسی عورتیں جو کبھی گھر نہیں بسا سکتیں۔ خود اس کا بھی یہی ماننا تھا کہ ایک تھپڑ پر گھر کون چھوڑتا ہے۔ لیکن اب وہ جان گئی کہ وہ عورت ایک تھپڑ پر طلاق لے لیتی ہے جو یہ جان جاتی ہے کہ یہ پہلا اور آخری تھپڑ نہیں ہے۔

محبت اور احترام میں سے کوئی ایک چیز سرے سے موجود ہی نہ ہو تو گھر سائبان کی شکل میں نہیں جہنم کی شکل میں بنتے ہیں۔ تذلیل واحد عمل ہے جو بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ محبت گھٹے بڑھے یا پھر سرے سے موجود ہی نہ رہے لیکن تذلیل نہیں بڑھنی چاہیے۔ ایک بار کتنا سن لیا تھا، اس پر صبر کر لیا تھا۔ پھر اتنی بار کتنا سنا کہ یہ سننا نارمل ہو گیا۔ خود کو سمجھا لیا کہ اس کی عادت ہے غصے میں گالی دیتا ہے۔ اسے خود بھی پتا نہیں چلتا کیا کہہ رہا ہے۔

سارہ اس کے پاس فون لائی تھی کہ وہ گھر بات کر لے۔ اس نے فون کی طرف دیکھا اور انکار کر دیا۔ وہ کچھ مہلت چاہتی تھی تاکہ ٹھیک سے فیصلہ کر سکے۔ فیصلہ، جسے کرنا آسان نہیں تھا۔

رات کو آنٹی کا پرائم ٹائم ویسے ہی جاری رہا۔ وہ بڑبڑاتی رہتیں کہ ان کے گھر کا سکون تباہ ہو چکا ہے۔ پاکستان میں شادی ہوتی تو رات دن کولہو کا بیل بن کر رہتی۔ سسرال کی چکی میں پستی۔ ذرا آواز نکالتی تو دھنک کر رکھ دی جاتی ہے۔ یہاں آ کر پھیل گئی ہے۔ عزت راس نہیں ہے۔ دیہاتی پینڈو امریکا کی زندگی کے لائق نہیں تھی۔

وہ اپنے لیے کھانا گرم کرتیں، کافی بناتیں، فون پر باتیں کرتیں۔ بائیکرو کی گھوں گھوں اجالا کے کان کے پردے پھاڑتی۔ پیزا کھاتے، اپنے فیورٹ شو پر قہقہے لگاتے، وہ گھر کی بے سکونی پر اجالا کو کوسنے دیتیں۔

سارہ بڑی آس سے اس کی طرف دیکھتی کہ شاید وہ گھر فون کر کے سب بتا دے۔ اس سے کہہ دے کہ سارہ مجھے ٹکٹ لا دو۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ پانچویں دن وہ گھر سے باہر نکلی۔ بہت دیر تک بچوں کے پارک میں بیٹھی رہی۔

اجالا کیا چاہتی تھی؟

گھر بسانا.....

یہ گھر کیسے بسے گا؟

اس نے گالی سنی، مار کھائی، ایسی جگہ جاب کی جہاں وہ ایک لمحہ کھڑی نہ ہوتی، کس لیے؟ اس لیے کہ وہ جانتی تھی کہ شادی شدہ زندگی میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اور؟ اور کیا تھا؟ کہ اس کے والدین کو دکھ پہنچے گا۔ وہ پریشان ہوں گے۔ اور؟ وہ طلاق سے ڈرتی تھی۔ شادی کے ناکام ہو جانے سے خوف زدہ تھی۔ وہ کامیاب شادی شدہ زندگی نہیں گزار سکی۔ اس کلنک سے بچنا چاہتی تھی۔ اسے یاد تھا کہ اجڑی ہوئی لڑکیوں کا زمانے نے کیا حال کیا تھا۔ انہیں کن نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ زمانے کی اس نظر سے پناہ چاہتی تھی۔

اور کیا تھا؟

ALIFADAB.COM
Watermarkly

اگر یہ شادی نہ رہی تو وہ کہیں کی نہیں رہے گی۔ وہ ان پچھتاووں سے ڈرتی تھی جو فیصلہ لینے کے بعد اسے تنگ کرتے کہ اگر وہ ذرا سی سمجھ داری کا مظاہرہ کرتی تو اس کی شادی کامیاب ہو جاتی۔ وہ اس تکلیف سے بھی بچنا چاہتی تھی جو طلاق کے بعد اسے ساری عمر بھگتنی پڑے گی۔

وہ سوچتی رہی.....

گھر بسانے کی اور گھر اجاڑنے کی تکلیفوں کا موازنہ کرتی رہی۔

کون سی تکلیف اس پر زیادہ بھاری ہے۔ یہ والی یا آنے والی۔

جتنی قیمتیں وہ چکا سکتی تھی اس نے سب چکا دی تھیں۔ جتنی قربانی وہ دے سکتی تھی وہ سب دے چکی تھی۔ اب مزید کیا چکاتی؟ بچا ہی کیا تھا جس پر اپنے گھر کی دیواریں کھڑی رکھتی۔ وہ فون بوتھ کے پاس آئی۔ گھر کال ملائی۔ اماں کی آواز سنتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میں واپس آرہی ہوں اماں! مجھے نہ روکنا..... مجھے کوئی واسطہ نہ دینا اماں..... مجھے واپس جانے کے لیے نہ کہنا۔"

"تمہیں کس نے بتایا..... میں نے منع کیا تھا کہ اجالا کو کوئی کچھ نہ بتائے۔" اماں رو دیں۔

"کیا ہوا؟" اس کا دم خشک ہوا۔

اماں سسک کر رو دیں۔

"اماں! مجھے بتاؤ کیا ہوا..... میرا دل پریشان ہوا تو ہم..... میں....."

"تمہارے تایا جی ابا اور قمر بڑے ہسپتال ہیں..... پورا ٹرک سوزوکی پر چڑھ گیا..... موت کے منہ میں ہیں اجالا! قمر کے سوا کسی کو ہوش نہیں ہے..... ڈاکٹر کہتے ہیں دعا کرو....." اماں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

شہریار نے اس کا سر دیوار میں دے مارا تھا، اس کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ اماں نے روتے سسکتے جو کچھ بتایا اس کا سارا جہاں اندھیرا ہو گیا۔

"تایا جی ابا جی کو ہوش نہیں....." اس کی آواز دم توڑنے لگی۔

"سارا گاؤں وہیں ہے..... ہم گھر میں پڑھائی کر رہے ہیں۔"

وہ اپنا دکھ بھول کر تایا جی اور باپ کے لیے رونے لگی۔

"ایسے نہ رو دو اجالا!..... دعا کر..... بیٹیوں کی دعائیں بڑی جلدی لگتی ہیں۔"

بیٹیوں کی دعائیں بڑی جلدی لگتی ہیں۔ اس پر نیم غشی کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ بیٹیوں کے دل بڑے ہلکے ہوتے ہیں۔ جلدی چھلک جاتے ہیں۔ وہ فون بوتھ کی دیوار پر سر ٹکا کر سسکنے لگی۔ بیٹیوں پر ساری محبتیں بڑی کڑی گزرتی ہیں۔ جو اس کے ہاتھ میں تھا وہ بھی پھسل رہا تھا۔ جو پیچھے رہ گیا تھا وہ بھی دھندلا رہا تھا۔ بڑی مشقت سے وہ فون بوتھ سے باہر آئی۔ بنچ پر بیٹھ کر سر تھام لیا۔ اس وقت اسے اپنے گھر آنگن کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بھرا پرا گھر ہے اس کا۔ بھرے پرے گھر پر قیامت گزر رہی ہے۔

کچھ دیر بعد اٹھی پھر فون کیا۔ گھر کا ہر فرد رو رہا تھا، سسک رہا تھا۔ حریم سے بات نہیں ہوئی تھی۔ رانی کر رہی تھی۔ تائی جی لڑکیوں کو سمجھا رہی تھیں کہ پردیس میں اجالا کو سنبھالنے والا کوئی نہیں، اسے پریشان نہ کرو۔ گاؤں کی عورتیں فون پکڑ پکڑ کر اسے تسلی دیتی رہیں۔ دعا کرنے کا کہتی رہیں۔

پردیسی ساری مشکلیں کاٹ لیتے ہیں۔

دیس کا ایک دکھ انہیں کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆

شازیہ الطاف ہاشمی

آخری آنسو

"دلاور نظر آجائے بس کہیں سے" آئینہ نے دل سے دعا کی تھی، کالج کے لیے لیٹ بھی ہو رہی تھی مگر پھر بھی بار بار اسی کا خیال آئے جا رہا تھا۔ صبح ہی ہلکی۔ لپ اسٹک چھپ کر لگائی تھی بس ایسے چلتے چلتے ہی، شکر ہے پتا نہیں چلا امی کو۔ اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا گیٹ سے باہر سبزی والا حلق پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ "پیاز، ٹماٹر، ادرک اور بھنڈی۔"

"اچھا امی بھنڈی گوشت بنا رکھنا آج۔"

موسم اچھا خاصا تپا ہوا تھا مگر اس عمر میں ہر موسم ہی اچھا لگتا ہے دو مہینے پہلے کالج ٹرپ پر جاتے جب

وہ بے انتہا خوب صورت لگ رہی تھی اپنی تئیں یا پھر وہ دلاور کی نظر ہو گی جس نے اسے خاص بنا دیا تھا۔

اس نے اپنی فیورٹ میکسی پہنی تھی ساتھ گولڈن بندے اور کھسہ بھی امی کی نظر بچا کر میچنگ ہی پہنا تھا۔

دیکھا تو بہت غور سے بائیو والے سر نے بھی تھا مگر ان کے دیکھنے میں وہ بات کہاں جو دلاور میں تھی۔

لڑکیاں کہتی تھیں کہ دلاور میں کیا رکھا ہے نہ وہ خوش شکل ہے نہ ہی اتنا ذہین اور پیسے والا اور تو اور رنگ بھی صاف نہیں اور تم تو اتنی پیاری ہو۔" یہ تانیہ کی رائے تھی۔

"تم کیا جانو کہ دلاور کتنا اہم ہے میرے لیے، میرے لیے وہ کل جہان ہے اس کے بغیر دنیا ادھوری

ALIFADAB.COM
Watermarkly

لگتی ہے مجھے۔"

آئینہ نے دل میں کہا۔

دلاور نے بائیک اس کے قریب روک کر ایک گلاب کا پھول دیا تھا قریب ہی گجروں پھولوں کی خوشبو اڑاتی دکان تھی۔ جس میں پان کھائے آدمی بھانت بھانت کی بولیاں لگا کے تازہ گلاب اور پتیاں بیچتے تھے وہاں سوگوار لوگ بھی آتے تھے اور منچلے بھی۔ قریب کی دیواران کے گاڑھے کیسلے تھوک کی وجہ سے گندی سندی ہو رہی تھی۔ یہاں سے ہی رنگین چادروں، عبایوں اور دوپٹوں کی بہار کا ریلا کالج گوروال دواں ہوا کرتا تھا۔ دلاور نے یہیں سے ایک ٹہنی والا گلاب آئینہ کو دیا تھا۔ کانٹوں والا اور سرخ، اس کی خوشبو آئینہ کو دنیا میں سب سے الگ لگی تھی۔

"آئینہ! تم میری زندگی ہو۔" میرا غم ہو میری خوشی ہو۔" دلاور نے بھلے کس ترنگ میں کہا ہو۔ آئینہ محبت کے رنگ میں سرتاپا رنگ گئی تھی۔

پھول سوکھ کر کالا ہو گیا تھا۔ مگر نہیں سوکھا تو اس کا معصوم سا دل، محبت عورت کرتی ہے مرد بھی کر لیتے ہیں مگر عورت کی محبت میں جو معصومیت ہے، وہ کسی مرد میں کہاں آئینہ کی معصومیت بھی عروج پر تھی عجیب سے انداز میں وہ بدلتی گئی اسی کی ہوتی گئی وہ جو اس کا تھا دلاور اور وہ دلآویز ہو گئی۔

☆☆☆

امی نے تتے کچن سے آواز دی۔

"آئینہ! کچھ گھرداری سیکھ لے گلے گھر کام آئے گی۔ کوئی کسی کو بٹھا کر نہیں کھلاتا۔ لوگ صرف طعنے دے سکتے ہیں۔ پچھاڑ سکتے ہیں۔ شکست دے سکتے ہیں۔ دلاسا نہیں دے سکتے۔"

ایسی باتیں اس نے ہوا کے دوش پر ہوش میں کئی بار سنی تھیں مگر آج پتا ہی نہیں چلا کہ کون اسے کیا کہہ رہا ہے کسی کا خیال کتنا انوکھا ہے۔ پتا نہیں کون لوگ ہیں جو ایسے ہیں کہ دل دکھانے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں۔ مہندی لگاتے اداس کا گہرا رنگ چڑھ

کرتے وہ سوچ رہی تھی کہ دلاور محبت کرنا جانتا ہے۔ نجانے کہاں سے سیکھا ہے مگر اس کے الفاظ خوب ہیں کیسے بات کرتا ہے اور سیدھا دل میں اتر جاتا ہے، بدلتے موسموں کی طرح نہیں ہے وہ ہر بار ہی اسے دیکھ کر دل کو خوشی ملتی ہے۔

کاش ساری دنیا ہی ایسے لوگوں سے بھر جائے اور جیسے امی کہتی ہیں کہ لوگ ہوتے ہیں وہ رہیں ہی ناں۔" خود کلامیوں کا سلسلہ تھا جو نجانے کب تک چلتا۔ وہ خود سے باتیں کر رہی تھی جب اچانک امی نے سامنے ٹرے میں دال گوشت اور روٹی لا کر رکھی بلکہ پٹخی تھی۔

"نجانے کس خیال میں رہتی ہو۔ نی آواز دی ہے جواب تک نہیں دیا کیا ہو گیا ہے تمہیں۔"

نجانے کب شام سے رات کا اندھیرا بھی پھیل گیا اور مجھے پتا بھی نہیں چلا سامنے انار کا درخت اندھیرے میں مکمل ڈوب کر اداس ہو رہا تھا سب اندھیرے میں ڈوب کر کیسا عجیب لگ رہا ہے فرش پر انار کے پھول اور میں اس نے دلاور کا دیا پھول اپنی کتاب میں سمیٹا اور اٹھ کھڑی ہوئی رات ہو گئی اور پتا بھی نہیں چلا۔

☆☆☆

دلاور نے دھیرے دھیرے محبت کی اور آئینہ کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے لفظ اور چھوٹے چھوٹے جملے بہت تیزی سے اسے دلاور کا کر رہے تھے، وہ ہر وقت دلاور کے بارے میں سوچا کرتی۔ زندگی میں سوچنے کو اب رہ ہی کیا گیا تھا۔

ایک دن ناصر آدھمکا تھا اسے ناصر آج سے پہلے کبھی اتنا برا نہیں لگا تھا۔

"اور کوئی کام ہی نہیں ہے ملنے ملانے کے سوا آ جاتے ہیں منہ اٹھا کے۔" اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا مگر خود پر قابو بھی ضروری تھا۔

"امی اندر لاؤنج میں ہیں۔" لہجہ پہلے سے بھی روکھا سوکھا ہو گیا تھا۔ سوکھے پاپے کی طرح جو کئی دن کچن کے کسی کونے میں بے یار و مددگار پڑا رہا ہو۔

"میں تو آپ سے بھی ملنے آیا تھا مگر خیر آنٹی سے پہلے مل لیتے ہیں۔" وہ پھر بھی مسکرا رہا تھا۔

آئینہ کی یادداشت میں وہ کہیں بھی محفوظ نہیں تھا دھیمے قدم اٹھاتے وہ اندر چلا گیا تھا اور سامنے ہی امی چلی آ رہی تھیں۔

"اس سے ایسے بات نہ کیا کرو وہ پیار کرتا ہے تم سے۔ بچپن سے اور تم منسوب بھی ہو اس سے جو قدر کرے اسے بھی قدر کی ضرورت ہوا کرتی ہے آئینہ۔"

امی نے بہت سارے ادیبوں کو پڑھ رکھا تھا بلکہ وہ پڑھنے کی شیدائی تھیں۔

کچن میں لاؤنج میں بیڈروم میں ہر جگہ امی کی کتابیں ملتی تھیں امی نے اور اس نے بھی چائے کی گرم خوشبو میں دیکھا کہ ناصر اپنے آفس کی باتیں کر رہا تھا مگر دیکھا اسے رہا تھا بڑے طریقے سے۔

"کیا شاطر انسان ہے۔ لحاظ ہی نہیں ہے خالہ کا۔ تاڑ رہا ہے مجھے۔"

اس نے دل ہی دل میں اسے برا بھلا کہہ ڈالا تھا۔

"جب دلاور رشتہ لے آئے تو صاف منع کر دوں گی امی کو۔" اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر رکھا تھا۔

دلاور کے خیال میں گزر گئے اس نے ان لمحوں کا شمار ہی نہیں کیا جو اس کی یاد میں گزارے تھے۔ جو بے خودی کے عالم میں گزر گئے جن کے گزر جانے کا اسے علم ہی نہ ہو سکا تھا۔

دو دن وہ آ نہیں سکا اور جب دیکھا تو کالج گیٹ کے سامنے وہ کسی کے ساتھ تھا ایک اور لڑکی جس کی آنکھوں میں خواب تھے اسی کی طرح کے۔ جو اس نے دیکھے تھے۔

"یہ کوئی عام لڑکی تو نہیں ہو سکتی۔" جس کے ساتھ وہ ساتھ تھی۔ اس نے آئینہ کے قدموں سے زمین کھینچ لی تھی۔

"وہ میری منگیتر ہے مگر سچ کہتا ہوں آئینہ! پیار تم سے ہے مجھے۔"

دلاور نے جھوٹ نہیں بولا اور اسے پتی پتی کر ڈالا تھا۔

"میں نے تو اس پھول کو بھی ذرا سا ٹوٹنے نہیں دیا جو تم نے مجھے دیا تھا اور تم نے میری ذات کو ہی ریزہ ریزہ کر دیا۔ دلاور!"

اس رات وہ پہلی بار تڑپ تڑپ کر روئی تھی۔

اس نے آنسو بہائے تھے اتنے آنسو کہ اپنا آپ ہی ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔

"مگر میں پیار تم سے کرتا ہوں۔"

"ابھی جب تم اس کے ساتھ ہوتے ہو۔ اس کی مسکراہٹ پر مسکراتے ہو تمہاری آنکھیں اسے دیکھ کر خوش ہو جاتی ہیں پھر بھی۔"

☆☆☆

آئینہ نے آئینہ دیکھ کر سوچا میرا وزن کتنا گر چکا ہے اور آنکھیں کتنی ویران ہو گئی ہیں کتنا آسان ہے لوگوں کے لیے دوسروں کے دل سے کھیلنا اسے جھٹکے سے توڑ ڈالنا دنیا والی توڑنے والی ہے جوڑنا نہیں جانتی۔

اس نے اپنے ہڈیوں بھرے ہاتھوں کو ایک دوسرے میں جکڑا اور اپنی سفید گردن کو دیکھا جو پہلے کی طرح اٹھی ہوئی نہیں تھی۔

لڑکیوں کے دل چوڑیوں کی طرح کے ہوتے ہیں ذرا سی ٹیس سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ ایک دوپہر وہ کالج گیٹ سے نکلی وین نہیں آئی تھی تب اچانک ہی ناصر سامنے آ گیا تھا۔

"چلیں، میں گھر ڈراپ کر دیتا ہوں۔" سامنے کھڑا دلاور دیکھ رہا تھا۔ نظروں کے حصار میں تھی تو دوسروں کا انتظار تھا اسے۔

اس نے اسٹائل سے بیک سائیڈ پر کیا اور جا کر بیٹھ گئی۔ گرم ہوا نے اس کے سامنے کے ہلکے براؤن بال اڑا کر جیسے مزا سا لیا ہو، دلاور کا عکس دھندلا گیا تھا۔ وہ محبت میں پاگل کر سکتا ہے۔ میں پاگل ہو سکتی ہوں تو پاگل تو کچھ بھی کر سکتا ہے۔

دھواں اڑاتی سڑک پر وہ دور نکل گئی تھی۔ ناصر خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو چکا تھا۔

"وہ کون تھا؟" دلاور نے کسی آس کے تحت پوچھا تھا آنکھوں کی روشنی بجھ سی گئی تھی۔

"بچپن سے نسبت طے ہے ہماری، امی نے بھیجا تھا اسے مجھے لینے۔ پیار میں بھی صرف تم سے کرتی ہوں۔"

واپس مڑتے آئینہ کی آنکھ سے اس محبت میں اذیت کا آخری آنسو ٹپکا اور سفید براق دوپٹے میں کہیں گم ہو گیا۔

☆☆

ALIFADAB.COM
Watermarkly

صوفیہ بٹ

الحاکم

مکمل ناول

تیسرا اور آخری حصہ

وہ چند علماء اور مفتی حضرات کے پاس گئے۔ وہ تین الفاظ بول کر وہ نزل زہرا کو زندگی سے نکال چکے تھے، انہیں مٹانے کی خواہش رکھتے تھے۔ بھول گئے کہ وقت کا پہیہ الٹا نہیں گھومتا۔ نزل زہرا نے صاف لفظوں میں بتا دیا کہ وہ کبھی ایسا نہیں کرے گی۔ مر کر بھی نہیں ـــــ وہ ضامن کی خاطر اس گھر میں چلی تو آئی مگر اس کی خودداری ایسی تھی کہ اپنے منہ میں اپنی کمائی کا لقمہ ہی ڈالا۔ اپنے تن کو اپنی کمائی سے ہی ڈھکا۔ اپنی بیماری کی دوا بھی خود کما کر کی۔ مصطفیٰ امین کو معاف کر دیا مگر مرتے دم تک ان کا کوئی احسان نہیں لیا۔

ضامن تو معاف بھی نہیں کرتا تھا۔ وہ باپ کے گھر میں رہنے لگا تھا۔ باپ کے پیسے سے پرورش پانے لگا تھا۔ اپنے نام کے ساتھ باپ کا نام لگاتا تھا مگر وہ انہیں عزت وہ احترام دینے سے انکاری تھا جس کا حق دار ایک باپ ہوتا ہے۔ اس نے کبھی انہیں کچھ کہنے کا موقع نہ دیا تھا۔ اگر جو کہہ دیتے تو سننے کی زحمت نہ کی تھی۔ اگر جو کانوں میں ان کے لفظ پڑ بھی جاتے تو ان پہ اعتبار نہ کیا تھا۔ گیارہ اولادوں میں سے سب سے زیادہ عزیز اولاد، ان کی طرف دیکھنے کی روادار بھی نہ تھی۔ وہ ترستے تھے تڑپتے تھے کہ ایک بار تو وہ ان کی سنے۔ ان کے مرنے سے پہلے ایک بار تو انہیں صفائی کا موقع دے۔ انتیس سال ہونے کو آئے تھے کہ وہ دن آیا تھا۔ وہ انہیں سن رہا تھا۔

انہیں صفائی کا موقع دے رہا تھا۔ تین دہائیوں سے سینے میں کچھ گھٹے ہوئے سانس آج خارج ہو رہے تھے۔

☆☆☆

یہ اس کا گھر تھا۔ اسے ڈرنا نہیں چاہیے تھا مگر عجیب بات تھی کہ وہ ڈر رہی تھی۔

رات بڑی طویل تھی۔ مُرک آدھی رات تک اس کے ساتھ بیٹھی اور جب جمائیوں نے تنگ کر ڈالا تو "گڈ نائٹ" کہہ کر دعا دے گئی تھی۔ اس نے بھی سونے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ گو کہ کہا یہ جا رہا تھا کہ یہ اس کا کمرہ ہے پھر بھی اسے اجنبی جگہ اجنبی کمرے کا احساس رہا۔ جب نیند کسی طور نہ آئی تو وہ کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ باہر ہو کا عالم تھا۔ سامنے کی دیوار پہ لمبا سایہ نظر آیا تو ڈر کر پیچھے ہو گئی۔

ضامن مصطفیٰ بھی بابا کے کمرے میں جو گئے تو پھر آئے ہی نہ تھے۔ اس نے کہا بھی تھا کہ وہ ان کے ساتھ چلتی ہے مگر وہ یہ جواب دے کر اکیلے چلے گئے۔

"تم مُرک کو وقت دو۔"

اس نے مُرک کیا، اس کی والدہ، بہنوں، عباس کی والدہ اور بھابھی سب کو وقت دے دیا تھا، مگر ضامن مصطفیٰ کی بابا کے ساتھ نشست برخاست نہ ہوئی تھی۔

"یہاں لا کر مجھے بھول ہی گئے ہیں۔" اسے شکوہ سا ہوا۔ "خیر میں کون سا ان کے بغیر رہ نہیں سکتی۔" وہ دو چار چکر لگا کر پھر بیڈ پر آ بیٹھی اور آنکھیں

انیسویں قسط

ALIFADAB.COM
Watermarkly

سوئیں۔
بڑی بڑی سوجھیں — گہری کالی وارفتگی
لال آنکھیں اور اس پہ تنی ہوئی بھنویں۔
اس نے ایک دم آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"ضامن مصطفیٰ کی ماں بھی یونہی ڈرتی ہوں گی کیا؟" اس نے سوچا۔ اسے سوتھ یاد آئی جس کی عجیب نظریں اس کے جسم کے آر پار ہوتی جاتی تھیں۔ سوتھ کی بڑی بہو کا انداز بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ خیر اسے ڈر اس سے نہیں لگا تھا بلکہ بہار سے لگا تھا۔ لمبے کندھوں تک آتے بال، بڑی بڑی سوجھیں، خونی آنکھیں اور پھر اس کا دیکھنا — خولہ کے اندر کپکپی سی دوڑ گئی تھی۔ ضامن مصطفیٰ کا بھائی تو وہ لگتا ہی نہ تھا۔ کہاں ضامن مصطفیٰ اتنی بڑی اتنی شان دار شخصیت کے مالک — کہاں ان کے دونوں سوتیلے بھائی۔ ایسے ہو نہیں سکتے۔
وہ دل ہی دل میں ان بھائیوں کا موازنہ کرنے لگی۔ اور جب احساس ہوا کہ وہ آج بھی اس کل سے متاثر ہوتی ہے۔ تو فوراً ان خیالات کو ذہن سے جھٹکا۔
"صرف ظاہری فرق ہی ہے ورنہ موصوف ان سے کم نہیں۔ سب سے اچھا احساس ہے۔"
باہر درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ عجیب سی آوازوں میں بدلنے لگی۔ ہوائیں پرشور ہونے لگیں۔ کھڑکیوں کے پٹ بجنے لگے تھے۔ وہ اٹھ کر کھڑکی بند کرنے کے لیے آئی جب حویلی کے پچھلے احاطے پہ نظر پڑی۔
"وہیں کہیں حویلی میں دفن ہے وہ۔" اسے بابا کے ضامن مصطفیٰ کی پھوپھی کے متعلق کہے گئے لفظ پتہ نہیں کیوں یاد آ گئے تھے۔ اس کی گردن تو یونہی اکڑی رہی مگر نظروں میں کپکپاہٹ آ گئی۔
[illegible] وہ خون [illegible] کھیلے [illegible]

جن باتوں کو اس نے پہلے نظر انداز کیا تھا آج اس حویلی کے اس کمرے میں کھڑے ہوئے اور سب باتیں یاد آ رہی تھیں اور ان پہ یقین سا بھی آ رہا تھا۔
"وہ یہاں چلے گئے ضامن۔" وہ کمرے کے دروازے تک آئی۔ باہر جانے کا ارادہ کیا مگر رک گئی۔ اور کمرے میں ہی چکر لگاتے ہوئے بڑبڑاتی رہی۔
"سمجھتے کیا ہیں خود کو — [illegible] تک نہیں کروں گی ان سے۔"
اسی وقت دروازہ کھلا اور ضامن مصطفیٰ کمرے میں داخل ہوئے۔
"کہاں چلے گئے تھے۔" خود سے کیا ہر عہد اس وقت بھول کر ان پہ نظر پڑتے ہی بے اختیار بولی۔ "مجھے ڈر لگ رہا تھا۔"
"مجھے بھی ڈر لگ رہا ہے۔" وہ بڑبڑائے۔
"آپ کو کس سے ڈر لگ رہا ہے؟" ان کی بڑبڑاہٹ اس کے کان میں بھی پڑی تو اس نے سامنے کھڑے اونچے لمبے قد والے مرد سے حیران ہو کر پوچھا۔
"انسانوں سے۔"
خولہ وہیں کی وہیں جم سی گئی۔ ضامن مصطفیٰ کی آنکھیں لال تھیں بہت لال۔ ان میں نمی بھی تھی وہ شکست خوردہ قدموں سے چلتے بیڈ کی طرف گئے اور بیٹھ گئے۔ انہوں نے سر ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔
وہ یونہی بیٹھے رہے بہت دیر بیٹھے رہے۔ خولہ کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔
بابا سائیں کے کمرے میں جانے سے پہلے تک وہ چپ چپ سے ضرور تھے، مگر ایسی کیفیت نہ تھی جو اب محسوس ہوئی تھی۔ اتنا ٹوٹا ہوا بکھرا ہوا تو اس نے انہیں کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتی ان کے قریب آئی۔ لاکھ اسے ان کی پرواہ نہ تھی مگر وہ پرواہ کیے بغیر رہ نہ سکی۔ اس نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا

ضامن نے چونک کر سر اٹھایا۔
کچھ دیر اس کی طرف وحشت زدہ نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔
"پھوپھو خولہ — چلتے ہیں۔"
"کہاں؟"
"واپس — اپنے گھر۔"
"اس وقت۔" وہ حیران و پریشان ہوئی۔
"ہاں — میں نہیں چاہتا کہ تم یہاں رہو۔"
"کس بات سے خوف زدہ ہیں آپ؟" اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔
"تمہیں کھونے سے۔" وہ پھر بڑبڑائے تھے اور اس بار خولہ کن سنہ پائی تھی، صرف ان کے ہونٹوں کی جنبش محسوس کی تھی۔
"پھوپھو جلدی کرو۔" انہوں نے کہا اور خود الماری کی طرف بڑھ گئے۔ اسے کھول کر انہوں نے اپنا بیگ نکالا اور بیڈ پہ رکھ دیا۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل پہ پڑا خولہ کا ہینڈ بیگ بھی اٹھا کر اس بیگ کے پاس رکھا اور خولہ کا پرس، اس کے سن گلاسز، اس کا موبائل ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بھی سمیٹ کر ایک جگہ رکھنے لگے۔ جو اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ واقعی فوری واپسی کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

☆☆☆

ہم جو تیرے بغیر زندہ ہیں
سب دکھاوا ہے دنیاداری ہے
رات کا روز یہ دلاسہ ہے
آج کی رات صرف بھاری ہے
جتنا جینا تھا جی لیا ابرک
اب یہ جینے کی رسم جاری ہے

رات انتیس برس پہلے کی شب اماوس کی تھا سنا کر اب آخری دموں پہ پڑی تھی۔ بیٹا کمرے سے ابھی ابھی نکلا تھا اور باپ کو لگ رہا تھا کہ وہ اب جو گیا تو پھر کبھی نہ آئے گا۔ شاید وہ اسے روک لیتے جو اس کی ماں کے کھاتے میں بھی کچھ جرم کچھ گناہ لکھے ہوتے۔ مگر یہاں اصل مجرم اور گناہ گار تو کوئی اور نکلے۔ حقیقت انتیس سال پہلے ہی ان کے سامنے آ گئی تھی مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔
انتیس برس پہلے اس رات سارنگ کو اپنے بیڈ پہ اپنی جگہ پہ پڑا پا کر شک نے جو منظر انہیں دکھایا اس میں نرمل کو اس شخص کے پہلو میں پایا۔ اسکل ہے وہ لائی وہ اس کی جان بخشی تو کر سکتے تھے مگر پھر بھی اپنے پہلو میں جگہ نہ دے سکتے تھے۔
جب دھکے دے کر اسے زندگی سے باہر کر ہی دیا تھا تو کیا تھا کہ تمام عمر یہ شک ان کی آنکھ کے پردے پہ ٹھہرا رہتا۔ کم سے کم تب یہ حالت تو نہ رہتی کہ مر مر کے جیتے۔ پر کیا کریں کہ سچ کا ایک اصول ہے کہ وہ سامنے ضرور آتا ہے۔ ان کے سامنے بھی آیا تھا اور ایک ماہ چار دن بعد ہی آ گیا تھا۔
موراں انہیں دیکھ کر ہنستی، ادھر ادھر دیکھتی، کبھی لب کھولتی پھر مہر لگا لیتی۔ محلوں اور حویلیوں کے غلام اور کنیزیں بڑے بڑے راز سینے میں لیے پھرتے ہیں۔ کبھی اگل دیتے ہیں اور کبھی چھپائے چھپائے مر جاتے ہیں۔ موراں کسی بے گناہ کی بربادی اور دو بے گناہوں کے خون کے راز کا بوجھ لیے مرنا نہیں چاہتی تھی، اور جینا محال ہوا جاتا تھا۔ اس نے رستم سے ساری بات کہہ ڈالی تھی۔ وہ اس رات کی شاہد تھی۔ اس نے ملہار اور وارث سائیں کو مصطفیٰ سائیں کے کمرے میں جاتے دیکھا تھا۔ وہ نہ جانتی تھی کہ اندر نرمل زہرا پہ کیا بیتی مگر اسے خبر تھی کہ سارنگ سے پہلے اس کمرے میں وہ دونوں موجود تھے۔ سارنگ اور نرمل کو جس حالت میں دیکھنے کی انہوں نے کہانی بنائی تھی وہ جھوٹی تھی۔ شاہد تو اس رات کا کوئی اور بھی تھا مگر وہ گواہ بننے جیسا نہ تھا۔ کم سن تھا۔
موراں کو سارنگ بھوت بن کر ڈرانے لگا۔ وہ کالی آنکھوں والی لڑکی کی روح بھی ارد گرد بھٹکتی رہتی۔ وہ چپ ہوئی، پھر بہت چپ اور پھر جانے کیا ہوا کہ راتوں کو چلا چلا کر اٹھنے لگی۔ اور بیس پچیس دن ہی میں یہ حالت ہوئی کہ جاگتے میں بھی بیٹھے بیٹھے

ALIFADAB.COM
Watermarkly

چلانے لگتی۔ لوگ کہتے تھے کہ اسے جن آگیا ہے۔ یا اس کا دماغ پھر گیا ہے۔ پیر و مرشد کے مزار پہ حاضری ضروری ہے۔ رسم جانتا تھا کہ اس کی گھر والی پاگل نہیں ہوئی۔ اس پہ کوئی جن نہیں آیا، اس پہ ایک سچ آگیا ہے۔ اور سچ کبھی کبھی بھوت بلا سے کم نہیں ہوتا۔ اس نے مصطفیٰ امین کے قدموں میں سر رکھ کر گھر والی کا علاج کرنا چاہا۔ جانتا تھا کہ اس کے رد عمل میں جان بھی جا سکتی ہے مگر بیوی بھی تو پیاری تھی۔

موراں کو تو شاید کچھ سکون ہوا ہو مگر مصطفیٰ امین کا عمر بھر کا سکون برباد ہوا۔ انہوں نے ملہار کا گریبان پکڑ کر اسے تھپڑ مار مار کر اس رات کا سچ جانا۔ ملہار کوئی پیشہ ور قاتل تو تھا نہیں، دو خون اسے بھی ڈراتے تھے۔ باپ نے اسے پولیس کے حوالے کرنے کی دھمکی دی تو اس نے منہ کھول دیا تھا۔ اپنی اور وارث کی سیاہ کاریاں بھی قبول کر لی تھیں۔

اس شام وہ دونوں نزل زہرا کے کمرے میں غلط نیت سے گئے تھے۔ انہوں نے ضامن کو اپنے دادا کے پاس جاتے دیکھ لیا تھا۔ نزل وارث کو دیکھ کر ڈری مگر پیچھے آتے ملہار کو دیکھ کر سکون ہوا۔ وہ اس کا سوتیلا بیٹا تھا، اس سے کھنچا کھنچا بہت رہتا تھا۔ جب سے بچپن گیا تھا، بدتمیزی بھی کرتا تھا۔ مگر تھا تو بیٹا ناں۔ اس کے ساتھ ہوتے ہوئے وارث کی جرات نہیں تھی کہ اسے چھو بھی سکتا۔ وہ نہ جانتی تھی کہ یہ جرات تو ملہار کرنے والا تھا، اس کے سامنے جوان ہونے والا ملہار، اس کو اماں کہنے والا ملہار۔

اس دن حویلی کی زیادہ تر عورتیں حاضری دینے اپنے پیر و مرشد کے مزار پہ گئی تھیں۔ اس دن زنان خانے میں چپ سی تھی۔ اس رات نزل زہرا کے منہ سے گھٹی گھٹی آوازیں نکلتی کسی نے نہ سنی تھیں۔

ملہار نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھا۔ نہ رکھا ہوتا تو شاید دو کمروں کو چھوڑ کر تیسرے کمرے میں سوئی فاطمہ اٹھ جاتی۔ دونوں شیطانیت کے چولے میں تھے، جب ملہار نے سارنگ کی آواز سنی اور وہ ضامن کو پکار رہا تھا اور ضامن شاید طویل راہداری میں بھاگ رہا تھا۔ اس کے قدم اسی کمرے کی طرف آتے محسوس ہو رہے تھے۔ جب تک وارث بھی باہر سے آتی آوازیں سن چکا تھا۔ اب ضامن ماں کو پکارتے ہوئے دروازے پہ دستک دے رہا تھا۔

"میں مصطفیٰ کو تمہارا اصل چہرہ دکھاؤں گی۔" نزل زہرا رو رہی تھی۔

ملہار اور وارث، دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا اور ملہار دروازے کی طرف بڑھا۔

"خدا کے واسطے، میرے بیٹے کو کچھ مت کہنا۔" نزل زہرا چلائی۔ اب وہ بے نیاز سی اپنی دنیا میں ہنستے مسکراتے جینے والی لڑکی نہ رہی تھی۔ وقت نے اسے کچھ سبق دینا شروع کر دیے تھے۔ اسے ملہار کی نگاہ میں سفاکیت نظر آئی تھی۔

دروازہ کھلنے پہ اپنے کمرے میں ملہار کو دیکھ کر ضامن کو بڑی حیرت ہوئی۔ وہ اس کا بچپن تھا، معصومیت کا دور تھا، سمجھ ہی نہ پایا کہ اس کے ادا ملہار ڈانٹنے، دھمکانے سے بڑا کوئی جرم بھی کر سکتے ہیں۔ وہ کسی کی عزت بھی لوٹ سکتا ہے وہ کسی کی جان بھی لے سکتا ہے۔

"آؤ ضامن..... اندر آجاؤ۔" ملہار کا لہجہ اسے کچھ اجنبی سا لگا..... شاید پیار سے بات کی تھی اس لیے۔

ضامن نے پیچھے آتے سارنگ کو آواز دی اور خود اندر آ کر اپنی ماں کے لیے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ وہ بیڈ سے اٹھ کر اسی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"بھابھی السلام علیکم۔ ادا کب تک آجائیں گے۔" ملہار صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا جب سارنگ نے باہر ہی سے سلام کیا تھا۔ حویلی میں مردوں کے لیے کسی کے بیڈ روم میں جانے کی ممانعت ہوتی تھی۔ نزل زہرا سارنگ کو باہر لان، کچن، برآمدے میں ملتی تو خوش دلی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت ہوتی، گپ شپ بھی رہتی۔ کبھار کسی موضوع کو لے کر بحث بھی چھڑتی۔ مگر وہ کبھی بھی بیڈ روم میں نہ گیا تھا۔ اسے نہ خبر تھی کہ آج تھا اسے اندر بلائے گی۔

سارنگ نے دروازے پہ ملہار کو دیکھ لیا تھا اور ملہار نے اسے۔ وہ اس وقت ملہار کی کمرے میں موجودگی پہ حیران ہوا۔ نزل زہرا مصطفیٰ امین کے بیٹوں کے لیے، کتنا بھی نرم گوشہ کیوں نہ رکھتی ہو یہ حقیقت تھی کہ وہ ملہار اور مہران کی نگاہ میں سوتیلی ہی تھی۔

"سارنگ....." نزل زہرا چلاتے ہوئے اس کی سامنے آئی تھی۔ اس کے بکھرے بال، کسی بھی چادر دوپٹے سے بے نیاز اس کا وجود، اس کی آنکھیں، اس کا چہرہ دیکھ کر سارنگ کو کچھ بہت غلط ہونے کا احساس ہوا۔ وہ فوراً کمرے کے اندر داخل ہوا۔ اور یہ اس کی زندگی کی آخری غلطی تھی۔

وارث اور ملہار نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

نزل زہرا آج منہ کھول دینے والی تھی۔ وارث کا پہلا جرم وہ چھپا گئی تھی مگر آج وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے جتا رہی تھی کہ اب اور نہیں..... بالکل نہیں۔

وارث تو شاید نزل زہرا کو دھمکا ڈرا کر، اس کا منہ بند رکھنے کی کوشش کر لیتا مگر ملہار بہت ڈر گیا تھا۔ اس کا ڈر وارث کے کرتوت بھی بے نقاب کرتا۔ اس خدشے نے اس سے وہ سب کروایا جو انسانی فعل کہلانے کے قابل نہ تھا، مگر کیا کریں کہ انسان بعض دفعہ اتنا ہی گر جاتا ہے۔ اسے اپنا رب بھول جاتا ہے۔

نزل زہرا اور سارنگ کو جب تک سمجھ آیا کہ وارث کیوں چلا رہا تھا۔ کمرے سے باہر کیوں گیا تھا، اور جب واپس آیا تھا تو اس کے ہاتھ میں کلہاڑی کیوں تھی بہت دیر ہو چکی تھی۔

وارث نے سارنگ کو بیڈ پہ دھکا دے کر گرایا اور کلہاڑی کے وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ تھر تھر کانپتی نزل نے ضامن کو لے کر بھاگنا چاہا تھا مگر راہ میں ملہار حائل تھا۔ وہ اپنے بچے کا ہاتھ پکڑ کر باتھ روم کی طرف بھاگی اور اندر جا کر کنڈی لگا لی۔

اسی اثناء میں وارث کا چلانا جمال، عمر، فاطمہ، موراں اور حویلی کے چند اور لوگوں کو اکٹھا کر چکا تھا۔ کسی نے بھاگ کر بابا سائیں کو اطلاع دی تھی۔

"نکل بے غیرت عورت۔ میں تیرے بھی ٹکڑے کروں گا۔" وارث چلاتا تھا اور اندر نزل اور نو سال کانپ رہے تھے۔

"اے رب! مصطفیٰ آجائیں۔"

"بابا سائیں..... بابا سائیں۔"

دونوں کو ایک ہی شخص کا انتظار تھا، جو آتا اور انہیں بچا لیتا۔ وہ شخص آیا تھا۔ اس نے انہیں بچا لیا تھا، مرنے نہیں دیا تھا بلکہ پل پل مرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

ملہار کے اقرار جرم کے بعد مصطفیٰ امین نے اسے، بہت مارا تھا اور پھر تھک کر زمین پر بیٹھ کر رونے لگے تھے۔ سر پیٹتے نے اپنے بیٹوں کو نزل زہرا اور اس کے بیٹے سے نفرت کرنے کا پاٹ صرف پڑھایا تھا۔ مگر وہ یہ سب کرے گا، یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

مصطفیٰ امین کو اب بہت کچھ یاد آ رہا تھا وارث کا نزل کے ساتھ بدلتا رویہ اور ملہار۔

تین جگہ سے فریکچر ڈنانگ کی تکلیف ویسی نہ تھی، جیسی اس ہولناک حقیقت کی اذیت تھی۔ ان کی بیوی ان کے اپنے گھر میں محفوظ نہ تھی۔ ان کا اپنا بھائی ان کا اپنا بیٹا..... انہیں گھن آنے لگی تھی۔

انہیں یہ بھی یاد آیا تھا کہ نزل کے چلن کے بارے میں الٹی کہانیاں سنانے والا کون تھا۔ ان کی بیوی، ان کا بھائی، ان کا بیٹا اور کچھ ستا دھرے دل والے لوگ۔

ان کی آنکھ پہ بڑا پردہ ڈالا گیا تھا اور اس کا سب سے بڑا ذمہ دار وارث تھا۔ وہ اس کو بخشنے والے نہ تھے۔ وارث نے ان سے نزل زہرا کو چھینا، انہوں نے نصیب بی بی کو وارث سے چھین لیا۔ جو بیٹی کے روپ میں اسے ملنے والی تھی۔ چھ برس پہلے وارث نے بیٹے کی نسبت جہاں طے کرنے کی خواہش ظاہر کی مصطفیٰ امین نے اسی لڑکی کے لیے اپنا رشتہ پہلے ڈال دیا۔ کم عمر زلیخا سے ان کی شادی ہو گئی۔

مصطفیٰ امین شادیاں کرتے رہے۔ ہر بیوی میں نزل کی ادائیں، اس کی باتیں، اس کا لہجہ تلاش

ALIFADAB.COM
Watermarkly

کرتے مگر نامراد رہتے۔ نزل زہرا ہی ان کو پھر نہ ملی۔ ان کو پھر آٹھ اور اولادیں بھی عطا ہوئیں۔ ہر اولاد کے چہرے میں، باتوں میں، شرارتوں میں ضامن کو ڈھونڈتے رہے مگر ضامن جیسا کوئی اور نہ ملا۔ اس دونوں کو کھونا ناقابل تلافی نقصان رہا۔ ان دونوں کو کھو کر وہ زندوں میں رہے نہ مردوں میں۔

☆☆☆

ضامن مصطفیٰ بہت تیزی کے ساتھ گاڑی چلاتے ہوئے حویلی سے نکلے تھے۔ حویلی کے دروازوں، کھڑکیوں، دیواروں، دالانوں سے نزل زہرا کی سسکیاں لپٹی تھیں۔ وہ اندھے اور بہرے ہو کر یہاں سے نکل جانا چاہتے تھے۔ پھر کبھی لوٹ کر پیچھے دیکھنے کا ارادہ نہ رکھتے تھے۔

خولہ کو رات کا یہ سفر اور ضامن مصطفیٰ کی ڈرائیونگ فکرمند کر رہی تھی مگر اس سے زیادہ اسے ان کے چہرے کے تاثرات پریشان کر رہے تھے۔ اس نے انہیں مضطرب بھی دیکھا تھا، چپ بھی دیکھا تھا، بے چین بھی دیکھا تھا مگر ایسی کیفیت میں کبھی نہ پایا تھا۔

وہ گاؤں سے باہر نکل آئے تھے جب ضامن نے گاڑی اچانک روک دی۔ خولہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ مگر وہ کسی کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔ وہ اسٹیئرنگ پہ بازو رکھ کر اس پہ سر رکھتے ہوئے رونے لگے تھے۔

خولہ اس صورت حال میں شاکڈ رہ گئی۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کبھی یوں ضامن مصطفیٰ کو روتے دیکھے گی۔

وہ لمبا چوڑا مرد بچوں کی طرح چہرہ چھپائے رو رہا تھا۔ اسے اپنی ماں کا غم اس کی بے بسی اس کی تکلیف رلا رہی تھی۔ انتیس برس ہونے کو آئے اس رات کو مگر انہیں لگ رہا تھا کہ وہ ابھی بھی ماں کے ساتھ اس سڑک کنارے بے یار و مددگار بیٹھے ہیں۔

"ضامن!" خولہ نے ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

انہوں نے سر نہ اٹھایا، یونہی روتے رہے۔ انہیں [illegible] بیٹی [illegible] ان کے فلاح فیصلے رلا رہے تھے۔ کیا ان کا پچھتاوا ان کے اللہ کی ندامت کافی تھے، سود مند تھے اب؟

"ضامن! ہوا کیا ہے؟" خولہ ان کے کندھے پہ آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرنے لگی۔

انہوں نے جواب نہ دیا، بس روتے رہے۔ انہیں حویلی کے مردوں کی ہنسی، ان کے مکروہ چہرے، ان کے بھیانک عمل رلا رہے تھے۔ انہیں ان مردوں سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ انہیں اس وقت اپنے آپ سے بھی نفرت ہو رہی تھی۔ کیوں وہ کسی کی جان لینے کا دل گردہ نہ رکھتے تھے۔ ورنہ آج کسی اور کا نہیں تو وارث اور ملہار کا خون تو کر ہی ڈالتے۔

"ضامن! پلیز۔" خولہ کی انگلیاں ان کے بالوں میں پھرنے لگیں۔

ان کے آنسو خشک نہ ہوئے۔ وہ روتے رہے۔ انہیں دو بے گناہوں کا ناحق قتل رلا رہا تھا۔

"ضامن..... پلیز میں بھی رو دوں گی۔" خولہ روہانسی ہو گئی۔

وہ جیسے کچھ سن نہ رہے تھے، کچھ اور محسوس نہ کر رہے تھے۔ وہ بس رو رہے تھے جانے کس کس بات پہ ماتم کناں تھے۔

خولہ نے انہیں اپنی بانہوں کے حلقے میں لے لیا۔

رات بڑی بھاری رہی۔ خولہ کو لگ رہا تھا کہ اب گھر چلنا چاہیے کیونکہ وہ ضامن مصطفیٰ کی حالت دیکھ رہی تھی اور ضامن اس سے کیا وعدہ کیسے بھول سکتے تھے۔ ان کی ذہنی کیفیت جیسی بھی تھی وہ خولہ کو وہاں لے جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے خود پر قابو پا لیا تھا۔ اور پھر ایک لمبا سفر طے کر کے وہ اس محلوں جیسے گھر کے سامنے پہنچے۔ جس کے باہر سونے کے لفظوں سے لکھا تھا۔

"ہیشوری پیلس"

اس گھر میں ایک عورت رہتی تھی جس کے بازو سونے کے بھاری کنگنوں سے سجے رہتے تھے اور جس نے ایک بار اپنی اکلوتی بیٹی کھوئی تھی وہ پھر مل گئی تھی مگر مل کر بھی ایسا لگتا تھا کہ کھو گئی۔ اور پھر ایسا ہوا کہ واقعی کھو گئی۔

☆☆☆

لاریب لاریب لاریب

وہ رات پورے چاند کی تھی..... نہیں..... وہ رات اماوس کی تھی۔

وہ رات ملن کی تھی..... نہیں..... وہ رات جدائی کی تھی۔

وہ رات بھید بھری تھی۔

اس رات گاگری دیوی نے اپنی بیٹی کو چوہدری اسود حیدر کے پاس رخصت کیا تھا۔

اس رات چوہدری اسود حیدر اور رام کولہی میں سے کوئی نہ جانتا تھا کہ خواب کس کا پورا ہونے جا رہا ہے۔

اس رات گاگری دیوی اور رحیمہ احمد میں سے کوئی نہ جانتا تھا کہ آج رات دو مائیں اپنے اپنے خدا سے شکوہ کناں ہو جائیں گی۔

طے کیے گئے پروگرام کے مطابق ان دونوں کو کراچی پہنچنا تھا، جہاں اسود ان کا منتظر تھا۔ ہیشوری پیلس سے نکل کر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے عمر کوٹ کے اس محل پہ نگاہ ڈالی جہاں آسیجن کی کمی تھی اور زہریلی گیسوں کی بہتات۔ آج وہ آزاد ہونے جا رہی تھی۔ کراچی میں اس کا اسود کے ساتھ نکاح ہونا تھا۔ ان کو فی الحال چوہدری نگر نہیں جانا تھا۔ وہ دونوں لاہور کے لیے نکل جاتے۔ جہاں ان کا ارادہ تھا کہ احمل اپنے مسلمان ہونے کا باقاعدہ اعلان کرتی۔ اس کے بعد اگلا قدم جگدیش ہیشوری کے ردعمل کو دیکھ کر اٹھاتے۔ شاید انہیں ملک سے باہر جانا پڑتا۔

اس نے آخری نظر اس محل جیسے گھر پہ ڈالی جو اسے قبر لگتا تھا مگر آج رخصت ہوتے سے یاد آ رہا تھا کہ یہ گھر اس کے باپ نے تعمیر کروایا تھا..... اس باپ نے جو "دے دی" سننے کی لیے پورا مال و متاع لٹانے کو تیار ہو گیا تھا۔

آنکھ پھر بھیگی۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ رام نے ایک نظر اس پہ ڈالتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔ وہ کوئی اور گاڑی تھی جو رام لے کر آیا تھا۔ جو گاڑی اس کے استعمال میں رہتی تھی، اس میں گاگری دیوی نے اسے بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ چوکیدار کو گیٹ پہ سے غائب کر دیا گیا تھا..... کیسے..... اس نے نہیں سوچا۔ یہ سارے انتظامات رام کے ذمہ تھے۔

گاڑی چل پڑی تھی۔ اس کا دل چاہا، وہ ایک دفعہ..... بس ایک دفعہ بھاگتی ہوئی جائے اور اپنی ماں کے سینے سے لگ جائے۔ لیکن ان کی طرف سے ہدایت اتنی سخت تھی کہ وہ یہ خواہش پوری کر نہ سکی۔ اس نے تو آج صبح جھاؤ کا چہرہ بھی خوب دیکھا تھا۔ اسے لگا تھا، وہ اس چہرے کو آخری بار دیکھ رہی ہے۔ اسے اس وقت پتا نہیں تھا کہ ابھی اسے اس شخص کو پھر دیکھنا ہے۔

ایک خاموش اور بھید بھرا سفر شروع ہو گیا تھا۔ وہ رام سے بہت باتیں کیا کرتی تھی لیکن اب کہنے کو کچھ بچا نہ تھا۔ رام کولہی بھی اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا مگر اس کے پاس بھی ــــ کہنے کو کوئی [illegible] نہ رہا تھا۔ اس کا رشتہ چپ سے شروع ہو کر خاموشی پہ ختم ہونے جا رہا تھا۔

گاڑی عمر کوٹ سے نکل آئی تھی۔ چاند ان کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا..... کیا ماہ کامل کو اس رات کا گواہ بننا تھا؟

اگر ایسا ہی ہے تو پھر اس کی گواہی ہونی چاہیے کہ اس رات ایک احمل نے ہر کوشش کر ڈالی تھی ایک رام کو عبدالہادی بنانے کے لیے۔ اس نے اپنی چپ کو توڑا۔

"پتا ہے رام..... میری سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟"

سیاہ آنکھوں والی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ رام کولہی چپ رہا تھا۔ اس کی نظریں سامنے سڑک پہ تھیں، ہاتھ اسٹیئرنگ پہ اور ذہن اس جواب پہ جو وہ خود ہی دینے والی تھی۔

"تم مسلمان ہو جاؤ۔"

رام کولہی کے لیے اس کی یہ خواہش پرانی تھی۔ لیکن اس کی نفرت اس سے بھی کہیں پرانی تھی جو وہ مسلمانوں کے لیے رکھتا تھا۔ نفرت جیتی تھی اور محبت ہارنے جا رہی تھی۔

"میں نے تو سوچ بھی لیا تھا کہ جب تم مسلمان

ALIFADAB.COM
Watermarkly

ہو جاؤ گے تو تمہارا نام کیا ہوگا۔"

وہ ہونٹ بھینچے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ اسے کمزور نہیں پڑنا تھا۔ لالو کو بھی بار بار اس کی نگاہ کے سامنے آتا..... ہاں اسے کمزور نہیں پڑنا تھا۔

"پہلے میں تمہیں امر کہا کرتی تھی..... پھر رام..... اور پھر....." اس نے سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے لگائے چہرہ گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ "پتا ہے پھر میرا تمہیں کس نام سے پکارنے کو دل چاہے گا؟"

رام کوہلی نے آگے جانے والے ٹرک کو اوور ٹیک کیا۔ گاڑی نے ایسا جھٹکا کھایا کہ وہ اس کے بازو پہ گری۔ سیدھی ہوئی، اس کی طرف دیکھا اور مسکرائی۔

"عبدالہادی"

گاڑی کے ٹائر چرچرائے۔

عبدالہادی..... یہ نام وہ پہلے بھی سن چکا تھا..... کہاں؟

ایک شام نگاہ میں آ ٹھہری۔ جب وہ اپنے کمرے سے نکل کر اس لڑکی کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ جب وہ اس سے چند دل کی باتیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر وہ تو کسی اور سے ہی مخاطب تھی۔ وہ اس نادیدہ ہستی سے کوئی خواہش کر رہی تھی۔ اور مانگ بھی بھلا کیا رہی تھی..... رام کوہلی اپنی جگہ منجمد سا ہو گیا تھا۔

"میرے اللہ! رام کو عبدالہادی کر دے۔"

تب وہ سمجھ کر بھی نہ سمجھا تھا۔ مگر آج تو وہ سیدھا سیدھا اس سے کہہ رہی تھی۔

"بلکہ یوں کہو کہ اب تو تمہیں عبدالہادی کہنا ہی میری آخری خواہش ہے..... پوری نہیں کرو گے؟"

آخری وہی آس..... جو رام کوہلی نے کئی دن پہلے توڑ ڈالی تھی۔ پھر بھی پتا نہیں کیسی امید رکھتی تھی وہ اس شخص سے جس کی نفرت اتنی قدیم تھی جتنی پرانی اس کی پہلی سانس۔ وہ پھر بھی محبت کی سوالی تھی۔

"چوہدری اسود حیدر آپ کا انتظار کر رہا ہے؟"

"[illegible]"

"عبدالہادی ایک فرضی کردار ہے۔"

"عبدالہادی ایک حقیقت ہے۔" وہ کوئی آس نہ دلاتا تھا، مگر وہ لڑکی پر امید تھی اس وقت بھی جب وہ دوراہا آنے والا تھا جہاں سے دونوں نے مختلف رستوں پہ مڑ جانا تھا۔

رام کوہلی پھر کچھ نہیں بولا۔

رستہ طویل تھا، ساتھ مختصر۔ بالآخر رستہ بھی ختم ہونے کو جا رہا تھا اور ساتھ بھی۔ الوداع کرنے سے پہلے وہ اس سے کوئی اچھی بات کہنا چاہتا تھا۔ کوئی اچھی دعا دینا چاہتا تھا۔ الفاظ کی کمی اس کے پاس ہمیشہ سے تھی۔ بڑی دقت سے فقط یہ کہہ سکا۔

"میں آپ کے لیے اچھی زندگی کی دعا کرتا ہوں۔"

"میں تمہارے لیے اچھی زندگی، اچھی موت، اچھی آخرت کی دعا کرتی ہوں۔" وہ اداس سی پر مسکرا رہی تھی۔

اس سادہ سی لڑکی کی مشکل سی باتیں رام کوہلی کو اکثر سمجھ میں نہ آیا کرتی تھیں۔ اس وقت بھی اس نے ان لفظوں کو سمجھنے پرکھنے کی کوشش کی تھی۔

☆☆☆

"اللہ خیر کرے۔"

وہ رات ایسی تھی کہ چوہدری نگر پہ بھاری تھی۔ اٹھتے بیٹھتے ہر زبان سے یہی نکلتا۔ جو بے خبر تھے، وہ گہری نیند سو رہے تھے۔ اور جو باخبر تھے، بے چین و مضطرب تھے۔ رحیمہ احمد کے سجدے طویل ہو رہے تھے۔ چوہدری صاحب ابھی تک اپنی چارپائی پہ نہیں آئے تھے، اندر کمرے میں بیوی کے پاس بیٹھے تھے جو کبھی بڑبڑانے لگتیں تو کبھی رونے۔ ہمایوں چھت پہ چکر کاٹ رہا تھا۔ موبائل اس کے ہاتھ میں تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس کی اسود کے ساتھ بات ہوئی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ احمل عمر کوٹ سے نکل آئی ہے۔

"یار! مجھے تیرے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔" اس نے کہا تو اسود ہنس دیا تھا۔

"تم نے میرے نکاح کے چھوہارے بانٹنے

تھے کیا؟"

"نہیں..... تیری عمر قید پہ تجھے گلے سے لگا کر تسلی دینی تھی۔"

دونوں ہنس دیے..... دوسری طرف اسود ہنستے ہنستے چپ ہوا تھا۔ اسے وہ خواب پھر یاد آ گیا تھا جو تھا تو اچھا مگر.....

ہمایوں بات کرتا ہوا چھت کے کنارے آیا۔ پھوپھو فردوس کے دیئے پہ نظر پڑی۔

کوئی اور بھی تھا، جو جاگ رہا تھا۔

☆☆☆

مسلمانوں کی مسجدوں میں فجر کی صدائیں بلند ہونے کو تھیں جب رام کوہلی مرر میں ایک گاڑی دکھائی دی۔ اس کا سانس بند ہونے کو آیا۔ وہ اس گاڑی کو پہچانتا تھا۔ اس نے اپنی بائیں جانب بیٹھی دیوی پہ نگاہ ڈالی جس کا آدھے سے زیادہ چہرہ چادر میں چھپا تھا۔ وہ شاید سو رہی تھی جب ہی تو گاڑی کی رفتار بڑھانے پہ ہڑبڑا کر اٹھی۔

"ہم کہاں پہنچ گئے؟" اس نے چادر صحیح کرتے ہوئے پوچھا۔

رام کوہلی بھی جواب دیے بنا گاڑی بھگاتا رہا لیکن کہاں تک..... اس کی عام سی گاڑی اس گاڑی کا مقابلہ نہ کر سکی جس کی رفتار کی وجہ سے اس کی قیمت ادا کی جاتی ہے۔

"کیا ہوا؟" احمل نے پوچھا مگر اس نے کوئی بھی جواب نہ دیا۔

جواب اسے خود ہی ملا جب اس کی نظر اس سیاہ گاڑی پہ پڑی۔ اس کا دل بند ہوا۔ رام نے ایک ذیلی سڑک پہ گاڑی ڈالی۔ وہ کہیں گم ہو جانا چاہتا تھا۔ مگر ابھی اتنا آگے نہیں پہنچے تھے وہ کہ سیاہ گاڑی ان کے پاس سے گزر کر آگے گئی، رکی اور گولی کی سی تیزی کے ساتھ اس میں سے جگدیش مہیشوری نکل کر سڑک کے بیچوں بیچ آ کھڑا ہوا۔

احمل نے دل پہ ہاتھ رکھا۔

"امت الاحد..... کس بات سے ڈر رہی ہو۔ ایک توحید پرست یوں ڈرتا ہے کیا؟"

جس ہاتھ سے گاڑی کا دروازہ کھولا، اس میں کپکپاہٹ تھی مگر کلیجہ مضبوط ہو گیا تھا۔ وہ نڈر ہو کر باہر نکلی۔ دوسری طرف سے رام بھی باہر آیا۔

جگدیش مہیشوری کی آنکھیں اس کے چہرے کے تنے نقوش اس کے غیض و غضب کو بیان کر رہے تھے۔

"واپس چلو درگا!"

"امت الاحد واپس نہیں جائے گی بھاؤ!" اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ اس کی نگاہ نڈر تھی۔

"واپس چلو درگا!" اس کا ہاتھ بائیں جانب سر سرایا تھا۔

"امت الاحد واپس نہیں جائے گی بھاؤ!"

"واپس چلو درگا دیوی!" جگدیش مہیشوری نے چبا چبا کر کہا۔

"امت الاحد واپس نہیں جائے گی بھاؤ!" اس نے بھی چبا چبا کر وہی جواب دیا۔

کیا کریں گے؟

اس نے سوچا تھا۔

تھپڑ ماریں گے۔ بالوں سے گھسیٹیں گے۔ دھکا دیں گے۔ ٹھوکر ماریں گے..... جان سے تو نہیں مار ڈالیں گے ناں۔

اور اسی پل اسے اپنے دل کے قریب کچھ ٹکراتا محسوس ہوا۔ پھر خون کا فوارہ ابلتا ہوا بھی محسوس ہوا۔ پھر ایسا ہی ایک احساس گردن کے پاس محسوس ہوا۔ اسے سمجھ میں آ گیا۔

جگدیش مہیشوری..... اس کا بھاؤ آج اسے جان سے مارنے آیا تھا۔

گرتے گرتے اس نے رام کو بھاگ کر بھاؤ سے پستول چھینتے ہوئے، اسے دھکا دے کر نیچے گراتے ہوئے اور پھر دوڑ کر اپنی طرف آتے ہوئے پایا۔

"نہیں..... نہیں....." اس کا سر اپنے بازو پہ رکھے سر نفی میں ہلاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ایک احمل کے لب

ALIFADAB.COM
Watermarkly

پہ وہ کلمہ آیا جو ہر مسلمان آخری وقت میں اپنے ہونٹوں پہ چاہتا ہے۔

"دیکھو، جانا نہیں۔" وہ اس کی منت کر رہا تھا۔

دور کھڑا جگدیش بیشوری بہن کو مرتے دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے جان سے مارنے نہیں آیا تھا مگر ایسا کر ڈالا تھا۔ اور کوئی صورت نہ تھی۔

اور فلک پہ ماہ کامل بھی ششدر تھا۔

"دیکھیں پلیز نہیں ۔۔ دیوی..... امت ..... احل..... امت الاحد۔" اس کی دیوی کو اس نام سے پکارا جانا پسند نہیں تھا۔ اس کا سر گود میں رکھے رام کولی کو یاد آ رہا تھا۔

اور اس لڑکی کی بہت بڑی خواہش پوری ہوئی مگر اس وقت جب وہ ان سب چیزوں سے بے نیاز ہو جانے والی تھی۔

"آنکھیں کھولیں..... پلیز آنکھیں کھولیں۔" رام کولی اس پہ جھکا رو رہا تھا۔

"اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔" وہ دنیا کی ہر شے سے غافل ہو رہی تھی۔ یہ احساس کہ وہ اپنے احد کے پاس جا رہی ہے، اس کے لبوں پہ مسکراہٹ لے آیا تھا۔

"آپ ..... آپ مجھے عبدالہادی کہنا چاہتی تھیں ناں..... ہاں ہاں کہہ لیں عبدالہادی..... کہہ لیں..... مگر مجھے چھوڑ کر..... پلیز نہیں۔" وہ اس لڑکی کی آخری خواہش پوری کرنے کو تیار تھا۔ وہ اس کی ہر خواہش پوری کرنے کو تیار تھا۔ بس وہ ٹھہر جائے..... بس وہ نہ جائے۔

وہ اسے اپنی بانہوں میں بھرے رو رہا تھا، چلا رہا تھا۔

مسلمانوں کی مساجد میں فجر ہونے لگی تھی۔ یہی وقت تھا جب اس نے اس لڑکی کو پہلی بار دیکھا تھا۔ اور یہی وہ وقت ہے جب وہ اسے آخری بار.....

"نہیں۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے اپنی سوچ کو جھٹکا اور امت الاحد کو اٹھانے کے لیے جھکا۔

☆☆☆

چوہدری اسود حیدر کا خواب سچا تھا۔ خواب جو تھا تو اچھا مگر..... وہ ڈرتا تھا اس کے سچ ہونے سے۔

اس کا موبائل والا ہاتھ اس کے پہلو میں آ گرا۔ وہ سانس لے سکا نہ ہل سکا۔

"آخر وہ لوگ پہنچے کیوں نہیں۔" شعیب نے پھر آ کر پوچھا۔ ان کے اندازے کے مطابق ان دونوں کو گھنٹہ پہلے پہنچ جانا تھا ان کے پاس۔ مگر جانے کیا ہو گیا تھا۔ اس کا دل بھی گھبرا رہا تھا۔

"وہ پہنچ گئی ہے شعیب!" اس کو اپنی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔

"کہاں؟" شعیب سمجھ نہیں پایا۔ اسے اسود کا لہجہ بھی عجیب لگا۔

"اس اللہ کے پاس..... جس کے لیے گھر سے نکلی تھی۔"

"مطلب....." وہ ششدر رہ گیا۔

"میں نے خواب دیکھا تھا..... اسے برچھی لگی تھی۔ اس کے منہ سے "احد احد" نکل رہا تھا۔ پھر سب بند ہو گیا تھا۔ اس کی آواز..... اس کی آنکھیں۔"

شعیب ایک دم آگے آیا۔ اس کو بازو سے تھاما۔ اسے وحشت ہوئی ان خشک آنکھوں سے۔

"اسود!" اس کے منہ سے بے آواز نکلا تھا۔

☆☆☆

وہ پوری جو ہمایوں دن رات آنکھیں بند کر کے چڑھا اترا کرتا تھا اس پہ سے آج اترنا مشکل ہوا۔ آنکھیں دھندلا رہی تھیں اور پاؤں رکھ کہیں رہا تھا، پڑ کہیں رہا تھا۔ بمشکل نیچے اترا۔ بابو کی چارپائی کی طرف دیکھا جو خالی تھی۔ پھر ماں کی طرف دیکھا، جو سجدے میں تھیں۔ وہ ان کے قریب سے گزر کر تیزی سے چلتے ہوئے ایک کمرے کے سامنے آ رکا اور دروازہ دھڑ دھڑایا۔

ابو..... ابو....." اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ اس کا ہاتھ بھی کانپ رہا تھا۔

"اللہ خیر۔" چوہدری سلیمان یعقوب جن کی آنکھ کچھ دیر پہلے ہی لگی تھی، اٹھ بیٹھے۔ آسیہ بھی ہڑبڑا کر اٹھیں۔

"ابو!" ہمایوں پھر دروازہ دھڑ دھڑا رہا تھا۔ یہ آواز سن کر باقی کمروں کے افراد بھی جو سو رہے تھے، وہ جاگ گئے اور جو جاگ رہے تھے وہ باہر بھاگے۔ آواز رحیمہ احمد کے کان تک بھی پہنچی مگر انہوں نے سجدے سے سر نہ اٹھایا۔

چوہدری سلیمان یعقوب نے بنا چپل پہنے دروازہ کھولا۔ ہمایوں تیزی سے اندر آیا۔ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا اور جسم میں کپکپاہٹ تھی۔

"اسود ٹھیک ہے ناں؟" چوہدری سلیمان یعقوب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ابو..... احل..... احل۔"

"کیا ہوا احل کو..... ٹھیک ہے ناں وہ۔" چوہدری سلیمان یعقوب کا دل ڈوبا۔

چوہدری صاب بھی کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے پیچھے رفعت جہاں۔

"احل..... احل کو مار دیا اس کے بھائی نے۔" ہمایوں رو دیا۔

آسمان گرا تھا ہر شخص کے سر پہ۔ سفیان، ارم، مومنہ، بابر اور گل چہرہ بھی کمرے میں ایک دوسرے کے پیچھے داخل ہوئے تھے۔ اس خبر کو سن کر کوئی رو پڑا تھا تو کوئی ابھی تک سکتے میں تھا۔ چوہدری صاب نے سب سے پہلے خود کو سنبھالا۔ روتے ہوؤں کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"وہ بچی اللہ کے لیے اپنا گھر نہیں ۔۔۔ اپنے رشتے قربان کر کے نکلی تھی۔ وہ شہید ہوئی ہے۔"

مومنہ باپ کا کس پا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ رفعت جہاں نے آنکھیں میچ رکھی تھیں۔ بند آنکھوں کے پیچھے سے آنسو نکل نکل کر ان کا چہرہ تر کرنے لگے۔ انہیں اپنے بیٹے کا خیال ستا رہا تھا۔ انہیں اپنے کہے لفظ یاد آ رہے تھے۔

"اس کمینے کو چھوڑوں گا نہیں میں۔" چوہدری سلیمان یعقوب نے الماری کھول کر اباجی کی بندوق نکال لی تھی۔

"سلیمان قابو پاؤ خود پہ۔" چوہدری صاب نے آگے بڑھ کر بندوق ان کے ہاتھ سے لی۔

"پالی صاب..... پالی صاب کی نشانی..... میری بچی۔" وہ رو دیے۔ چوہدری صاب نے ان کا کندھا تھپتھپایا۔

"یہ سوچو سلیمان کہ رحیمہ پالی کو یہ خبر کیسے دینی ہے۔" کہتے کہتے ان کی نگاہ رفعت جہاں کے عقب میں پڑی۔ ایک ماں بیٹی کی موت کی خبر سن چکی تھی۔ نماز کی چادر میں ان کا سرخ و سفید چہرہ بالکل سفید پڑ چکا تھا۔

"ماں۔" ہمایوں کی نظر ان پہ پڑی تو فوراً ان کی طرف بڑھا۔ ان کا ہاتھ تھاما۔ انہیں پلنگ پہ بٹھایا۔ مومنہ کی سسکی ابھری۔

"وہ امت الاحد بن گئی۔ اس کے جانے پہ مجھے فخر ہے۔" سپید پڑے چہرے پہ ضبط کی سرخی جھلکی۔ آنکھوں میں آنسو آئے۔ لہجہ بھیگا مگر زبان لڑکھڑائی نہیں۔ کمرے میں سسکیاں بڑھ گئی تھیں۔

☆☆☆

"ہے بھگوان..... مجھے معاف کرنا۔ میری بچی کو معاف کرنا۔" ایک ماں ہاتھ باندھے آنکھیں موندیں پتھر کی مورت کے آگے بیٹھی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ اس کی بچی نے جو قدم اٹھایا ہے، بھگوان کی ناراضی کہیں کوئی عذاب نہ لے آئے۔ وہ گھنٹوں سے شوجی کے سامنے بیٹھی تھی۔

اسلام کوٹ ایک دفعہ لے کر گئی تھیں وہ اسے شو جی کے مندر جب وہ پندرہ سال کی تھی۔ چھت پہ چمٹی چمگادڑیں دیکھ کر بری طرح سے ڈر گئی تھی وہ۔ ایک چمگادڑ اڑی تو گاڑی دیوی خود بھی ڈر گئیں اور جلدی سے اسے ساڑھی کے پلو میں چھپایا۔ شو لنگ پہ نظر ڈالے بغیر اسے لیے باہر نکل آئیں۔

"آؤ تمہیں باروی کا کنواں دکھاتی ہوں۔ یہیں پاس میں ہے۔" انہوں نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے

ALIFADAB.COM
Watermarkly

اس کو بہلانا چاہا مگر خوف اس کے دل سے نہ نکلا تھا۔ اس رات وہ اس کی چیخ سن کر اس کے کمرے میں بھاگ کر آئی تھیں۔ وہ سر پہ ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا میری جان؟" انہوں نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اپنے ساتھ لگایا۔

"ممی! چمگادڑیں۔"

"کہیں چمگادڑیں نہیں ہیں میری جان۔"

"ابھی..... ابھی ناچ رہی تھیں میرے سر پہ۔" اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"وہ خواب تھا میری جان۔"

پھر وہ یہ خواب کئی راتوں تک دیکھتی رہی تھی اور ڈرتی رہی تھی۔ وہ شاید پانچویں رات تھی جب وہ بہت پرسکون ہو کر سوئی تھی۔ نیند میں مسکرائی بھی تھی۔ بہت بعد میں انہیں بیٹی نے بتایا تھا کئی راتوں کے بعد اس رات اس نے چمگادڑیں نہیں دیکھی تھیں۔ بہت حسین کوئی منظر دیکھا تھا، جسے وہ لفظوں میں بیان نہیں کر پائی تھی۔ بس اتنا کہا تھا۔

"ممی! مجھے لگا تھا وہ سورگ کا کوئی منظر ہے۔"

شو بھگوان کے سامنے بیٹھی وہ عورت اسی حالت میں رہتی جب تک اپنی بیٹی کے بارے میں کوئی خبر نہ لیتی۔ اور فجر کے وقت اس کی بہو اس کے پاس خبر لے آئی تھی۔ وہ تیورا کر گری تھیں۔ آنکھیں بند ہونے سے پہلے ان کو لگا۔

شو لنگ اوندھا پڑا تھا اور مندر کی چمگادڑیں ان کے سر پہ ناچ رہی تھیں۔

دور کہیں ان کی بیٹی پرسکون سو چکی تھی۔ لبوں پہ مسکراہٹ بھی تھی۔ وہ شاید کسی جنت کی طرف جا چکی تھی۔

☆☆☆

اسود نے رحیمہ احمد کے قدموں میں بیٹھ کر کپکپاتے ہاتھوں سے ان کے ہاتھ تھامے۔ ان ہاتھوں نے بہت بار ایک دوسرے کو تھاما تھا۔ اور تھام کر سوال کیا تھا۔ ایک جیسا سوال۔

"میں امت الاحد سے شادی کروں؟" وہ اس سوال کو سنتے سنتے بڑا ہوا تھا۔

"اپنی امت الاحد سے میری شادی کریں گی؟" آخری بار سوال اس کی جانب سے آیا تھا۔

دونوں رو رہے تھے۔ خاموشی سے آنسو بہتے جاتے۔ ایک دوسرے کے ہاتھ پہ گرتے جاتے۔

"میرا سوال اس کی جان لے گیا ماں۔ صرف آپ کی بیٹی بن کر اس گھر سے قدم نکالتی تو شاید جگدیش مہشوری جان نہ لیتا اس کی۔" وہ بچھتا رہا تھا۔

"میں خود غرض ہو گئی تھی۔ ایک بار پھر خود غرض ہو گئی تھی۔" رحیمہ احمد کے خود احتسابی کے اپنے پیمانے تھے۔ "برسوں پہلے ایک ماں سے اس کی بیٹی چھین لی تھی۔ اب ایک ماں سے اس کا بیٹا چھین رہی تھی۔ رفعت کا حق مار رہی تھی۔"

"ماں۔" اسود نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ان کا ہاتھ چوما۔ "آپ کا بھی ہم پر اتنا ہی حق ہے ماں جتنا امی کا۔"

"مجھے رفعت جہاں سے معافی مانگنی ہے۔ مجھے ..... مجھے گائتری دیوی سے بھی معافی مانگنی ہے۔"

ایک دم ان کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ چھڑا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے چپل پہننے لگیں۔

اسود کو وہ ٹھیک نہیں لگیں۔ اس نے ان کو کندھوں سے تھام کر پھر پلنگ پہ بٹھایا۔

"اسود! معافی تو مجھے تم سے بھی مانگنی ہے۔ روگ لگا دیا بچے کو۔ اپنے خواب تیری آنکھوں میں سجاتی رہی۔"

اسود مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

باہر دروازے کے ساتھ کھڑی رفعت جہاں نے اپنے آنسو پونچھے اور جلدی سے وہاں سے ہٹنے لگیں جب اپنے پیچھے مومنہ کو کھڑا پایا۔ وہ اسے نظر انداز کر کے اپنے کمرے میں آ گئیں۔ مومنہ بھی پیچھے پیچھے آئی۔

"امی! احل کے لیے پھوپھو فردوس کی نفرت نظر آتی تھی۔ آپ کی کبھی ظاہر بھی نہیں ہوئی۔"

"مومنہ!" رفعت جہاں کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔ لہجہ بھیگ گیا۔ "مجھے پیاری تھی وہ۔"

"اس لیے بددعا دی اسے۔"

"مجھے کیا پتا تھا۔ میرے منہ سے نکلے لفظ..... اتنی کالی زبان ہو گئی میری۔ مجھے کیا پتا تھا۔" وہ اپنے پلنگ پر بیٹھ کر رونے لگیں۔

"بیٹا زیادہ پیارا تھا ناں۔ اس کی فکر تھی۔"

"ہاں..... کس ماں کو نہیں ہوتی اپنی اولاد پیاری۔ دیکھا کیسا وحشی ہے اس کا بھائی۔ بہن کی جان لے لی۔ ساتھ اسود کو دیکھتا تو....." آگے کا سوچ کر ان کی جان ہی جانے لگتی تھی۔

"اب بیٹا محفوظ ہے آپ کا۔ چاند سی دلہن لائیے گا اس کے لیے۔"

"مومنہ..... چپ کر جا۔" رفعت جہاں نے سخت والے انداز میں کہا۔ "اور یہ عامر کے گھر والے کیوں نہیں آئے پالی کے ساتھ افسوس کرنے کے لیے۔" انہیں اچانک یاد آیا۔

"پتا نہیں۔" مختصر سا جواب دے کر وہ کمرے سے نکل آئی۔ وہ انہیں بتا نہیں سکی کہ عامر نے اسے منع کیا تھا کچھ بھی اس کے ممی ڈیڈی کو بتانے سے۔ اسے برا محسوس ہو رہا تھا یہ جان کر کہ اس کی منگیتر کا بھائی کسی لڑکی کو بھگا کر اس سے شادی کرنے جا رہا تھا۔ مومنہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ یہ محض ایک جذباتی سی لو اسٹوری نہیں ہے۔ مگر عامر نے ساری بات سننے کی زحمت ہی نہیں کی تھی۔

"بے شک بھیرہ اس لڑکی کو جانتی ہے۔ مگر یہ اسود اور شادی والی بات کا ذکر اس کے سامنے بھی نہیں کرنا۔"

مومنہ نیکسٹ میسج پہ اس وقت اس سے کوئی بحث نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے موبائل ایک طرف ڈال کر پھر اسے دیکھا بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

"امت الاحد! آگ تمہارے جسم کے کسی حصے کو بھی چھوئے یہ مجھے برداشت نہیں۔"

وہ یک ٹک اس پوٹلی کو تکے جا رہی تھیں جو گائتری دیوی نے یہ کہتے ہوئے ان کے ہاتھ میں تھمائی تھی۔

"چھ سال چار مہینے نو دن تک آپ میری بیٹی کی ماں رہیں۔ اس پر کچھ حق آپ کا بھی بنتا ہے۔"

رحیمہ احمد کا دل کسی ان دیکھی آگ میں جلنے لگا۔ وہ یہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھیں کہ اس میں کیا ہے۔ جس طرح ان کی نظریں اس پوٹلی پر جمی تھیں اسی طرح گائتری دیوی کی نگاہیں رحیمہ احمد کے چہرے پہ ٹکی ہوئی تھیں۔

"عمر بھر مجھے آپ سے زیادہ بری اور آپ سے زیادہ خوش قسمت کوئی عورت نہیں لگی رحیمہ احمد! مجھے آپ سے حسد بھی ہوا اور آپ پر رشک بھی آیا۔ آپ نے میری بیٹی کو نئی زندگی بھی دی اور اسے مجھ سے چھینا بھی۔ مجھے آج تک سمجھ میں نہیں آیا کہ مجھے آپ کا ممنون ہونا چاہیے یا آپ کو گالیاں دینی چاہئیں، بددعائیں دینی چاہئیں۔"

رفعت جہاں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے رحیمہ احمد کی طرف دیکھا۔ وہ بت بنی اس پوٹلی کو تکے جا رہی تھیں۔ ان کے چہرے سے کچھ اندازہ نہ ہو رہا تھا کہ وہ کچھ سن بھی رہی ہیں یا نہیں۔

یکدم جگدیش مہشوری غضب ناک ہوتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا۔ اسے خبر مل گئی تھی کہ چوہدری نگر سے کچھ لوگ آئے ہیں۔ وہ اسود کی طرف اس انداز میں بڑھا جیسے اس کی جان ہی لے لے گا مگر بیچ میں گائتری دیوی آ گئیں۔

"ممی! ان لوگوں کی ہمت کیسے ہوئی یہاں قدم رکھنے کی۔"

اسود کا چہرہ سرخ ہوا۔ رفعت جہاں کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور رحیمہ احمد..... رحیمہ احمد کے وجود میں کوئی جنبش تک نہ ہوئی۔

رفعت جہاں یہاں اسود کو ہرگز آنے نہیں دینا چاہتی تھیں۔ مگر وہ سنتا بھی تو ان کی۔ اس نے دوٹوک کہہ دیا تھا۔

"امی! بھیجیے آپ انہیں جائیں۔ مجھے جانا ہے۔"

ALIFADAB.COM
Watermarkly

مجھے ماں کے ساتھ جانا ہے۔"

اور اب وہی ہو رہا تھا جس کا انہیں ڈر تھا۔ اسود اور احمل کا بھائی آمنے سامنے تھے۔

"بڑے آئے تھے درگا پہ اپنا حق جتانے والے۔ دیکھ لیا نتیجہ..... تم لوگوں کا درگا پہ کل حق تھا نہ ہی آج۔ نکلو اب یہاں سے۔"

اسود نے کوشش کی تھی کہ اس کے مسلمان ہونے کے ثبوت پیش کر کے احمل کی تدفین کی اجازت لے سکے مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ کورٹ نے احمل کے مسلمان ہونے کے ثبوت کو ناکافی قرار دیتے ہوئے باڈی اس کے بھائی کے حوالے کرنے کا فرمان جاری کر دیا تھا۔ جس نے کوئی انتظار کیے بنا کراچی میں ہی احمل کا کریا کرم کروا دیا تھا۔

"جس کو تمہیں بھی پتا ہے جگدیش مہیشوری..... احمل کس کو دیتی تھی۔" اسود نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

"تمہیں تو میں....." جگدیش اس کی طرف غضب ناک انداز میں بڑھا لیکن گائتری دیوی بیچ میں آ گئیں۔

"آج نہیں..... جگدیش..... آج نہیں۔۔۔"

"انہوں نے آپ کی بیٹی کو آپ سے چھین لیا ممی اور آپ انہیں اپنے گھر میں بٹھائے بیٹھی ہیں۔"

"بڑی ہمت ہے تم میں جگدیش مہیشوری اب بھی یہ بات کرنے کی۔ خون کر کے کسی اور کے سر ڈالتے ہو اور....." اسود چپ نہ رہ سکا تھا۔ جگدیش نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ماں کو دھکا دے کر پرے کیا اور آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑا۔

"تمہاری اتنی جرات..... میرے گھر میں کھڑے ہو کر مجھ پہ الزام لگاتے ہو۔"

"جرات ابھی تم دیکھنا میری جگدیش مہیشوری۔" اسود نے گریبان چھڑاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ جگدیش ان نظروں کی تاب نہیں لا سکا تھا۔

"نکلو میرے گھر سے۔ ورنہ خون ہو گا میرے ہاتھوں۔"

"جن لوگوں کو میں کبھی اپنی بیٹی کے دل سے نہیں نکال پائی انہیں گھر سے کیسے نکال دوں جگدیش۔" گائتری دیوی رو دیں۔

جگدیش ان سب کو گھورتا رہا۔ مزید کچھ نہ کہا۔ گائتری دیوی اس کا بازو پکڑ کر اسے ڈرائنگ روم سے باہر لے گئیں۔

رفعت جہاں نے سوچا کہ انہیں یہاں آنا نہیں چاہیے تھا۔

اسود..... اسود ایسا سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔

اور رحیمہ احمد وہ جانے کیا سوچ رہی تھیں۔

رفعت جہاں نے ان کا ہلکا سا بازو دبایا۔ بخار میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ سب نے کہا تھا کہ وہ ابھی سفر نہ کریں، بخار اتر جائے تو امت الاحد کی ممی کے پاس جائیں۔ مگر وہ ایک ضدی خاتون ہیں، اس کا پتا ان سب کو آج لگا تھا۔

ایک ماں ایک ماں سے اس کی جوان بیٹی کی موت کا افسوس کرنے آئی تھی۔ اس کا غم بانٹنے آئی تھی۔ اسے صبر کی تلقین کرنے آئی تھی۔ اور..... اور اپنا صبر کھو رہی تھی۔

☆☆☆

صبر۔۔ صبر..... صبر

ساری عمر وہ صبر کی تصویر، صبر کی علامت بنی رہیں۔

ماں کم عمری میں مر گئی، صبر کیا۔ باپ دوسری بیوی گھر لا کر انہیں اور ان کے باقی بہن بھائیوں کو بھول گیا، صبر کیا۔ ان کی دکھ میں کسی وجود کی تخلیق نہ ہوئی، صبر کیا۔ جس نے ان کے ترسی ہوئی پیاسی ممتا کو آبیار کیا، وہ ان کی آنکھوں سے دور ہوئی، صبر کیا۔ ہم سفر جوانی میں ساتھ چھوڑ کر موت کی راہ کا راہی ہوا، صبر کیا۔ بیٹی اللہ کے پاس چلی گئی، صبر کیا۔

مگر کب تک، کہاں تک.....

بشر تھیں..... ملائک نہیں، ولی نہیں۔

رات کے دوسرے پہر اس پوٹلی کو سینے سے

لگائے وہ صبر کے سارے سبق بھول بیٹھی تھیں۔

"اپنی امت الاحد کو جس آگ سے بچانے کے لیے میں نے تیرے آگے سجدوں میں گڑگڑ راتیں گزاریں، تجھ سے رحمت کی بھیک مانگی۔ ظالموں نے اسی آگ میں میری بچی کو جلا ڈالا۔ دیکھ انہوں نے پوٹلی کھول کر مٹھی میں کچھ راکھ لے کر سامنے کی۔ "دیکھ جل کر راکھ ہو گئی میرے بچی۔" اب وہ مٹھی کو نیچے اپنے لبوں سے لگائے تڑپ تڑپ کر رو رہی تھیں۔

مومنہ جو آج ان کے پاس سوئی تھی۔ اس کی آنکھ کھلی تو بھاگ کر ان کی طرف آئی مگر وہ ان کے ریزہ ریزہ وجود کو سمیٹ نہ پائی۔

"آگ سے بچے نکلی تھی، آگ سے جلا ڈالا ظالموں نے۔" مومنہ ان کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔ بھاگ کر باہر آئی۔ برآمدے میں بیٹھے اسود اور ہمایوں کے پاس دوڑی چلی آئی۔

"بھائی! آپ..... آپ جائیں ماں کے پاس۔" وہ رو رہی تھی۔

ہمایوں اور اسود دونوں ان کے کمرے کی طرف بھاگے۔ اسود نے ان کے تڑپتے مچلتے وجود کو اپنی بانہوں میں سمیٹا۔

"ماں!"

"دیکھ اسود! کیا کیا ظالموں نے میری بچی کے ساتھ، اسے مار ڈالا، اسے..... اسے آگ میں..... دیکھو میری بچی کو آگ میں۔۔۔" انہوں نے مٹھی اسود کے سامنے کی۔ چہرہ موڑتے ہوئے اس نے ضبط کی بھرپور کوشش کی۔

"میں نے صبر کیا۔ وہ اللہ کی تھی، اس کی طرف لوٹ گئی۔ پر اس کے نازک وجود کو آگ نے چھوا، آگ نے..... اس آگ سے بچانے کے لیے میں اللہ کے سامنے روئی، گڑگڑائی اور....." وہ پھر رونے لگیں۔

اسود کا ضبط جواب دینے لگا۔ وہ اٹھا اور دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ اس کی سرخ، متورم آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

مومنہ کی سسکیاں بلند ہونے لگیں۔ ہمایوں نے بمشکل ضبط کرتے ہوئے انہیں سنبھالنے کی کوشش کی۔

"میری بچی..... امت الاحد جس نے تیری محبت میں سب چھوڑ ڈالا، یہ سلوک ہوا اس کے ساتھ اسود کو ڈر ہوا کہیں وہ اپنے شکووں میں کفر نہ کر بیٹھیں۔ وہ مڑ کر پھر ان کے پاس آیا۔

"ماں۔" اس نے انہیں روکنا چاہا، تسلی دینی چاہی، مگر لفظ نہ ملے۔ اور لفظوں کی ضرورت پڑی بھی نہیں، وہ اس کے بازوؤں میں گرتی چلی گئیں۔

☆☆☆

خزاں کی رُت تھی۔

عمر کوٹ کے محلوں جیسے اس گھر کی سیڑھیوں پہ بیٹھی عورت کی آنکھیں ویران تھیں اور حلیہ اجڑا ہوا۔ یوں لگتا تھا وہ پتھر سے تراشی گئی کوئی مورت ہے..... احساس سے عاری، ہے سے بے نیاز۔

لاجونتی جو دیکھتی تو کہتی۔

"لو..... پھر پڑ گیا دورہ انہیں۔"

یہ عورت عمر کوٹ کے امیر ترین گھرانوں میں سے ایک گھر کی مالکن تھی جس کے لاکر میں کروڑوں کا سونا رکھا تھا، جس کی الماری میں لاکھوں کی ساڑھیاں سجی ہوئی تھیں مگر پھر بھی وہ اجڑی ہوئی تھی۔ اس کی نگاہیں کسی کے پودے پہ تھیں اور دھیان اس بیٹی کی طرف جسے یہ محل جیسا گھر ایک ایسا جزیرہ لگتا جہاں آکسیجن کا شدید قحط اور زہریلی گیسوں کی بہتات تھی۔

بسیرے کا پہر تھا۔ پنچھی گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ اس عورت نے گھٹنوں پر سے سر اٹھایا اور چہرہ اوپر کر کے انہیں دیکھنے لگی۔

پنچھی اچھے تھے جو آزاد تھے۔ پورب پچھم دکشن جس دشا چاہتے اڑان بھرتے۔ کسی محل کی دیوار نہ کسی قلعے کی فصیل ان کی پرواز میں روک بنتی۔

ایک وہ تھیں..... اس محل میں قید۔ بس چلتا تو اڑان بھرتی ہوئی اپنی بیٹی کے پاس چلی جاتیں چاہے موت کے پر لگانے پڑتے۔ لیکن کب..... وہ پھر بھی کب دیکھ پائیں گی اسے۔ وہ تو سورگ میں ہو گی

ALIFADAB.COM
Watermarkly

اب اوران کو جانا تھا نرکھ۔

ہاں یہی تو کہا کرتی تھی ان کی بیٹی۔

"ہر گناہ معاف ہوتا ہے..... شرک معاف نہیں ہوتا ممی!"

ان کی نگاہ بھٹکتی ہوئی دائیں کونے کی طرف چلی گئی تھی۔ جس طرف دیکھ کر ان کی بیٹی کا سانس لینا محال ہوتا تھا۔ بقول اس کے یہ کونہ ہی تو ہر زہر کا منبع تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ اس کونے پہ ایسا بم گرائے کہ ہیروشیما اور ناگاساکی کا ذکر دنیا بھول جائے۔

اور پھر جانے کیا ہوا کہ اس عورت کی ویران مردہ آنکھوں میں وحشت بھرنے لگی۔ وہ اٹھی اور تیز قدموں کے ساتھ چلتی ہوئی پچھلی جانب آ گئی۔ وہاں ایک طرف مالی نے سامان رکھا ہوا تھا۔ اس میں سے ایک بیلچہ اٹھایا اور اسی تیزی کے ساتھ واپس آئی۔ اس کا رخ اپنے چھوٹے سے مندر کی طرف تھا۔ آنکھوں کی وحشت تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔

"تُو..... تُو نہیں بچا پایا ناں تو نے میری بیٹی کو۔" بیلچے کا وار شو مہادیو کی گردن پہ پڑا۔ ذرا سا پتھر ٹوٹا۔

"ہے کیا تُو پتھر کی بے جان مورت..... تُو تو خود کو نہیں بچا سکتا اور میں تجھ سے مانگنے آئی اپنی بیٹی کی زندگی..... بچا خود کو..... بھگوان ہے تو بچا ناں خود کو۔" وہ بیلچے سے وار کرتی جا رہی تھیں۔ ایک شکل میں ڈھلا پتھر بے شکل ہوتا جا رہا تھا۔

لاجونتی ہوتی تو اسے بتاتیں۔

"مجھے دورہ نہیں پڑتا لاجونتی..... مجھے میری بیٹی کی جدائی ہر شے سے بے نیاز کر دیتی ہے۔"

شو کی مورت کو ڈھا کر انہوں نے بیلچہ پرے پھینکا۔ چند لمبی لمبی سانسیں لیں اور واپس ان ہی سیڑھیوں پہ آ بیٹھیں۔ اور دائیں کونے کی طرف منہ کر کے بڑبڑانے لگیں۔

"جاؤ میں نہیں مانتی تمہیں..... جاؤ جاؤ..... میں نہیں مانتی۔"

☆☆☆

[illegible] ہاری

بہوؤں نے پوہدری احمد یعقوب کی بیٹی کو دیکھ رکھا تھا، افسوس کے لیے آ رہے تھے۔ فاطمہ آ نہیں سکی تھی، اس لیے پردیس میں بیٹھی زیادہ تڑپ رہی تھی۔ ابھی بھی سلمان نے آ کر فاطمہ کی حالت کے بارے میں بتایا تو اس رونے لگی تھیں۔ اور پھوپھو، فردوس نے بین ڈالنے شروع کر دیے تھے۔

"میرے ویر دی نشانی..... ظالماں نے جان لے لی....."

"بڑی دیر لگا دی پھوپھو آپ نے احمل کو اپنے بھائی کی نشانی کہنے میں۔" ہمایوں نے دیگ کچن میں رکھواتے ہوئے سوچا۔

"کیوں رو رہے ہو سب؟"

جو شخص جہاں تھا، جیسے تھا، وہیں پتھر ہوا۔ چوہدری اسود حیدر کی ایسی آواز تو کبھی کسی نے پہلے نہ سنی تھی۔

"کیوں کر رہی ہیں پھوپھو یہ ڈرامے۔ ساری عمر اسے قبول نہ کیا۔ اور آج آپ کو وہ اپنے بھائی کی نشانی لگنے لگی ہے۔"

پھوپھو فردوس کی زبان وہیں تالو سے جا لگی۔ ان کو لگا کہ اب اٹھ جانا چاہیے۔ یہ لڑکا آج انہیں نہیں بخشنے والا تھا۔

"اور آپ..... آپ کیوں رو رہی ہیں امی! اچھا ہوا مر گئی۔ آپ کے بیٹے کو چھین رہی تھی ناں۔"

رفعت جہاں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے آنکھیں پونچھیں۔

"اور..... اور میں کیا جانتا نہیں کہ کون کون چاہتا تھا کہ جان چھوڑے وہ ہماری۔"

مہرتاب نے نظریں چرا لیں۔

"دوستوں کی محفل میں بیٹھے جگدیش مہیشوری کو کوئی خواب بالکل نہیں آیا تھا۔ اس کے کسی وفادار نے مخبری ہرگز نہیں کی تھی کہ اس کی بہن گھر چھوڑ کر جا رہی ہے۔ اس کو یہ خبر یہیں سے گئی تھی۔"

ہر کوئی شاکڈ رہ گیا۔ پورے برآمدے میں جو خاموشی ہوئی تو [illegible] کے رونے کی آواز سے ٹوٹی۔

"جس کسی نے..... جس کسی نے بھی کیا ہے یہ کام..... اسے نہیں چھوڑوں گا میں۔" انگلی اٹھا کر غضب ناک لہجے میں کہہ کر جانے کو مڑا۔ پھر رکا اور پھوپھو فردوس کے ساتھ ساتھ ہی پر نظر ڈالی۔

"اور ماں کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پاپی پاگل ہو گئی تھیں ناں آپ کی۔ اب سوئی ہوئی ہیں۔ اب وہ کسی کو کچھ نہیں کہیں گی۔ کسی کو دیکھ کر بین چھاتی نہیں پھریں گی کہ ہندنی کو دیکھ کر کسی کا دین خطرے میں نہ پڑ جائے۔"

پھوپھو فردوس نے ایک گھٹنے پر زور دے کر اٹھنے کی کوشش کی۔ ساتھ ہی مہرتاب کو چلنے کا اشارہ کیا۔

"کسی کی منت نہیں کرے گی اب وہ عورت کہ میری بیٹی کو بھولنا لو۔"

رفعت جہاں کی سسکی ابھری۔

"سو رہی ہے وہ عورت..... اب بھی کسی کو کوئی ڈر، کوئی خدشہ ہے تو اس کو مارنے کی تدبیر بھی کر لے۔"

"بس کر اسود!" ارم نے رفعت جہاں کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اسے ڈپٹا۔

"تمہیں اچھی طرح پتا ہے کہ رحیمہ پاپی ہم سب کو کتنی عزیز ہیں۔"

"مجھے تو یہ بھی لگتا تھا کہ احمل بھی آپ سب کو بہت عزیز ہے۔"

"ہاں تو ہے ناں۔" ہمایوں نے اس کے قریب آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے پرسکون کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"پھر..... پھر کیوں ہمایوں..... پھر کیوں؟" اس کا لہجہ ٹھنڈا ہوا۔ نمناک ہوا۔ "پھر کیوں کسی نے کیا ایسا۔ وہ کتنے مان کے ساتھ ہماری محبتوں کا ذکر کرتی ہو گی۔ اور اس رات جگدیش مہیشوری بھی جان گیا کہ چوہدری نگر صرف محبت کا نام نہیں، کدورت کی علامت بھی ہے۔ جس رات اسے کسی نے چند سیکنڈ کی کال کر کے یہ بتایا ہو گا کہ آج رات کیا ہونے جا رہا ہے۔"

"ایسا ہم میں سے کوئی نہیں کر سکتا۔" مومنہ کی آواز میں یقین تھا۔

"چلیں امی!" مہرتاب نے پھوپھو فردوس کا ہاتھ تھاما اور باہر کی طرف قدم بڑھائے۔

"کسی نے تو کیا ہے مومنہ! کسی نے تو کیا ہے۔ اور یقین کرو، میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔"

گیٹ کی طرف بڑھتی مہرتاب کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

☆☆☆

چرخے کی نوک اس عورت کو چبھ گئی تھی جو کئی ماہ سے سو رہی تھی اور جاگتی ہی نہ تھی۔ کون کون نہ آتا تھا اس کے پاس۔ کون کون نہ اس کی منتیں کرتا تھا کہ وہ اٹھ جائے۔ مگر اس تک تو جیسے کوئی آواز جاتی ہی نہ تھی۔ اس کو تو جیسے بیدار ہونے کی خواہش ہی نہ تھی۔ یہ وہ عرصہ تھا جس میں چوہدری نگر کا ہر باسی مسکرانا بھول گیا تھا۔

اور ایک دن سوئی ہوئی عورت نے آنکھیں کھول دیں۔ پتا نہیں اتنے لوگوں میں سے کس کی دعا رنگ لے آئی تھی۔ وہ اٹھ گئی تھی۔ معجزہ ہو گیا تھا۔ اس وقت کوئی نہ جانتا تھا کہ یہ معجزہ شاید کسی مہلت کے لیے ہوا۔ مہلت پوری تو زندگی پوری۔

رحیمہ احمد کومہ کی حالت میں کراچی کے ایک اسپتال میں تھیں۔ دس ماہ بعد ایک شام انہوں نے ایک آواز سنی اور ہوش میں آئیں مگر جسم مکمل طور پر مفلوج ہو چکا تھا۔ ایک ماہ اسی اسپتال میں گزرا پھر حالت کچھ بہتر سمجھنے کے بعد انہیں ڈسچارج کر دیا گیا۔ ان کا بیٹے میں دو مرتبہ چکر اپ ہونا تھا، اس لیے یاسر انہیں اپنے گھر لے آیا تھا۔ رفعت جہاں اپنے شوہر، بچوں اور گھر کو بھول کر ان کا سایہ بن گئی تھیں۔ بھوری بھینس کسی اور کے ہاتھ سے دودھ نہ دیتی تھی مگر اب پرواہ کس کو تھی۔ گھر اوطاق کیسے چل رہے تھے، یہ بھی خبر نہ تھی۔

☆☆☆

ایک وہ چوہدری اسود حیدر تھا جو کھانا پینا سونا شاید

ALIFADAB.COM
Watermarkly

بیٹا بھی بھولا ہوا تھا۔ ہر وقت رحیمہ احمد کا ہاتھ تھامے ان کے پاس بیٹھا رہتا۔ ان کی خالی خالی آنکھوں کو تکتا رہتا جس میں اکثر کوئی تاثر سا ابھرتا جسے سمجھنے سے وہ قاصر تھا۔ کبھی کبھی محسوس ہوتا کہ وہ مسکرائی ہیں۔

اسود پھر انہیں چوہدری نگر لے آیا تھا۔ بچے جو ماں کی یاد میں اداس ہوتے تھے، روتے تھے، ان کے گرد جمع ہو گئے۔ انہوں نے بستر پہ پڑی ہوئی ماں دیکھی نہ تھی کبھی۔ اس لیے بہت پریشان بھی ہوئے۔ چوہدری نگر کی عورتیں ان سے ملنے آ پہنچیں۔ کئی دن تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اس عرصہ میں آسیہ اور ارم نے بھی ان کا بہت خیال رکھا۔ دیوروں کی تو صبح اور رات ان کو سلام کرنے کے بعد شروع ہوتی تھی۔ چوہدری صاحب ان کے پلنگ کے پاس رکھی کرسی پہ بیٹھے انہیں بتاتے کہ کون سی فصل بوئی ہے۔ کس نے فائدہ دیا اور کس نے نقصان۔ کون ساہاری نیا آیا، کون سا چلا گیا۔ چوہدری سلیمان حیدر ان کے پاس بیٹھتے تھے میں اور روپہلے تھے۔ سخت گیر انسان ٹوٹا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ سفیان بھی دو پرانا والا سیلی بن گیا تھا جو کالج یا آفس سے گھر آتا تو ان کے پاس بیٹھ کر سارے دن کی روئیداد سناتا تھا۔ ان کے پاس بیٹھ کر وہ ارم کی شکایتیں بھی لگاتا۔ گل چہرہ ان کے پاس بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرتی۔ آنسو ان کی آنکھوں سے بہتے رہتے۔ اور جس رات فاطمہ بیٹی کی ماں بنی۔ اگلی صبح رحیمہ احمد نے آخری سانس لی۔

آہیں، سسکیاں، التجائیں کچھ بھی انہیں جانے سے نہ روک پائیں۔ موت بھلا کسی کی سنتی ہے۔ اس کو تو جب حکم ملا، آن پہنچی ہے۔

☆☆☆

اور یہ رحیمہ احمد کے انتقال کے چند ہفتے بعد کی بات تھی۔

رات کے اس پہر جب گرم لحاف یا کمبل میں سے نکلنا بڑا ہی مشکل امر تھا، نہر کنارے شہر کی طرف بھاگتی ہوئی موٹر سائیکل پہ سوار چوہدری اسود حیدر کے جسم پہ کوئی سویٹر نہیں تھا۔ اس وقت وہ سردی کی کمی کے احساس سے عاری تھا۔ وقت پہ کہیں پہنچنا اور پھر واپس آنا اس کے لیے زندگی اور موت کا سوال تھا۔

ایک گھنٹہ تین منٹ بعد موٹر سائیکل پھر ٹھیک اسی جگہ سے گزر رہی تھی۔ اب رخ بدل چکا تھا اور اس کے علاوہ ایک اور مرد تھا، جو اس کے پیچھے بیٹھا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک بیگ تھا۔ رات کے اس پہر جگائے جانے پہ وہ خفا تو نہیں تھا مگر نیند سے بھری آنکھوں کے ساتھ اس کم درجہ حرارت میں گرم بستر سے نکلنا بڑا امتحان ثابت ہوا تھا اس کے لیے۔ گھر سے نکلنے سے پہلے اس نے سویٹر پہنا اور اب بیگ ہوئے دانتوں کو ایک ہی جگہ جمانے کی کوشش میں ناکام ہوتا ہوا سوچ رہا تھا کہ سوات سے لائی ہوئی اونی چادر بھی اوڑھ ہی لیتا تو ٹھیک تھا۔ اس نے بیگ کو کھینچ کر سینے سے لگا لیا جس کی وجہ سے سردی کے تھپیڑے اب کم محسوس ہو رہے تھے۔

پندرہ منٹ بعد وہ چوہدری نگر کے سرمئی گیٹ والے بڑے سے گھر میں داخل ہوئے اور پچیس منٹ بعد باہر نکل آئے۔

"کوئی سویٹر پہن لو اللہ کے بندے۔" بیگ والے نے اسے موٹر سائیکل کی طرف بڑھتا دیکھ کر کہا تھا۔ مگر جواب کوئی نہیں ملا۔ اگلے چند سیکنڈ بعد موٹر سائیکل اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ بیگ والا تاسف سے سر ہلاتا ہوا اس کے پیچھے بیٹھا۔ موٹر سائیکل ایک دفعہ پھر اسی راستوں پہ بھاگنے لگا۔

دوبارہ جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا، فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ وضو کے لیے آستین چڑھاتی رفعت جہاں نے اسے گھر میں داخل ہوتے دیکھا تو اس کی طرف بڑھیں۔ ان کی نگہ ہی میں بدلی۔

"مرنی ہے تو مرنے دو۔۔۔ اس کے پیچھے اپنے آپ کو بھول بیٹھو گے کیا۔"

جواب میں بیٹے نے نظر اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا۔ کیا تھا اس ایک نگاہ میں کہ رفعت جہاں پھر ایک لفظ کہہ نہ پائیں۔

سامنے کھڑا بے حال سا اپنے آپ سے غافل سایہ لڑکا ان کا وہ بیٹا تھا جس کی وجاہت کے قصے ہر زبان پہ رہتے تھے۔ جو کوئی لباس، جوتا پہنتا۔۔۔ کوئی ہیئر کٹ لیتا تو خاندان بھر کے لڑکے اس کو فیشن سمجھ کر کیا حال کر لیا تھا اس نے اپنا۔

بیٹے کی حالت نے کئی ماہ سے ماں کے بستر کے طویل کر دیے تھے۔ انہیں تجہیز و تکفین بھی بنا دیا تھا۔ صدقہ و خیرات کے لیے ہاتھ مزید کھل گیا تھا۔ اپنے بیٹے کے درد کی دوا کے لیے وہ اور بھی کچھ سوچے بیٹھی تھیں مگر صرف سوچنے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ سنے بھی تو ماں کی۔

اسود اندر برآمدے کی طرف بڑھنے کے بجائے دائیں والے احاطے میں چلا گیا تھا۔

گوری کی حالت خراب تھی۔ ڈاکٹر ٹیکہ لگا کر گیا تھا مگر اشارہ بھی دے گیا تھا کہ اب وہ شاید نہ بچے۔

وہ گوری کے قریب چلا آیا۔ اس کے پاس بیٹھ کر اس کی پشت پہ ہاتھ پھیرا۔ کل رات سے تو وہ آنکھ کھول کر بھی نہ دیکھتی تھی۔

اصل کی گوری۔۔۔ کیا وہ بھی جانے کو تھی۔

چوہدری اسود حیدر اس کے چہرے پہ ہاتھ پھیرتا رہا۔ کسی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔ مڑے بغیر وہ جانتا تھا کہ پیچھے کون کھڑا ہے۔

"ہمایوں! ہم اصل کی گوری کا خیال نہ رکھ سکے۔" اس کا لہجہ نمناک تھا۔

ہمایوں کوئی بھی جواب دیے بغیر اس کے ساتھ بیٹھا اور گوری کی پشت سہلانے لگا۔ وہ گوری کی حالت کو اسود سے زیادہ بہتر سمجھتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اصل کی گوری کی جان آسانی سے نکلے۔ وہ مزید تکلیف میں نہ رہے۔ لیکن وہ یہ بات اسود سے نہیں کہہ سکتا تھا۔

اور رات وہ مر گئی تھی۔

☆☆☆

"السلام علیکم یا اہل القبور۔" اس نے قبرستان میں قدم رکھتے ہوئے زیر لب کہا۔ اور رکی۔ جب وہ مایوس ہونے کو آئی تھی تب اس نے اسے دیکھ لیا تھا اس کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ تیزی کے ساتھ اس کی طرف آئی۔

"تو آج تمہیں پکڑ ہی لیا میں نے۔"

اپنی بھری ہوئی لال آنکھوں کو استعجاب سے پونچھتے ہوئے اسود چونکا اور پھر اسے سامنے دیکھ کر حیران ہوا۔

"تم جانتے ہو، تمہارے لیے میں ہر ویک اینڈ پہ یہاں آ رہی تھی۔ مگر ہاتھ تم آج آئے ہو۔"

"آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھیں؟" اس نے نظریں چراتے ہوئے پوچھا۔ اس کے چہرے کے جاذب نظر نقوش میں نرمی اور سنجیدگی تھی۔

"تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کون ہوں؟"

"میں جانتا ہوں۔" اس نے دھیمی سی آواز میں کہا تو خولہ حیران رہ گئی۔

"تم جانتے ہو۔۔۔ کیسے؟"

"میں عبدالہادی کے کیس کو فالو کر رہا ہوں۔"

"اوہ۔۔۔" خولہ نے سر ہلاتے ہوئے بغور اس کا جائزہ لیا۔ اسے کچھ کچھ یاد آ رہا تھا کہ وہ اسے دیکھ چکی ہے۔

"اس سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟" خولہ نے چھوٹی سی قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ جو تازہ موتیا کی کلیوں سے مہک رہی تھی۔ اور خوشبو کا پیام لانے والا اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"دل کا رشتہ ہے۔" اسود کے جواب سے خولہ چونکی، ٹھٹکی اور پھر بغور اس کا جائزہ لیا۔

وہ پچیس چھبیس سال کا ایک خوبرو جوان تھا۔ یقیناً خوش لباس بھی تھا مگر لباس کی شکنیں بتاتی تھیں کہ اب خود سے لاپرواہ ہو چکا۔ اس کی آنکھوں میں لکھی تحریر اور ان آنکھوں کی نمی واضح کرتی تھی کہ اس کے منہ سے نکلے لفظ سچ ہیں۔

"کیا ہم کچھ دیر بات کر سکتے ہیں؟"

"بالکل۔"

خولہ نے اپنے لائے ہوئے موتیا کے پھول اور کلیاں بھی اس قبر پہ بکھیر دیں، دعا کی اور ضامن مصطفیٰ

ALIFADAB.COM
Watermarkly

کی ماں کی قبر کے پاس چلی آئی۔ اس کو وہاں دعا مانگتا دیکھ کر اسود نے بھی اس کی تقلید کی۔ اس نے خولہ سے نہیں پوچھا تھا کہ یہ کس کی قبر ہے۔ بس اس قبر میں ابدی نیند سوئے وجود کے لیے صدق دل سے دعا مانگی پھر وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے قبرستان سے باہر آ گئے۔

"تو تمہارا عبدالہادی کے ساتھ رشتہ رقیب کا سا ہے؟" خولہ نے اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے پوچھا۔

اسود تحمل سے مسکرایا۔ تصدیق کی نہ تردید۔

"ایک بات پوچھوں؟"

"ایک وکیل مجھ سے کچھ پوچھنے کے لیے ہی ہمکلام ہو سکتی ہے۔" اسود نے سنجیدگی سے کہا۔

"عبدالہادی گلٹی ہے یا انوسینٹ؟" خولہ نے بہت غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"انوسینٹ۔" اسود نے جواب دینے میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہ کی۔

خولہ چونکی۔ اس کی آنکھوں کی چمک بڑھی۔

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"کیونکہ وہ اس رات احتل کو میرے پاس لا رہا تھا۔ ہم دونوں کا نکاح کروانے۔"

اس کے جواب نے ایک بار پھر خولہ کو ٹھٹک جانے پہ مجبور کیا۔ اسے اپنے اندر غصے کی ایک لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔

تو کیا اتنے عرصے سے عبدالہادی اسے بے وقوف بنا رہا تھا؟

"میں سب کچھ جاننا چاہتی ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

اسود سر ہلا کر اسے سب کچھ بتاتا گیا۔ کئی ایسی باتیں بھی جن سے وہ انجان تھی۔ وہ نفی میں سر ہلاتی گئی۔

"پھر تم سامنے کیوں نہیں آئے؟ تم جانتے ہو تمہاری ایک گواہی عبدالہادی کو جیل کی سلاخوں سے باہر لے آتی۔ اتنی کم ہمتی کیوں دکھائی تم نے۔" خولہ کو اس پہ غصہ آیا تھا۔

"[illegible]

"کیا؟ عمر کیوں؟"

"احتل نے اللہ کے لیے گھر چھوڑا تھا۔ میرے لیے نہیں۔ اگر میں سامنے آتا۔ تو کچھ اور کہانی بن جاتی۔ لوگ یہ سوچنے لگتے کہ احتل نے ایک لڑکے کے لیے گھر چھوڑا۔ اور پتا نہیں کیا کیا باتیں..... وہ اللہ سے اپنی محبت دنیا پہ ثابت کرنا چاہتی تھی اور اس صورت میں کیا ہوتا کہ دنیا کو لگتا کہ وہ صرف ایک لڑکے سے شادی کرنے کے لیے گھر سے نکلی تھی۔ عبدالہادی نہیں چاہتا تھا کہ اس کی موت شہادت کے بجائے ایک پریم کہانی کا دکھ بھرا انجام کہلائے اور بس....."

"پاگل ہو تم دونوں۔" خولہ نے سر تھاما۔

اسود خاموش رہا۔

دور کھڑا گورکن دیکھتا رہا۔

آج ایک ہی کہانی کے دو کردار آپس میں ملے تھے۔ وہ کہانی کو سمجھنا چاہتا تھا مگر ناکام رہا۔

خولہ کو عبدالہادی پہ غصہ تھا..... شدید غصہ۔

اس نے یہ بتایا تھا کہ اس دن وہ امت الاحد کو اس کی ماں رحیمہ احمد کے پاس چھوڑنے جا رہا تھا۔ انہیں کراچی میں ملنا تھا۔ لیکن اسود اور ان دونوں کے نکاح کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔ کلائنٹ وکیل سے کچھ چھپائے، یہ اس کی سب سے بڑی غلطی ہے۔

وہ وہاں سے سیدھا حوالات آئی تھی۔ تھانے میں ابھی ناشتے کا دور چل رہا تھا۔ ایس ایچ او غائب تھا اور باقی عملہ اسے دیکھ کر کراہ کر رہ گیا۔ انڈے پراٹھے اور چائے کا مزا کرکرا کر ڈالا تھا صبح صبح ایک وکیل کی صورت نے۔

"مجھے عبدالہادی سے ملنا ہے؟"

"اس وقت....." حوالدار نے اس کے ہاتھ دیکھے۔ خالی تھے۔ نہ کوئی فائل نہ کوئی کیک۔

"جی اسی وقت۔"

طوعاً کرہاً اس کو عبدالہادی سے ملوایا گیا۔

"میں آج کسی سے مل کر آ رہی ہوں عبدالہادی!"

وہ اس کے عین سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

عبدالہادی نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ بولا کچھ نہیں۔ مگر جب خولہ نے اس شخص کا نام لیا جس سے ... مل کر آ رہی تھی تو وہ چونک گیا تھا۔ اس کے چہرے پہ اضطراب بھی چھایا تھا۔

"تم نے مجھ سے یہ بات چھپائی کیوں؟" اس سے سامنا ہوتے ہی خولہ نے برہم ہو کر عبدالہادی سے پوچھا اور وہ خاموش تھا۔ کوئی شرمندگی اس کے چہرے پہ نہ تھی۔ خولہ کو مزید غصہ آیا۔ "تم اپنے کیس کو خود ویک کر رہے ہو عبدالہادی!"

"مجھے پرواہ نہیں۔ مگر یہ بات آپ عدالت کے سامنے نہیں لائیں گی۔"

"عبدالہادی!" خولہ نے سر اپنے ہاتھوں میں تھاما۔ کچھ دیر یونہی بیٹھی رہی پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"حقائق چھپانا جرم ہے۔"

"ایک اور چارج سہی۔" وہ لاپرواہ تھا۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی رہتا تھا۔

"اگر ہم عدالت میں اسے پیش کریں۔ اور وہ یہ بیان دے کہ..."

"نہیں۔" عبدالہادی نے اسے مزید بولنے سے منع کیا۔

"کیوں؟ تمہیں اپنی جان عزیز نہیں عبدالہادی؟" اسے اپنے ہی کلائنٹ سے جرح کرنی پڑی۔

"مجھے اس کی عزت عزیز ہے۔" وہ فوراً بولا۔

خولہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ "یہ بات سامنے آئی ہے تو جس مقصد کے لیے اس نے جان دی، وہ پورا ہو جاتا ہے اور دنیا اس اسے ایک لو اسٹوری سمجھنے لگے گی۔ مرچ مسالے لگا کر ایک دوسرے کو یہ قصہ سنایا جائے گا اور اس دنیا میں تو ہر کوئی جج بنا پھرتا ہے۔ سب سنیں گے اور اپنا اپنا فیصلہ دیں گے۔ آپ کی یہ معزز عدالت..... اس میں تو اور بھی تماشے ہوں گے۔ اس کے کردار پہ سوال اٹھیں گے، انگلیاں اٹھیں گی مجھے یہ سب قبول نہیں تھا۔ اور نہ ہی اب قبول ہے۔" اس کا لہجہ بے لچک تھا۔

کیا تھا یہ شخص..... دیوانہ، شیدائی، مجنوں۔

اس کی برہمی زائل ہونے لگی۔

"اتنا چاہتے ہو اسے..... وہ بھی تمہیں چاہتی تھی یا نہیں؟" خولہ نے یہ سوال پہلے بھی پوچھا تھا مگر ایک وکیل بن کر۔ آج ایک دوست بن کر پوچھا۔

عبدالہادی کے چہرے پہ جو رنگ آئے، وہی اس سوال کا جواب تھے۔

"تم نے کچھ دیر کر دی عبدالہادی..... ورنہ شاید یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا۔" وہ مغموم ہونے لگی۔

"ہاں۔۔۔ میں نے بہت دیر کر دی۔" اس سے زیادہ بھلا اور کون مغموم ہوتا۔

وہ جانے لگی اور جاتے جاتے پلٹی۔

"لوگ اپنی مرضی کی کہانی بنا ڈالیں گے، اس لیے تم نے اسود کا نام سامنے نہیں آنے دیا یا پھر۔۔۔" وہ ٹھہری۔ اس کے چہرے پہ نظریں جما دیں۔

"اس وجہ سے کہ امت الاحد کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام لیا جائے گا؟"

"ہاں..... یہ بھی وجہ ہے۔ عبدالہادی امت الاحد کے نام کے ساتھ صرف اپنا نام سننا چاہتا ہے۔" اس نے صاف لفظوں میں اقرار کیا۔

خولہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

☆☆☆

ہر چہرہ اپنا تھا، ہر چہرے سے جدائی محال تھی۔ مگر یہاں رہنا بھی تو محال تھا۔ بوجھل دل کے ساتھ سب کو الوداع کہہ کر وہ انٹرنیشنل ڈیپارچر کی طرف مڑا۔ ویزا پہ موجود اہلکار کی طرف پاسپورٹ اور ٹکٹ بڑھاتے ہوئے اس کا جی چاہا کہ مڑ کر ایک بار ابو، امی کو دیکھے۔ اس نے جو گردن موڑ کر دیکھا کہ تو امی ابو اس کے پیچھے ہی چلے آئے تھے۔

"مت جاؤ بیٹا!" امی نے وہ جملہ دہرایا جو اس کا ویزا لگ جانے کی خبر سننے کے بعد سے سینکڑوں دفعہ ادا کر چکی تھیں۔

"مت پریشان کرو اسے۔ دعا کے ساتھ

ALIFADAB.COM
Watermarkly

رنگت کرو۔ ... ابو کے ... انسان تھے۔ وہ جانتے تھے اب بیٹے کو روک نہیں سکتے۔ اور جانا شاید اس کے لیے بہتر بھی تھا۔

"اللہ حافظ۔" وہ ایک بار پھر ابو کے گلے لگا، امی کو گلے سے لگا کر پیار کیا اور پیچھے کھڑے بہن بھائیوں کو ہاتھ ہلا کر نم آنکھوں کے ساتھ اندر چلا گیا۔

وہ جا رہا تھا دور..... یہاں سے بہت دور۔

احل، ماں اور پھر گوری..... ایک کے بعد ایک چلے گئے۔

اس کا دل کہیں نہ لگتا تھا۔ کراچی دو ماہ نوکری کی پھر لاہور آ گیا ماسٹرز کرنے۔ یہاں بھی اداس رہتا۔ پھر جیسے ہی اسکالرشپ ملی، کینیڈا کی تیاری پکڑ لی۔ سال ضائع ہونے کی پرواہ نہیں کی۔

شاید پردیس جا کر مصروفیات میں کھو کر روح میں بسی یہ مستقل اداسی کچھ کم ہو۔

اداسی تو خیر کم نہ ہوئی۔ البتہ پڑھائی اور ہفتے میں دو دن نوکری نے مصروف بہت کر دیا۔ اس نے بیرون ملک جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا سوچا تھا۔ مگر اس طرح نہیں۔ اس کے ہر خواب میں احل اس کے ساتھ تھی۔ مگر تعبیر میں صرف اس کی یادیں تھیں بے پناہ مصروفیات میں بھی جو سنگ سنگ تھیں۔

☆☆☆

"پتا ہے رام! میری سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟"

رات قطرہ قطرہ بیت اور بھیگ رہی تھی جب سیاہ آنکھوں والی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ رام کولہی چپ رہا تھا۔ اس کی نظریں سامنے سڑک پہ تھیں، ہاتھ اسٹیئرنگ پہ اور ذہن اس جواب پہ جو وہ خود ہی دینے والی تھی۔

"تم مسلمان ہو جاؤ۔"

رام کولہی کے لیے اس کی یہ خواہش پرانی تھی۔ لیکن اس کی نفرت اس سے بھی کہیں پرانی تھی جو وہ مسلمانوں کے لیے رکھتا تھا۔ نفرت جیتی تھی اور محبت ہارنے جا رہی تھی۔

"تم مسلمان ہو جاؤ گے تو تمہارا نام کیا ہوگا؟"

وہ ہونٹ بھینچے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ اسے کمزور نہیں پڑنا تھا۔ لالو کولہی بار بار اس کی نگاہ کے سامنے آتا..... ہاں اسے کمزور نہیں پڑنا تھا۔

"پہلے میں تمہیں امر کہا کرتی تھی..... پھر رام..... اور پھر....." اس نے سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے لگائے چہرہ گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ "پتا ہے پھر میرا تمہیں کس نام سے پکارنے کو دل چاہنے لگا؟"

رام کولہی نے آگے جانے والے ٹرک کو اوور ٹیک کیا۔ گاڑی نے ایسا جھٹکا کھایا کہ وہ اس کے بازو پہ گری۔ سیدھی ہوئی، اس کی طرف دیکھا اور مسکرائی۔

"عبدالہادی!"

گاڑی کے ٹائر چرچرائے۔

سلاخوں کے پیچھے زمین پہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے عبدالہادی نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔

"امت الاحد!" اس کے منہ سے نکلا۔

مولوی عبدالرحیم نے سلام پھیرا تو دیکھا وہ حوالات کی دیوار سے ٹیک لگائے بالوں میں ہاتھ پھنسائے رو رہا تھا۔ وہ خاموش رہتا تھا، زیادہ بات نہیں کرتا تھا۔ مضطرب بھی رہتا تھا مگر اس طرح رویا کبھی نہیں تھا۔

"امت الاحد..... امت الاحد..... پلیز آ جاؤ۔ میں امت الاحد، امت الاحد کی مالا جپتے زندگی گزار دوں گا۔ بس تم لوٹ آؤ۔ تم مجھے بھلے عبدالہادی کہنا۔ عبدالہادی ہی سہی رہنا۔" وہ روتا جاتا تھا، کہتا جاتا تھا۔

مولوی عبدالرحیم نے نوافل بعد میں ادا کرنے کی نیت کرتے ہوئے جائے نماز تہہ کی اور اس کے قریب چلے آئے۔ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور نرمی سے پکارا۔

"عبدالہادی!"

"ہاں مجھے عبدالہادی نہیں..... واحد سے بھی کہیں کہ مجھے عبدالہادی کہے۔ پوری دنیا سے کہیں کہ مجھے عبدالہادی کہے۔" اس نے ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"ہاں..... کوئی تمہیں امر نہیں کہے گا۔ سب عبدالہادی کہیں گے۔" انہوں نے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔ اتنے عرصہ میں تو وہ بھی جان ہی گئے تھے کہ یہاں اسے ایڈووکیٹ خولہ بنت زید کے علاوہ کوئی عبدالہادی نہیں کہتا تھا۔ اسے "امر کولہی" پکارا جاتا تھا۔ وہ چلاتا تھا کہ اسے اس نام سے نہ پکارا جائے۔ اور ڈیوٹی پہ موجود اہلکار ہنس دیتا تھا۔

"منسٹر کو قتل کرنے کے بعد مسلمانوں کی ہمدردیاں سمیٹنے کے لیے ان کے غصے و غضب سے بچنے کے لیے اچھا ڈھونگ رچایا ہے بھائی!"

اور کسی کو غصہ آ جاتا تھا۔

"اوئے ہماری مسلمان بہن کو مار کر ڈرامے کرتا ہے حرام خور..... تجھے کیا لگتا ہے پھانسی سے بچ جائے گا۔ بھول ہے تیری۔"

"ڈرامہ کرنا ہوتا تو اس وقت کرتا جب ضرورت تھی۔" وہ بڑبڑاتا۔

مولوی عبدالرحیم کو نہیں پتا تھا کہ اس جوان کی کہانی کیا ہے۔ مگر وہ اس کو "عبدالہادی" پکارتے تھے۔ واحد اسے کبھی "مجنوں" تو کبھی "عاشق" بلاتا تھا۔

"ہاں ایک دن سب عبدالہادی کہیں گے۔ وہ ہی نہیں کہے گی۔ بس وہ ہی نہیں کہے گی۔" وہ روتا رہا۔

مولوی عبدالرحیم نے نرمی کے ساتھ اس کے کندھے کو سہلایا۔ پھر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ اور وہ روتا ہی رہا تو اس کو بازوؤں کے گھیرے میں لے کر گلے سے لگا لیا۔

عبدالہادی جس کو ماں کا مکمل پیار ملا تھا۔ ماں دور تھی تو گائتری دیوی ماں جیسی لگتی تھیں۔ ترسا ہوا تو وہ باپ کے پیار کے لیے تھا۔ مولوی عبدالرحیم جو ایک شفیق بار زنداں تھے، ان کی توجہ، ان کا کس پا کر باپ کے پیار کو ترسا شخص مزید بکھرا۔

"میرے بیٹے..... تم مجھ سے کوئی بات شیئر کرنا چاہو تو یہ سینہ راز رکھنا جانتا ہے۔" وہ اسے گلے سے لگائے اس کا کندھا تھپکتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

اور ہر شخص بہت سی باتیں شیئر کرنا چاہتا ہے۔ ہر ایک کو ایک ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کو سنے۔ بغیر کسی غرض کے سنے۔ پہلے گائتری دیوی سے کرتا تھا ہر بات مگر انہیں بھی یہ نہ بتا پایا کہ ان کی بیٹی اس کے لیے کیا ہے۔ آج اس نے مولوی عبدالرحیم کے سامنے دل کھول کر رکھ دیا۔ وہ دل جو لالو کولہی کی نفرت سے دہکتا تھا۔ وہ دل جو امت الاحد کی محبت سے مہکتا تھا۔

"کاش میں نے اس کی "عبدالہادی" کہنے کی خواہش اس کی زندگی میں پوری کر دی ہوتی۔" پچھتاوا بہت بڑا تھا یہ۔

"بعض خواہشیں جان دے کر، جان لے کر پوری ہوتی ہیں بیٹا۔"

"مجھے اس کے جانے کے بعد سمجھ میں آئی کہ نفرت رد کر دینی چاہیے اور محبت کو اپنا لینا چاہیے۔ مجھے ہر چیز بہت دیر سے سمجھ میں آئی۔" وہ سسک رہا تھا۔

"غم نہ کرو..... بہت دیر نہیں ہوئی۔" مولوی صاحب نے اس کا کندھا سہلایا۔ "کئی ہیں جو شرک پیدا ہوتے ہیں، مشرک مر جاتے ہیں۔ اللہ کا شکر کرو، جس نے تمہیں رام کولہی سے عبدالہادی بنایا۔"

"مجھے اللہ نے عبدالہادی نہیں بنایا۔ امت الاحد کی محبت نے بنایا۔" عبدالہادی نے سر جھٹکا۔

"سمجھ جاؤ گے..... میرے بچے سمجھ جاؤ گے۔" مولوی عبدالرحیم مسکرائے۔

دیوار کی طرف منہ کر کے لیٹے بظاہر سوئے ہوئے واحد نے بھیگی آنکھ چپکے سے صاف کی۔

☆☆☆

گائتری دیوی ان دونوں کو دیکھ کر حیران تھیں، خوش تھیں اور شاید کچھ پریشان بھی۔ ایسا خولہ کو لگا۔

"مجھے پتا ہوتا تو میں ناشتے کا ذرا اچھا اہتمام کروا لیتی۔" انہیں اس بات کا قلق تھا کہ کھانے کی میز

ALIFADAB.COM
Watermarkly

پہ ہوست ہی ہوتی ہیں ... میزبانی ادھوری رہتی ہے جب تک انہیں مرغی، مچھلی یا پھر چھوٹا یا بڑا گوشت نہ کھلایا جائے۔

"آپ فکر نہ کریں، ہم ناشتہ سادہ کرتے ہیں۔"

خولہ یہاں پُر اہتمام کھانے، کھانے نہیں آئی تھی۔ اس کا مقصد کچھ اور تھا۔ اور جہاں تک بات ضامن مصطفیٰ کی تھی، اس وقت کھانا ویسے ہی انہیں بھولا ہوا تھا۔

"ناشتا کر کے کچھ دیر آرام کر لینا۔" گائتری دیوی نے ضامن مصطفیٰ کے ستے ہوئے چہرے اور خولہ کی بمشکل کھلتی آنکھوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ انہیں لگا تھا کہ شاید رات بھر سفر اور ڈرائیونگ نے اسے بہت تھکا ڈالا ہے۔

خولہ نے سر ہلایا۔

"کہاں گئے تھے..... حویلی؟" گائتری دیوی نے ضامن کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

انہوں نے سر ہلایا۔

"آئندہ مت جانا حویلی۔ وہاں سے کوئی مسکراہٹ چہرے پہ لیے نہیں لوٹتا۔" گائتری دیوی کی بات نے خولہ کو چونکایا۔ اس نے سامنے نکلتے دو لوگوں کے تعلق کو سمجھنا چاہا۔

"پھر تو کسی کو میشوری پیلس بھی نہیں آنا چاہیے۔" لاجونتی عجیب سے انداز میں ہنستے ہوئے بڑبڑائی۔ اس کی بڑبڑاہٹ تو کسی نہ سنی مگر اس کی ہنسی تو سب نے سنی۔

"زہے نصیب..... زہے نصیب۔ ایڈووکیٹ خولہ بنت زید ہمارے غریب خانے پہ تشریف لائی ہیں۔" جگدیش میشوری ڈائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"کورٹ میں تو اب ملاقات ہوتی نہیں..... سوچا یونہی سہی۔" خولہ نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"تو آپ ہمیں مس کر رہی تھیں۔" جگدیش نے ضامن کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے خولہ کو اور لاکھ خولہ پہ جمی ہوئی۔

"بالکل..... وکیل اور مجرم کا بڑا گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ مجرم سے ملاقات بہت ضروری ہوتی ہے ورنہ آدھے وکیل بھوکے مر جائیں۔"

جگدیش میشوری کھلکھلا کر ہنس دیا۔ اور صرف وہی تھا جو ہنسا تھا، باقی سب کے چہرے پہ سنجیدگی تھی۔

"ملاقات ضروری ہے تو ہم مجرم بننے کو بھی تیار ہیں۔" جگدیش کرسی پہ بیٹھتے ہوئے ذرا سا اس کی طرف جھکا۔

"آپ مجرم ہیں جگدیش میشوری۔" خولہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

ضامن کے ماتھے پہ شکنیں گہری سے گہری ہوتی جا رہی تھیں۔ اور خولہ کو پتا نہیں کیوں مزا آ رہا تھا۔

"میں بہت خوش ہوں۔ شادی کے بعد پہلی بار آیا ہے میرا بیٹا یہاں۔" گائتری دیوی نے صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"بیٹے بنانے کا کافی شوق لگتا ہے آپ کو..... سنا ہے عبدالہادی کو بھی آپ نے بیٹا بنا رکھا تھا۔"

صورت حال سنبھلی نہیں تھی بلکہ بگڑی تھی۔ خولہ کے جملے پہ گائتری دیوی کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں۔ لاجونتی ہنس دی۔ اور صرف وہی تھی جو ہنسی تھی باقی سب سنجیدہ تھے۔

"ہر اس گھر کا وہ کردار ہے جو مر چکا ہے۔" جگدیش نے خولہ کو واضح کیا۔

"واقعی؟" خولہ نے گائتری دیوی کے چہرے پہ کچھ کھوجتے ہوئے سوال کیا۔ جواب کہیں سے بھی نہیں آیا تھا۔

"امت الاحد بھی اس گھر کا وہ کردار ہے جو مر چکی ہے..... یا جسے مار دیا گیا ہے۔"

ایک لمحے کے لیے فقط ایک لمحے کے لیے جگدیش میشوری کا ہاتھ ذرا سا کانپا پھر اس نے گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔ (باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

سلسلے خوابوں کے اشکوں سے سنوتے کب ہیں
آج دریا بھی سمندر میں اترتے کب ہیں

وقت اک موج ہے آتا ہے گزر جاتا ہے
ڈوب جاتے ہیں لمحات، ابھرتے کب ہیں

یوں بھی لگتا ہے تری یاد بہت ہے لیکن
زخم یہ دل کے تری یاد سے بھرتے کب ہیں

لہر کے سامنے ساحل کی حقیقت کیا ہے
جن کو جینا ہے وہ حالات سے ڈرتے کب ہیں

یہ الگ بات ہے لہجے میں اداسی ہے شمیم
ورنہ ہم درد کا اظہار بھی کرتے کب ہیں

فاروق شمیم

سنو کب ساتھ دیتا ہے
یہ تیلا بے وفا پانی
جو کشتی چھوڑ دو
اور
اس کے دامن سے لپٹ جاؤ
بدن سے سانس کا رشتہ
لمحوں میں توڑ دیتا ہے
تمہارے جیسا ہے بالکل
جو اس کا ہاتھ تھاموں تو
بھنور میں چھوڑ دیتا ہے
یہ تیلا بے وفا پانی
تمہارے جیسا ہے بالکل

فرزانہ کھرل

ALIFADAB.COM
Watermarkly

شگفتہ جاہ

رنگا رنگ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"صدقے نے کبھی مال نہیں گھٹایا اور عفو و درگزر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت میں اضافہ ہی فرماتا ہے اور جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اسے ضرور اونچا کرتا ہے۔" (مسلم)

فوائد و مسائل

1۔ صدقے سے مال کم نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بقیہ مال میں برکت عطا کر کے اس کی تلافی فرما دیتا ہے یا بعض دفعہ اس کا معاوضہ عطا کر دیتا ہے، علاوہ ازیں آخرت میں اس پر جو اجر و ثواب ملے گا، اس سے تو یقیناً اس کے مالی نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔

2۔ انسان سمجھتا ہے کہ میں عفو و درگزر سے کام لوں گا تو لوگ مجھے کمزور خیال کریں گے۔ اس میں میری کسی اور توہین ہے لیکن اس حدیث میں اس کے برعکس یہ حقیقت بیان کی جا رہی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ عزت میں اضافہ ہی فرماتا ہے۔ کمی نہیں کرتا کیونکہ معاف کرنے سے لوگوں کے دلوں میں اس کا احترام بڑھ جاتا ہے یا اس عفو و درگزر پر آخرت میں اسے اجر و ثواب ملے گا، اس سے اس کے مقام و منزلت میں اضافہ ہو جائے گا۔

3۔ اسی طرح تواضع کرنے والوں کی عظمت و رفعت بھی اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے یا پھر آخرت میں بلند مرتبوں سے نوازے گا۔

خوش قسمتی

خوش قسمتی کیا ہے؟

اس کا حتمی جواب آج تک کوئی مفکر، دانشور کوئی ماہر نفسیات نہیں دے پایا۔ مختلف خیال کے لوگوں نے اس کی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہے۔

☆ البرٹ ہاروڈ ان لوگوں کو خوش قسمت کہتا ہے جو دوسروں کی امداد کرتے ہیں۔

☆ گوتم بدھ کے نزدیک ذہنی سکون کو ہی خوش قسمتی سمجھا جاتا ہے۔

☆ الیف ہائم نے کہا ہے کہ دوسروں کے غموں کو خوشیوں میں بدل دینا ہی خوش قسمتی ہے۔

☆ جرمنی کا نامور شاعر اور فلسفی گوئٹے اس شخص کو خوش قسمت سمجھتا ہے جو کسی کو دوست بنا لیتا ہے یا جس کے کچھ دوست ہوتے ہیں۔

ڈراپ سین

سی آئی ڈی انسپکٹر کی پوسٹ کے لیے انٹرویو ہو رہے تھے۔ مقررہ وقت پر صرف تین ہی نوجوان آئے۔ پہلے کو اندر بلایا گیا۔ انٹرویو لینے والے چیئرمین نے اسے یک رخی تصویر دی اور پوچھا۔

"اس تصویر میں انوکھی بات کیا ہے؟"

لڑکے نے بہت غور کے بعد جواب دیا۔

"جن حضرت کی یہ تصویر ہے، وہ صرف ایک کان رکھتے ہیں۔"

اس پر چیئرمین حیران ہوا اور کہا۔ "محترم! یہ سائیڈ پوز ہے۔ ظاہری بات ہے، ایک کان ہی نظر آئے گا۔ بہرحال آپ جا سکتے ہیں۔"

دوسرے نوجوان نے بھی یہی جواب دیا۔

"اس شخص کا ایک ہی کان ہے۔"

چیئرمین آگ بگولہ ہو گیا اور اس قدر معمولی ذہانت رکھنے پر اسے بھی جانے کو کہا۔

تیسرے نوجوان سے بھی یہ ہی سوال کیا گیا اس نے تصویر کا بغور جائزہ لیا اور بہت سوچنے کے بعد کہا۔

"جن صاحب کی یہ تصویر ہے انہوں نے کانٹیکٹ لینز لگائے ہوئے ہیں۔" یہ سنتے ہی چیئرمین اپنی کرسی سے اچھل پڑا اور اس سے پوچھا۔

"آپ کا جواب درست ہے۔ مگر آپ یہ بتائیں کہ آپ نے یہ جانا کیسے؟"

اس نے کہا۔ "ان صاحب کی عمر چالیس سے اوپر کی لگتی ہے۔ اس عمر میں عموماً نظر کمزور ہو جاتی ہے۔ انہوں نے عینک کے بجائے کانٹیکٹ لینز لگوا لیے کیونکہ عینک لگانے کے لیے دو عدد کان چاہئیں، جو ان کے پاس نہیں ہیں۔ ارے جناب ان کا ایک ہی کان ہے نا۔"

یک نہ شد

لڑکی بہت تنگ لباس پہن کر گھر سے نکلی۔ اسے دیکھ کر پڑوس کی ایک عورت نے کہا۔

"اگر تمہاری امی تمہیں اس لباس میں دیکھ لیں تو کیا خفا نہ ہوں گی؟"

"خفا تو ضرور ہوں گی۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "کیونکہ یہ کپڑے ان ہی کے ہیں۔"

احساس کمتری کا مریض

ڈیل کارنیگی کہتا ہے اگر کوئی آدمی کسی معمولی واقعہ یا بات کو اس انداز میں بیان کرے جیسے کسی اہم ترین واقعہ کا ذکر کر رہا ہے یا کوئی عجیب و غریب بات سنا رہا ہے تو سمجھ لیں کہ وہ احساس کمتری کے مرض میں مبتلا ہو چکا ہے۔

اتفاق رائے

فیملی ڈاکٹر ایک گھنٹے سے کمرے کے اندر مریض کے معائنے میں مصروف تھا۔ بیوی بچے دوسرے کمرے میں بے چینی سے انتظار کر رہے تھے کہ ڈاکٹر کیا خبر لے کر آتا ہے۔ آخر ڈاکٹر کمرے سے برآمد ہوا اور مریض کی بیوی کے پاس پہنچ کر بولا۔

"میں اس وقت آپ کے شوہر کو جس حالت میں دیکھ کر آ رہا ہوں۔ مجھے وہ ٹھیک نہیں لگ رہے۔"

"مجھے تو وہ کبھی بھی ٹھیک نہیں لگے لیکن کیا کروں بچوں کی خاطر گزارا کر رہی ہوں۔"

بیوی نے غم زدہ لہجے میں جواب دیا۔

تیاری

امریکا کی خواتین دیگر معاملات کے علاوہ دوران ڈرائیونگ بے حد محتاط رہتی ہیں ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ حد درجہ احتیاط سے قوانین پر عمل درآمد کرتے ہوئے ڈرائیونگ کریں سفر کے دوران ایک خاتون ڈرائیور سے ان کے پاس بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے پوچھ لیا۔

"آپ کی عمر کتنی ہے؟"

"خاتون ڈرائیور نے سمجھانے والے انداز میں کہا جب کوئی شخص گاڑی ڈرائیو کر رہا ہو تو اس سے ایسے سوال نہیں پوچھنے چاہئیں جن کا جواب سوچ سمجھ کر دینا پڑے۔"

پست کرنے والی

امام شافعی رحمتہ اللہ سے دریافت کیا گیا۔

"لوگوں کو بلندی سے اتارنے والی چیزیں کیا ہیں؟"

امام شافعی نے فرمایا۔

"بہت بولنا، راز فاش کرنا اور ہر ایک پر بھروسہ کر لینا۔"

کامیاب کون ہے؟

لوگ سمجھتے ہیں۔

☆ بادشاہ کامیاب ہو گئے۔

☆ دولت والے کامیاب ہو گئے۔

☆ اعلیٰ عہدوں والے کامیاب ہو گئے۔

جبکہ قرآن کہتا ہے

فداح المومنون

کامیاب ہو گئے ایمان والے

☆☆

ALIFADAB.COM
Watermarkly

سنگاپور سے

میری ڈائری سے

عروبہ خان.....کورنگی

دیوانگی کا سبب پوچھا جارہا تھا میری
میں چپ تھا اور ہجوم اس کا نام لے رہا تھا

فرحانہ سعید.....لانڈھی

وصل سے ان کی ادا، ہجر ہے ان کا انداز
کون سا رنگ بھروں عشق کے افسانوں میں

حبیبہ خان.....کراچی

دینے والے تو مجھے نیند نہ دے خواب تو دے
مجھ کو مہتاب سے آگے بھی کہیں جانا ہے

رخسانہ خیال.....لیاری

ایک چہرے میں تو ممکن نہیں اتنے چہرے
کس سے کرتے جو کوئی عشق دوبارا کرتے

☆☆☆

جہاں رہے گا وہیں روشنی لٹائے گا
کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

لبنیٰ بٹ.....گلشن حدید

میں اس کو بھول گیا ہوں وہ مجھ کو بھول گیا
تو پھر دل پر کیوں دستک سی ناگہانی ہوتی

رومانہ.....نارتھ کراچی

سرحدیں اچھی نہ سرحد پر رکنا اچھا
سوچیے آدمی اچھا کہ پرندہ اچھا

روبی.....راولپنڈی

محبت میں بچھڑنے کا ہنر سب کو نہیں آتا
کسی کو چھوڑنا ہو تو ملاقاتیں بڑی کرنا

سیما.....لاہور

جن سے دل کو اُنسیت ہو عدمؔ
ان سے جھگڑا ضرور ہوتا ہے

☆☆☆

ہم مبتلائے عشق تھے ہرگز نہ کہہ سکے
خاموش ہی رہے کہ تقاضا وفا کا تھا
ترک تعلقات کا سبب کیا بتائیں
بس ہوگئے جدا، سوال انا کا تھا

نوبیہ قطب.....کراچی

وفا کے نام پر ہم کیوں سنبھل کے بیٹھ گئے
تمہاری بات نہیں ہے، بات ہے زمانے کی

فاکیہہ سہیل.....کراچی

چلو یہ عشق نہیں چاہنے کی عادت ہے
پر کیا کریں ہمیں اک دوسرے کی عادت ہے

ماہا ظفر.....کوٹ مومن

ذرا سی بات پر محسنؔ بھگو لیتے ہو تم آنکھیں
سنو ایسا نہیں کرتے، زمانہ چیخ کھائے گا

اریبہ مبین.....بسم اللہ پور

دان کرنے خود کو آئی ہے مگر پوچھتی ہے
پہلے بتلائیں کہ داسی کو کہاں رکھیں گے

کرن ناز.....سمندری

ذرا سی عمر عداوت کی لمبی فہرستیں
عجیب قرض وراثت میں میرے نام ہوا

سمیرا راشد.....لاہور

تجھے بھولنے لگا ہوں پھر بھی ہے بے قراری
کانٹوں سے بھر گیا ہے میرا اوڑھنا بچھونا

حرا کاشف.....کراچی

محسوس کر رہا ہوں، مجھے عشق ہوگیا ہے
کبھی یوں ہی مسکرانا، کبھی یوں اداس ہونا

خنسا احمد.....بفرزون

احباب کو رہی میرے عیبوں کی جستجو
میں پر خلوص ان کے ہنر تاکتا رہا

سائرہ اقبال.....ملتان

ہوتی نہیں قبول دعا ترک عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

☆☆

امت الصبور

خاتون کی ڈائری

فاکیہہ سہیل کی ڈائری سے

زندگی کے شب و روز اس تیزی سے گزرتے چلے جاتے ہیں کہ وقت کہاں سے کہاں سرک گیا پتہ بھی نہ چلا، محسن نقوی کی یہ نظم میرے دلی احساسات کی ترجمانی کرتی ہے۔

تم کہاں جاؤ گے

جس دنیا سے گزر جاتے ہیں
ایسا کرتے ہیں کہ مرجاتے ہیں

کیسے ہوتے ہیں بچھڑنے والے؟
ہم یہ سوچیں بھی تو ڈر جاتے ہیں

اب نہ دیکھو میری بنجر آنکھیں
چڑھتے دریا تو اتر جاتے ہیں

دھوپ کا روپ رچانے والے
شام کو اور نکھر جاتے ہیں

تم کہاں جاؤ گے سوچو محسنؔ؟
لوگ تھک ہار کے گھر جاتے ہیں

سعدیہ انیس کی ڈائری سے

میری ڈائری میں ابھی تازہ لکھی یہ غزل فوزیہ رباب کی ہے۔ یقیناً قارئین کو میرا یہ انتخاب پسند آئے گا۔

اس ایک شخص کو ہم زندگی سمجھتے ہیں
تمام لوگ اسے قیمتی سمجھتے ہیں

ہر ایک سانس جہاں پر خراج دینا ہو
ہم ایسی آب و ہوا مصنوعی سمجھتے ہیں

یونہی تو پھرتے نہیں بے طلب ہوئے ہم لوگ
ہمارا مسئلہ سب سرسری سمجھتے ہیں

کچھ اس لیے بھی ہمیں اشک ہیں عزیز بہت
تمہارے درد کو اپنی خوشی سمجھتے ہیں

چھڑیں رباب کے جب تار جاں نکلتی ہے
یہ لوگ درد نہیں تشنگی سمجھتے ہیں

روحیلہ خان کی ڈائری سے

جدا ہونے کا خیال کتنا کرب ناک ہوتا ہے۔ اس کیفیت کو وہ ہی سمجھ سکتا ہے جو اس صدمے سے دوچار ہوتا ہے۔ احمد فراز نے اس کیفیت کو کس خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔

جب یار نے رختِ سفر باندھا کب ضبط کا یارا اس دن تھا
ہر درد نے دل کو سہلایا کیا حال ہمارا اس دن تھا

جب خواب ہوئیں اس کی آنکھیں جب دھند ہوا اس کا چہرہ
ہر اشک ستارہ اس شب تھا ہر زخم انگارہ اس دن تھا

سب یاروں کے ہوتے سوتے، ہم کس سے گلے مل کر روتے
کب گلیاں اپنی گلیاں تھیں، کب شہر ہمارا اس دن تھا

جب تجھ سے ذرا غافل ٹھہرے ہر یاد نے دل پر دستک دی
جب لب پہ تمہارا نام نہ تھا، ہر دکھ نے پکارا اس دن تھا

ALIFADAB.COM
Watermarkly

اک تم ہی فراز نہ تھے تنہا اب کے تو بلا واجب آیا
اک بھیڑ لگی تھی مقتل میں ہر درد کا مارا اس دن تھا

حمدہ خان کی ڈائری سے

مہنگائی نے آج زندگی کے معنی کس قدر بدل دیے ہیں۔ لیکن صاحبان اقتدار کو اس کی ذرا پروا نہیں ہے۔ جاوید اختر کا یہ انداز آج کے منظر کو کس بے ساختگی سے بیان کرتا ہے۔

جینا مشکل ہے کہ آسان، ذرا دیکھ تو لو
لوگ لگتے ہیں پریشان، ذرا دیکھ تو لو

یہ نیا شہر تو خوب بسایا تم نے
کیوں پرانا ہوا ویران، ذرا دیکھ تو لو

ان چراغوں کے تلے ایسے اندھیرے کیوں ہیں
تم بھی رہ جاؤ گے حیران، ذرا دیکھ تو لو

پھر مقرر کوئی سرگرم سر منبر ہے
کس کے ہے قتل کا سامان، ذرا دیکھ تو لو

تم یہ کہتے ہو کہ میں غیر ہوں پھر بھی شاید
نکل آئے کوئی پہچان، ذرا دیکھ تو لو

ورثمن کی ڈائری سے

گلزار کی یہ نظم مجھے بہت پسند ہے۔ پہلی بار اپنی پسند قارئین کی نظر کر رہی ہوں، امید ہے آپ سب کو پسند آئے گی۔

ابھی نہ پردہ گراؤ ٹھہرو کہ داستاں آگے اور بھی ہے
ابھی نہ پردہ گراؤ ٹھہرو.....
ابھی تو ٹوٹی ہے کچی مٹی، ابھی تو بس جسم ہی گرے ہیں
ابھی تو کردار ہی بجھے ہیں
ابھی سلگتے ہیں روح کے زخم
ابھی دھڑکتے ہیں درد دل کے
ابھی تو احساس جی رہا ہے
یہ لو بچا لو، یہیں سے اٹھے گی جستجو پھر بگولا بن کر
یہیں سے اٹھے گا کوئی کردار پھر اسی روشنی کو لے کر
کہیں تو انجام و جستجو کے سرے ملیں گے
ابھی نہ پردہ گراؤ ٹھہرو!

حمیرا مظفر کی ڈائری سے

عامر امیر کی یہ غزل اپنی ڈائری میں، میں نے کس قدر خوش ہو کر لکھی تھی۔ آج نظر پڑی تو یاد آیا کہ میرے شوہر نے شادی سے پہلے کس قدر محبت اور جوش سے فون پر یہ غزل سنائی تھی۔ اب تو وہ باتیں خواب و خیال لگتی ہیں۔

یہ کہہ دو بغیر میرے نہیں گزارہ تو میں تمہارا
یا اس پر بھی کوئی تاثر، کوئی اشارہ تو میں تمہارا

غرور پرور، انا کا مالک کچھ اس طرح کے ہیں نام میرے
مگر قسم سے جو تم نے اک نام بھی پکارا تو میں تمہارا

تم اپنی شرطوں پہ کھیل کھیلو میں جیسے چاہے لگاؤں بازی
اگر میں جیتا تو تم ہو میرے اگر میں ہارا تو میں تمہارا

تمہارا عاشق، تمہارا مخلص، تمہارا ساتھی تمہارا اپنا
رہا نہ ان میں سے کوئی دنیا میں جب تمہارا تو میں تمہارا

تمہارا ہونے کے فیصلے کو میں اپنی قسمت پہ چھوڑتا ہوں
اگر مقدر کا کوئی ٹوٹا بھی ستارا تو میں تمہارا

یہ کس پہ تعویذ کر رہے ہو یہ کس کو پانے کے ہیں وظیفے
تمام چھوڑو بس ایک کر لو جو استخارہ تو میں تمہارا

آپ کا باورچی خانہ

سحر صبا

میرا تعلق مانچسٹر آف پاکستان یعنی فیصل آباد سے ہے۔ جو کہ آج کل کے حالات کے پیش نظر مانچسٹر تو بالکل نہیں رہا۔

س: نمبر 1۔ کھانا بناتے وقت آپ کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں؟

ج: کھانا پکاتے ہوئے جن باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے ان میں ایک بڑی بات جس کا ذکر کرنا شاید آپ بھول گئیں، اس دور کی سب سے بڑی بات اور وہ ہے بجٹ۔ جی ہاں اگر بجٹ ساتھ نہ دے تو روز تو کیا ہفتے میں ایک بار بھی گوشت کی شکل نظر نہیں آتی۔ جناب غذائیت اور پسند تو ایک طرف ہاں بجٹ دیکھا جاتا ہے کہ کوئی خریدنے کی ہمت ہے، آلو پیاز یا ٹماٹر؟ ویسے پہلے آلو ہم غریبوں کا سہارا تھے اب وہ بھی.....

س: نمبر 2۔ گھر میں اچانک مہمان آ گئے ہیں کھانے کا وقت ہے ایسی ڈش جو جلدی تیار ہو جائے؟

ج: جی جناب کیوں نہیں بہت بار اچانک ہی مہمان آتے ہیں۔ ویسے آج کل کے حالات کے پیش نظر مہمان بھی سمجھوتا کر لیتے ہیں۔ طلب منع کر دیا جاتا ہے کچھ خاص اہتمام سے کہ جو ہے ہم کھا لیں گے۔ مگر ہم پاکستانی قوم مہمان نوازی میں ہم چوکا نہیں کرتے جو بھی، جیسے بھی ہو مہمان کے آگے اچھا ہی رکھتے ہیں اور گوشت کی ایک ڈش تو لازمی۔

ایک ڈش پچھلے دنوں خاص دعوتوں کے لیے سیکھی اور سرائی بھی کی، اپنی خالہ اور خالو کو بنا کر کھلائی۔ تھینک یو خالہ اور اسپیشلی خالو تعریف کے لیے۔

رائل چکن

چکن	ایک کلو
لہسن	دو پوتھی پسا ہوا
دہی	ایک سے ڈیڑھ پاؤ
نمک	حسب ذائقہ
سرخ مرچ	ایک ÷ کھانے کا چمچہ
ہلدی	ایک چائے کا چمچہ
پسا زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
ہری مرچیں	سات سے آٹھ عدد
ہرا دھنیا	ایک گٹھی
پودینہ	ایک گٹھی
کھویا	ایک پیالی
آئل	تین سے چار کھانے کے چمچے

ترکیب:

سب سے پہلے ہانڈی یا کڑاہی میں آئل ڈال کر پسا لہسن ڈال کر گولڈن فرائی کریں۔ ڈش بنانے سے پہلے آپ دہی پھینٹ کر اس میں ہلدی، نمک مرچ پسا زیرہ ملائیں اور چکن اچھی طرح دھو کر دہی والے مسالے میں ملا دیں۔ جب لہسن گولڈن فرائی ہو جائے تو اس میں دہی میں لپٹی گوشت ڈال کر پکائیں۔ اگر نمک ہو تو پانی ڈال کر گلا لیں ورنہ چکن دہی کے پانی میں ہی گل جائے گا۔ پھر کٹا دھنیا پودینہ اور ہری مرچیں ڈالیں اور آخر میں کھویا ڈال کر اچھی طرح چمچ چلائیں۔ بچ کھوئے کا مزہ واہ۔ انگلیاں چاٹیں گے آپ کے اسپیشل گیسٹ۔ بالکل الگ ایک نئی ترکیب بغیر ٹماٹر اور پیاز کے۔

س: نمبر 3۔ کچن عورت کی سلیقہ مندی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ آپ کچن کی صفائی کے لیے کیا خاص اہتمام کرتی ہیں؟

ALIFADAB.COM
Watermarkly

ج: خاتون خانہ کا ٹوٹ ٹوٹ کر ..... ہاں جی کر ہی لیتے ہیں صاف۔ (تھوڑی ڈینڈی مار کے) ہاہاہا۔ ویسے برتن بھی ساتھ ساتھ دھوتی جاتی ہوں۔ صفائی بھی کرتی جاتی ہوں۔ باورچی خانے کے ساتھ فریج کی صفائی بھی ضروری ہے۔

س: نمبر 4۔ صبح کا ناشتا بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ آپ صبح ناشتے میں کیا بناتی ہیں؟

ج: آہم سچ بولوں تو میں اپنا بھی ناشتہ نہیں بناتی ہوں۔ سارا دن کا کام کچن کے علاوہ اور کچن سمیت میں نے خود لے لیا ہے۔ لیکن ایک ذمے داری سے بچنے کے لیے (کچھ دنوں میں اس کی ٹریننگ بھی اسٹارٹ ہو جائے گی امی کا موڈ ٹھیک نہیں) ناشتے کی ذمہ داری۔ تو ناشتہ امی بناتی ہیں۔ اور عام طور پر رات کا سالن ہوتا، بھائیوں کے لیے پراٹھے اور اپنے لیے پاپا کے لیے اور میرے لیے سوکھی روٹی جسے بعد میں، مطلب جب میری باری آتی ہے تو دیکھ کر کھانے کو دل نہیں کرتا اس لیے جائے سے معدہ جلاتی ہوں تو اب سوکھی روٹی کی ترکیب لکھوں یا چائے کی.....؟؟

س: نمبر 5۔ گھر سے باہر کھانا فیشن بنتا جا رہا ہے آپ مہینے میں کتنی بار باہر کھانا کھانے جاتی ہیں؟

ج: جی بالکل اور فیشن اپنانے میں تو ہم سب سے ماہر قوم ہیں۔ لیکن ہم نہ تو سالگرہ پہ جاتے ہیں نہ کچھ سیلیبریٹ کرتے، یہ کام گھر پہ ہی ہو جاتے ہیں، ہاں مگر شادیاں اٹینڈ کرنے ضرور جاتے ہیں جناب اور ہمارے ہاں تو فیشن ہے شادیاں بڑے بڑے ہوٹلز میں ارینج کرنے کا۔ تو ہم بھی ان ہوٹلز کا نظارہ کر لیتے ہیں۔ اور جب شادی کا کارڈ آتا ہے تو آس پاس والوں کو دکھا دکھا کرتاتے ہیں اس ہوٹل میں جا رہے ہیں۔ ہاہاہاہا۔

س: نمبر 6۔ کھانا پکانے کے لیے ڈش کا انتخاب کرتے ہوئے موسم کو مدنظر رکھتی ہیں؟

ج: جی بالکل دیکھیں ناں جو میسر ہو گا وہی پکے گا۔ اگر ساون میں پکوڑے اور سردی میں چھلی والی بات کر رہی ہیں تو جی ہاں اب ایسے بھی حالات نہیں۔ اپنی پہنچ تک ضرور بناتے ہیں موسم کے لحاظ سے مگر پھر بھی مجھے گرمیوں سے زیادہ سردیوں میں آئس کریم مزہ دیتی ہے اور وہ بھی رات کو اور بھائی زندہ باد منہ سے نکلی ہر

س: نمبر 7۔ کھانا پکانے میں آپ کتنی محنت کی قائل ہیں؟

ج: محنت..... اب یہ مت سمجھیں کہ ڈینڈی مارنے کے متعلق بتایا تو میں محنت نہیں کرتی۔ سچ سب سے زیادہ محنت کھانے پکاتے وقت کرتی ہوں۔ دلی دل سے اور محنت سے پکا کھانا کسی بھی طرح بدمزہ نہیں ہو سکتا۔ پھر آپ سے کچھ غلط ہوا ہو۔ ریکی محنت کے باوجود میری بھولنے کی عادت، کئی بار میں بھول جاتی ہوں کچھ نہ کچھ ڈالنا خیر اب تو میں بہت دھیان رکھتی ہوں۔ مگر پھر بھی کبھی بدمزہ نہیں بنا اور نہ شکایت ہی ہوئی۔ اور ایک چیز ہوتی ہے ہاتھ کا ذائقہ جو امی سے آیا ہے تو ہر بار تعریف پر میں صرف یہ سوچتی ہوں، امی کا کمال اگر ان کے ہاتھ میں ذائقہ نہ ہوتا تو میں کچھ نہ تھی۔ اور پلیز گھبرایا مت کریں کچھ غلط ہو بھی تو اپنی سی کوشش کر کے ٹھیک کر لیا کریں۔ ہو جاتا ہے۔ میں نے تو بہت سی ڈشز بگاڑ بگاڑ کر ٹھیک، مطلب بناتے بناتے گڑبڑ ہو جاتی مگر کوئی نہ کوئی حل اسے پھر سے اصل حالت میں لے آتا۔ تو دماغ حاضر رکھا کریں۔ اگر آپ یہ پوچھیں کہ کبھی پکانے میں کچھ خرابی کی شروع کے دنوں کا کوئی واقعہ؟ تو بتاتی ایک بار پلاؤ بناتے پیاز براؤن کر کے میں نے نمک مرچ ٹماٹر سب ڈالا پھر مٹر ڈالے، پھر پانی ڈال کر ابالنا تھا لیکن میں نے مٹر کے ساتھ چاول ڈال دیے بے دھیانی میں۔ بھگوئے ہوئے چاول، چلو، ایک بل کو تو لگا بس گیا پھر دماغ سے کام لے کر خود ہی حسب ضرورت پانی ڈال دیا۔ پانی پکا۔ خشک کیا اور دم لگا دیا۔ بہترین پلاؤ۔ ایک بات بتاؤں اب تو میں اسی طرح چاول بناتی ہوں۔ ہاہاہاہا۔ واہ

س: نمبر 8۔ کچن کی کوئی خاص ٹپ؟

ج: فریج میں مختلف چیزوں کی مہک مکس اپ ہو جاتی ہے تو لیموں کاٹ کر رکھ دیں یا تھوڑا سا بیکنگ پاؤڈر ایک چھوٹی پرچ میں ڈال کر رکھ دیں۔ چینی والے جار میں کیڑیاں یا چیونٹیاں آ جاتی ہیں تو دو عدد یا اگر جار بڑا ہو تو چار سے پانچ عدد لونگ ڈال دیں خود ہی نکل جائیں گی۔ اور بڑی عید کے بعد گوشت کو اگر آگ کی بھوسی لگا کر چھوڑ دیں تو سارا بلڈ نکل جاتا ہے پھر دھو کر سیف کر لیں۔ اور چکنائی سے بند سنک کا پائپ کھولنے کے لیے گرم ابلتے پانی میں پہلے نمک پھر دو چمچ میٹھا سوڈا ڈال کر پائپ میں بہا دیں، پیچھے سے سنک کا نل کھول دیں ایک دم صاف۔ سنک میں پانی جمع نہیں ہو گا۔

☆☆

موسم کے پکوان

واصفہ سہیل

ڈھاکہ بیف

اجزاء:

گائے کا گوشت	آدھا کلو
تیل	آدھا کپ
پیاز	ایک عدد
دہی	ایک کپ
کچا پپیتا	ایک کھانے کا چمچہ
دھنیا	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
پسی ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
گرم مسالا	ایک چائے کا چمچہ
کھوپرا	آدھا چائے کا چمچہ
بادام	گارنشنگ کے لیے
نمک	حسب ذائقہ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:

پیاز کے بیسن گوشت، دہی، کچا پپیتا، دھنیا، ہلدی، گرم مسالہ، لال مرچ، کھوپرا، بادام پستے، ادرک لہسن، نمک اور سفید زیرہ ڈال کر تین سے چار گھنٹے کے لیے میرینٹ کے لیے رکھ دیں۔

کڑاہی میں تیل گرم کر کے پیاز ڈال کر فرائی کریں، پیاز گولڈن ہو جائے تو گوشت ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ جب گوشت گل جائے اور پانی بھی خشک ہو جائے تو چولہے سے اتار کر ہرا دھنیا، ہری مرچوں اور ہری پیاز سے سجا کر ڈش میں نکال کر گرم گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

بیف روسٹ

ضروری اشیاء:

گوشت	ایک کلو
لہسن، ادرک	دو کھانے کے چمچے
دہی	ایک کپ
سرکہ	ایک چوتھائی کپ
چلی ساس	ایک کھانے کا چمچہ
کٹی ہوئی لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
پسا ہوا پپیتا	ایک کھانے کا چمچہ
گوشت گلانے کا پاؤڈر	حسب ضرورت
گھی	حسب ضرورت

ترکیب:

انڈر کٹ گوشت یا ران کا پیس لے کر اس کو کاٹنے کی مدد سے اچھی طرح گود لیں۔ پھر تمام مسالے ملا کر اسے ایک دن کے لیے فریج میں رکھ دیں۔

ایک پتیلی میں دو کھانے کے چمچے گھی ڈالیں اور بغیر پانی کے گوشت کو اسے دو گھنٹے کے لیے ہلکی آنچ پر رکھ دیں۔ جب گل جائے اور سرخ ہو جائے تو اتار لیں۔ لذیذ روسٹ تیار ہے۔ اگر چاہیں تو ایک کپ پانی بھی ڈال سکتی ہیں۔

کوکونٹ کھیر برفی

اجزاء:

کھیر کس	ایک پیکٹ
دودھ	ایک لیٹر
پستہ	ایک چوتھائی کپ
ناریل	ڈھائی کپ
ہرا رنگ	چٹکی بھر

ترکیب:

کھیر کس کو دودھ کے ساتھ گھول کر پکائیں۔ گاڑھا ہونے کے بعد اس میں پستہ شامل کریں اور مزید پانچ منٹ پکائیں۔ ناریل اور ہرا رنگ ملائیں۔ ایک پلیٹ کو چکنا کریں۔ اب اس پر تیار کیا ہوا مکسچر پھیلا دیں۔ ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھیں۔ جمنے کے بعد ٹکڑوں کی شکل میں کاٹ لیں۔

(نوٹ: کھیر کو کافی گاڑھا ہونے تک پکانا ہوگا)

☆☆

ALIFADAB.COM
Watermarkly

عنوان

ڈپریشن کی وجوہات

کم ہمتی، تنگ مزاجی، غصہ، خوف اور دل تسلی بھی ایک طرح کا ڈپریشن ہے۔ ان میں غصہ اور تنگ مزاجی زیادہ ڈپریشن کے زمرے میں نہیں آتے۔ لیکن پھر بھی بعض دوسری باتیں مل کر یقین اپنی کم ہمتی کی وجہ سے زبردستی کا غصہ، بات بات پر چڑ اور تنگ مزاجی کو بھی ایک طرح کا ڈپریشن ہی سمجھنا چاہیے۔ اس سے نجات حاصل کرنا مکمل طور پر آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ارادے باندھنا، ہمت کرنا اور اس پر عمل کرنا ڈپریشن کو شکست دینا ہے۔ اور ایک واضح شکست دینے کا مطلب ہے کہ آپ نے ڈپریشن پر فتح حاصل کرلی اور اپنی زندگی کو کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار کرلیا۔

ڈپریشن سے نجات کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ خود کو مصروف رکھیں۔ دوسروں میں دلچسپی لیں۔ ان سے محبت کریں، محبت کرنے والے لوگوں کو اپنے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ وہ دوسروں کی خوشیوں میں اپنی خوشیاں تلاش کرتے ہیں۔ اور ان کے دل ہمیشہ سچی خوشی سے سرشار رہتے ہیں۔

س۔ خان ..... راولپنڈی

میری عمر پینتیس سال ہوگئی ہے۔ میرے گھر والے میری شادی کے لیے پریشان ہیں۔ میری تقریباً تمام فرینڈز کی شادی ہوگئی ہے۔ مجھے بہت ٹینشن ہے ہماری ایک رشتہ دار کچھ روز قبل میرے لیے ایک رشتہ لائی ہیں اس شخص کی بیوی مرچکی ہے اور اس کی ایک تین سال کی بیٹی ہے اپنا جنرل اسٹور اور اپارٹمنٹ بھی ہے۔ میرے گھر والے اس رشتے پر مطمئن ہیں کہ یہ قابل قبول ہے۔ ویسے تو شکل وصورت اور مالی حیثیت سے وہ بالکل ٹھیک ہیں لیکن میرے دل میں خلش سی ابھرتی ہے کہ وہ ایک بچی کے باپ ہیں۔ شادی کے وقت میری فرینڈز کو یہ پتا چلے گا کہ میری ایک بچی کے باپ سے شادی ہوئی ہے تو سب کیا سوچیں گی۔ کتنی باتیں بنیں گی میرا دل اس ایک نقطے پر آکر ٹوٹ جاتا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔

ج: عزیز بہن! شادی کے لیے آپ کی دلی رضامندی بہت ضروری ہے۔ آپ ان صاحب کے بارے میں سوچ لیں۔ اگر وہ آپ کو اچھے لگیں تو قبول کریں، اس بات کی پروا نہ کریں کہ آپ کی دوستیں کیا سوچیں گی، کیا کہیں گی۔ دنیا کا کام تو باتیں بنانا ہے۔ آپ نے لکھا ہے مالی حیثیت سے وہ بالکل ٹھیک ہیں شکل وصورت بھی آپ کو بری نہیں لگی تو صرف اس لیے چھوڑ دینا کہ لوگ کیا کہیں گے بے وقوفی ہے۔ البتہ ایک بات سمجھ لیں کہ آپ کو صرف بیوی نہیں بننا ایک بچی کو ماں بن کر بھی سنبھالنا ہوگا یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اس میں کوتاہی کی تو دین و دنیا میں جواب دہ ہوں گی۔ اگر آپ اپنے دل میں اتنی وسعت پاتی ہیں تو یہ رشتہ قبول کریں ورنہ انکار کر دیں۔

ام اقصیٰ ..... بہاول نگر

میں ایک بیوہ خاتون ہوں دو بچوں کی ماں ہوں۔ اپنے بھائی کے ساتھ رہتی ہوں میرے بچے آٹھ اور دس سال کے ہیں، ان کی پرورش میرے لیے آسان نہیں ہے ماں باپ حیات نہیں ہیں۔ ہمارے محلے میں ایک

صاحب رہتے ہیں، ریٹائرڈ گورنمنٹ افسر ہیں ان کے دو بیٹے ہیں، دونوں لاہور اور فیصل آباد میں سرکاری ملازم ہیں شادی شدہ بچے والے ہیں۔ یہ صاحب بیوی کے ساتھ اکیلے رہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کوئی ایسی لڑکی ہو جو ان کے گھر اور بیوی کو سنبھال سکے۔

سال بھر پہلے میرے شوہر کا انتقال ہوا اور میں بھائی کے گھر آئی تو پہلے اشاروں، کنائیوں میں اور اب تو کھلم کھلا میرے بھائی نے ان کے رشتے کی بات کرنی شروع کردی ہے کیا میرا ان صاحب سے شادی کرنا مناسب ہے بظاہر وہ ہر وقت بے ٹھنے رہتے ہیں لیکن عمر زیادہ ہے۔ میرے بھائی کا کہنا ہے کہ ان کی پینشن بڑی تگڑی ہے۔ اثر ورسوخ والے ہیں اور ان کے بیٹوں کو بھی اعتراض نہیں۔ میرا دل خون کے آنسو روتا ہے کہ، میرا ماں جایا سال بھر میں ہی میرے بوجھ سے گھبرا گیا اگر میرے سسرال والے اتنے پیسے والے ہوتے تو یقین کریں میں ایک دن یہاں نہ رکتی اور اپنے گھر لوٹ جاتی میرے شوہر نے روکھی سوکھی میں بھی مجھے بڑے پیار محبت سے رکھا تھا۔

ج: عزیز بہن! سارے حالات آپ کے سامنے ہیں۔ آپ کے شوہر نے کوئی پیسہ نہیں چھوڑا ہے نہ ہی آپ کا کوئی ذریعہ آمدنی ہے۔ دو بچوں کے اخراجات، ان کی تعلیم کا خرچا آپ کے بھائی نہیں اٹھا سکتے، ان کے اپنے بیوی بچے ہیں۔ مہنگائی کے اس دور میں اپنے بچوں کا خرچ اٹھانا ہی مشکل ہے۔ آپ کو سوچنا ہوگا۔ آپ بھائی پر انحصار نہیں کرسکتیں۔ آپ کی تعلیم بھی کم ہے۔ آپ کے پاس کوئی ہنر بھی نہیں۔ بچوں کے اخراجات کیسے پورے کریں گی۔ آپ ان صاحب سے خود بات کریں انہیں بتائیں کہ شادی کے بعد بچے آپ کے ساتھ رہیں گے۔ اور آپ کے بچوں کے اخراجات کی ذمہ داری انہیں اٹھانا ہوگی۔ اگر وہ رضامند ہوں تو اس رشتے کو قبول کر لیں ورنہ انکار کردیں۔

مسز ج ..... ساہیوال

میں ایک ہاؤس وائف ہوں شوہر سرکاری ملازم ہیں گھر کے اخراجات مشکل سے پورے ہوتے ہیں۔ حال ہی میں اپنے تین بچوں کو بڑی مشکل سے پیسے جوڑ کر ایک انگلش میڈیم اسکول میں داخلہ دلوایا ہے لیکن اب جان مصیبت میں پھنس گئی ہے میاں الگ ناراض رہتے ہیں وہ تو پہلے ہی گھر کے قریب سرکاری اسکول میں بچوں کو داخل کرانا چاہتے تھے۔ ساس سسر الگ جان ہلکان کرتے ہیں کہ تیرے بچوں نے پڑھ لکھ کر کون سا وزیراعظم بن جانا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں بچوں کو اسکول سے اٹھالوں یا خود ہی کوئی نوکری کرلوں، میں نے ایف اے تک پڑھا ہوا ہے۔ ایک قریبی اکیڈمی میں بات کی ہے وہ دو بچوں کی فیس جتنے پیسے دینے پر تو راضی ہیں پر میری ساس نے رولا ڈالا ہوا ہے کہ اب تو نوکری بھی کرے گی، میاں پھر بھی راضی ہیں، کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ گھر چھوڑ کر نکل جاؤں ساری مشکلات سے چھٹکارا پالوں۔

ج: عزیز بہن! آپ بچوں کو اچھی تعلیم دلانا چاہتی ہیں۔ یہ کوئی غلط یا ناجائز خواہش نہیں ہے۔ سب والدین چاہتے ہیں کہ ان کے بچے اچھی تعلیم حاصل کریں اگر آپ کو ملازمت مل رہی ہے اور آپ کے میاں بھی رضامند ہیں تو آپ ملازمت ضرور کریں۔ میاں سے کہیں وہ اپنے والدین کو منائیں۔ آپ خود بھی اپنی ساس کو یقین دلائیں کہ آپ کے ملازمت کرنے سے گھر کے کام پہلے کی طرح ہوتے رہیں گے اور گھر کے نظام میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

☆☆

ALIFADAB.COM
Watermarkly

بیوٹی بکس

س 1۔ میری بیٹی کی عمر چودہ سال ہے اس کے چہرے پر مہاسے نکل آئے ہیں آپ مجھے کوئی دیسی طریقہ بتادیں؟

ج۔ آپ کی بیٹی ابھی کم عمر ہے۔ آپ آدھا چمچہ شہد اور چہرے پر مساج کریں۔ شہد ایک قدرتی موئسچرائزر ہے اس میں اینٹی بیکٹریل خصوصیات ہوتی ہیں۔ یہ کیل مہاسوں کا بہترین علاج ہے۔ مساج کے بعد چہرے کو سادہ پانی سے دھولیں۔ کھیرا بھی اس مسئلے کا بہترین حل ہے یہ جلد کو نمی اور ٹھنڈک فراہم کرتا ہے۔ جہاں دانے یا مہاسے ہوں تو اس جگہ پر دس سے پندرہ منٹ کے لیے کھیرے کے ٹکڑے جلد پر رکھیں۔ اس کے بعد سادہ پانی سے دھولیں۔ یہ مہاسوں والی جلد کے بہتر طریقے سے کام کرتا ہے۔

س 2۔ آپ مجھے کچھ گھریلو اینٹی ایجنگ چیزیں بتادیں جو میں خود بنا کر استعمال کرسکوں میری عمر پچاس سال ہے مہینے بعد بیٹے کی شادی ہے؟

ج۔ سب سے پہلے تو آپ اپنی جلد کو موئسچرائز کریں اس کے لیے کچا دودھ بہترین ہے۔ یہ مسامات کو سکیڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور مردہ خلیات کو باآسانی جلد سے ہٹا دیتا ہے۔

کچے دودھ اور کیلے سے آپ فیس ماسک بھی بنا سکتی ہیں دونوں کو پیالے میں لے کر کانٹے کی مدد سے ہموار پیسٹ بنالیں۔ چہرے اور گردن پر پندرہ منٹ کے لیے لگائیں اور سادہ پانی سے دھولیں۔

کیلا وٹامن اے بی اور ای سے بھرپور ہوتا ہے۔ اس لیے اینٹی ایجنگ کے طور پر کام کرتا ہے۔ وٹامن سی اور بی 6 آپ کی جلد کو لچک دار بناتا ہے۔ چاول کا آٹا بھی بہترین اینٹی ایجنگ پراڈکٹ ہے۔ یہ داغ دھبوں مہاسوں جھریوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ دہی بھی ہر عمر میں جلد کے لیے بہترین ہے یہ ایک قدرتی کلینزر بھی ہے۔

دو چمچے چاول کے آٹے کو ایک چمچہ دہی اور حسب ضرورت عرق گلاب میں اچھی طرح مکس کرلیں۔ چہرے پر لگا کر چند منٹ مساج کریں بیس منٹ بعد سادہ پانی سے دھولیں۔

کافی ماسک کے لیے ایک چمچہ کافی، کوکو پاؤڈر اور چوتھائی چمچہ ناریل کا تیل کو اچھی طرح مکس کریں۔ چہرے پر لگائیں اور بیس منٹ بعد دھولیں کافی میں کیفین اور اینٹی آکسیڈنٹس کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ یہ جلد کے لیے بہترین ہے۔

س 3۔ میری جلد حساس ہے، گرمی کی وجہ سے جھلس بھی گئی ہے دیسی ٹوٹکا ہے تو بتادیں۔

ج۔ سب سے پہلے تو آپ پانی زیادہ سے زیادہ پئیں۔ باہر نکلنے سے پہلے عرق گلاب کا اسپرے کریں۔ جھلسی ہوئی جلد کے لیے انگور کا رس بہترین ٹانک ہے۔ کھیرے کے رس کو ٹھنڈا کرکے مساج کریں یہ آپ کی جلد کو بہت سکون دے گا اور چہرہ بھی چمک دار ہوجائے گا۔

ایک چمچہ بیسن میں ایک چٹکی ہلدی ڈالیں اور حسب ضرورت لیموں کا رس ملا کر چہرے پر لگائیں جب خشک ہوجائے تو چہرہ دھولیں۔ ہفتے میں دو دفعہ اس ماسک کو لگائیں اس سے رنگت بہتر ہوجائے گی۔

س 4۔ میری جلد خشک ہے مجھے کوئی فیس ماسک بتادیں؟

ج۔ پپیتا اور کیلا ہم وزن لے کر میش کرلیں۔ چہرے اور گردن پر لگائیں آدھے گھنٹے بعد دھولیں۔ خشک جلد کے لیے بہت بہترین فیس پیک ہے اس کے علاوہ آلو اور کھیرا آنکھوں کے سیاہ حلقوں کے لیے بہترین ہے۔

☆☆

ALIFADAB.COM
Watermarkly